
مسجد حمیدیه
قسطنطنیه

ترکون کی معاشرت

ترجمہ

"دی ڈائری آف اے ٹرک"

مصنفہ

خالد خلیل ایم-اے-ایم-آر-اے-ایس

جسے

خاکسار محمد حسن خاں اسسٹنٹ فنانشل ڈپارٹمنٹ گورمنٹ آف انڈیا

مترجم ترک عبد الرحمانی وغیرہ

نے

معہ متعدد حواشی و ایک دیباچہ کے

جسمیں

مسئلہ تعلیم و آزادی نسوان و اثبات پردہ

پر

عقلی و نقلی دلائل سے نہایت مشرح و مبسوط بحث کیگئی ہے مرتب کیا

اور

مطبع مفید عام آگرہ مین باہتمام محمد قادر علیخاں صوفی چھپوایا

سنہ ۱۹۰۵ع

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترکوں کی معاشرت

دیباچہ مترجم

مسئلہ تعلیم و آزادی نسوان

بہ ۔ نئی کی ہے اسے رفتار مرجا باقی | کپڑے میں ہے جب تلک کہ دھبا باقی
حالی
دھو شوق سے دھبے کو پہ اتنا نہ رگڑ | دھبا رہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی

اس سے پیشتر کہ مندرجہ بالا اشعار کے مفہوم سے بحث کروں اور جو کچھ ان سے مترشح ہوتا ہے اُس کے متعلق جو کچھ میرے دل میں ایک عرصہ سے جاگزیں ہے آج ہدیۂ ناظرین کروں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند سطریں اس امر کی توضیح کے لیئے پیش کی جب میں کہ ترکوں کی **معاشرت** کے ذریعہ سے میں اس مرتبہ پبلک کے روبرو کیوں حاضر ہوا ہوں یہ ایک عام بات ہے کہ ایک متمدن انسان کی طبیعت میں جتنی کہ ایک انسان کے دل میں بھی جسنے کہ تمدن کی تھوڑی سی جھلک بھی دیکھہ پائی ہو یہ گدگدی پیدا ہوا کرتی ہے کہ مختلف اقوام بنی نوع انسان کے حالات اُنکے ہر قسم کے طور طریقے انکی طرز معاشرت وغیرہ سے آگاہی حاصل کرے اور اگر ممکن ہو تو کوئی مفید سبق اُن سے سیکھے - یہ گدگدی گویا یہ ظاہر کرتی ہے کہ

کہ اُس شخص کی طبیعت میں اب مادۂ خودشناسی جنم لے چکا ہے جو کہ اگر زمانہ کے
گرم و سرد تخیلات باطلہ و توہمات کی بھول بھلیاں اور مختلف اقسام کی فریب وہ روشنی کی
چکا چوند سے بچ گیا تو انشاءاللہ تعالیٰ ضرور پہلے پھولیگا اور دوسروں کے حالات کا اپنے حالات
سے موازنہ کر کے رفتہ رفتہ پہچان جائیگا کہ میں خود کیا ہوں اور مجھے کیا ہونا چاہئیے۔ خداوند کریم
کا شکر ہے کہ ہندوستان کے گئے گذرے مسلمانوں میں کچھ عرصہ سے اور اگر تعین وقت کا لحاظ
کیا جاے تو سر سید احمد خان مرحوم کی پُرزور تقریروں و تحریروں کے زمانہ سے یہ آفتاب جوہر
خودشناسی طلوع ہوا اور اُسکی کرنوں نے بہت سے حصہ ملک کو محیط کر لیا گو ہنوز یہ اُفق سے
اچھی طرح اوپر نہیں آیا ہے۔ میرے نزدیک یہی باعث ہے کہ جب سے ہندوستان کے
مسلمان کسی قدر اپنی خواب خرگوش سے بیدار ہوئے ہیں انہیں اپنی قدیم تواریخ کے
پڑھنے کا آج کل پیشتر کی بہ نسبت زیادہ شوق ہے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم کرنا چاہتے
ہیں کہ دنیا کے دوسرے ملکوں کے مسلمان اسوقت کیسے ہیں اور کیا کر رہے ہیں
یہ اور بات ہے کہ جو کتابیں وہ پڑھتے ہیں وہ کیسی ہوتی ہیں اُن کے انتخاب اور اُن کی
چھان بین میں اُنکے صحیح و غلط ہونے میں اور پھر اُن سے ٹھیک نتیجہ نکالنے
میں اُنہیں کہانتک کامیابی ہوتی ہے یا موجودہ طرز تعلیم کا اثر اُن کی اس قسم کی کوششوں پر
کیسا رنگ چڑھاتا ہے لیکن جیسا کہ ابھی کہہ چکا ہوں اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ فی زمانہ
ہندوستان کے مسلمانوں میں یہ شوق ضرور پیدا ہو چلا ہے کہ تفحص حالات کریں اور یہ
اُسکا دیباچہ ہے کہ وہ اپنے ہم مذہب و ملت اقوام کے متعلق صحیح حالات دریافت کرنے
کے مشتاق معلوم ہوتے ہیں۔ یہی شوق اس امر کا بھی محرک ہوا کہ ہاجرہ اور تزک عبدالرحمانی کے
شائع ہونے پر میرے بعض عنایت فرما مصر ہوئے کہ اگر ترکوں کی معاشرت کے متعلق صحیح

حالات خاص کسی ترک کے قلم سے نکلے ہوے ہیں اپنے اُردودان قدردانوں کیخدمت میں پیش کروں تو وہ اچھی نظر سے دیکھے جائینگے۔ چونکہ جیسا کہ میں اوپر کہہ چکا ہوں اِس اشتیاق کو میں ترقی کا پیش خیمہ سمجھتا ہوں اُسیوقت سے میں نے اپنے احباب کی تعمیل ارشاد کا مصمم ارادہ کرلیا اور یہ میری خوش قسمتی ہے کہ ایک ترک کی ایک تازہ تصنیف ہاتھہ لگ گئی جسکا ترجمہ کہ اسوقت ہدیہ ناظرین ہے۔ ساتھہ ہی یہ کہنا بھی ضرور ہے کہ میں نے صرف اس تصنیف کے ترجمہ پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ جیسا کہ خود ناظرین ملاحظہ فرمائینگے کتاب کی دلچسپی زیادہ کرنے کے لیے دوسرے ذریعوں سے بھی مزید حالات بطور فٹ نوٹ اسمیں زیادہ کئے گئے ہیں۔ اسکی وجہ زیادہ تر یہ بھی ہوئی ہے کہ مصنف کتاب خلیل خالد نوجوان ترکی جماعت کے ایک ممبر ہیں اور بوجہ ایک ذاتی معاملہ کے گورنمنٹ ترکی اور خصوصاً حضرت سلطان المعظم خلد اللہ ملکہ سے خوش نہیں ہیں۔ سلطان المعظم کی نسبت تو اُنھوں نے خاصکر اسقدر لغو بے سروپا خامہ فرسائی بعض موقعوں پر کی ہے کہ میں نے ترجمہ میں اُس عبارت کو بالکل ترک کردیا ہے اور محض اِس وجہ سے کہ اگر میں اُسے رہنے دیتا تو مجھے اُسکی تردید میں بہت کچھہ عزیز وقت ضائع کرنا پڑتا گویا مجھے اسمیں مطلق دقت نہ ہوتی۔ مثلاً ایک جگہہ وہ کہتے ہیں کہ سلطان حال تعلیم نسواں کے سخت مخالف ہیں اور وجہ مخالفت یہ بیان کی ہے کہ انہیں خوف ہے کہ تعلیم نسواں کے ذریعہ سے آزاد خیالات کے اشخاص پیدا ہونگے جس سے کہ اختیارات سلطانی میں خلل واقع ہوگا۔ اِسکی تردید میں بجائے کسی طول طویل بحث کے اس قدر کہنا کافی ہے کہ سنہ ۱۹۰۰ء[۱] تک لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کے لئے سلطان المعظم نے

---

[۱] نیو ایسٹ میگزین مورخہ ۱۹ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء

علم سے پچاس ہزار مدارس قائم ہوچکے تھے اور اب تو انکی تعداد اور بھی زیادہ ہوگی۔
خلیل خالد کی رنجش کا باعث اُنکی جائداد کا ضبط ہوجانا ہے لیکن ہر منصف مزاج
شخص اِس کتاب میں خود اُن ہی کی یکطرفہ تحریر اس بارہ میں پڑھکر صحیح رائے قائم کرسکتا
ہے کہ جن شرائط پر سلطان محمود ثانی نے مصنف کے بزرگوں کو جائداد عطا فرمائی
تھی اُن کی تعمیل مطلق نہین کی گئی اور اس لئے جائداد ضبط کر لینے کی وجہ سے گورمنٹ
ترکی پر کوئی الزام عائد نہیں ہوسکتا۔ بہرحال مصنف کی سخت کلامیوں کا مجموعہ دس بارہ
صفحہ سے زیادہ نہیں ہے جسے کہ میں نے ترجمہ سے خارج کردیا ہے اور اسکا اثر نفس
کتاب پر مطلق نہیں پڑتا۔ مجھے یقین ہے کہ ترکوں کی معاشرت ناظرین کیلئے باعث دلچسپی ثابت ہوگی
عنایت فرما حضرت کی تعمیل ارشاد کے ساتھ ہی میرا دوسرا مقصد
بمصداق مصرعہ چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار۔ یہ حاصل ہوا ہے کہ ایک عرصہ
سے جو میں اپنے نوجوان مسلمان بھائیوں اور نیز بعض دیگر مسلماوں کے خیالات کی کایا پلٹ
تعلیم و آزادی نسواں کے متعلق دیکھہ رہا ہوں اور اُسکی نسبت نہایت بے تعصبانہ غور
کے بعد جو میں نے نتیجہ نکالا ہے اُسے بھی حضرات بالغ نظر کے سامنے پیش کروں
ویسے تو اور مسائل کے بارہ میں بھی اِن مفروضہ مصلحان قوم نے اپنے دل و دماغ
اور سچے بہی خواہانِ قوم کو تکلیف دی ہے بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ مسلمان کسیقدر جاگے
بھی تو ایسے بے تکے بیدار ہورہے ہیں کہ اُس بے بہا و لاثانی جوہر کو جس کی بدولت
وہ آج مسلمان ہیں اور مسلمان کہلاتے ہیں محض جوہر شناسی کی قابلیت نہ رکھنے کی وجہ سے
معمولی کنکر پتھر سمجھکر اپنے درمیان سے علیحدہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں اور دعویٰ
یہ ہے کہ خس کم جہاں پاک پتھروں میں سے جواہرات نکالے جارہے ہیں۔ کوئی نماز کے

پیچھے ہاتھہ دھو کر پڑا ہے کسی کو وضو و طہارت کے قواعد سے تکلیف ہوتی ہے کوئی
قرآن شریف کی ترتیب پر حرف لاتا ہے کسی کی آنکھہ میں احکام ترکہ و زکوۃ و خیرات
کھٹکتے ہیں کوئی مینوشی کی ممانعت کے تشدد کو خلاف تہذیب و خلاف عقل جانتا ہی
کوئی بیچین ہے کہ تعدد ازدواج کی اسلام نے کیوں اجازت دی اور کچھہ لیاقت رکھتا ہو
یا نہ رکھتا ہو مذہب کی الف ب سے واقف ہو یا نہو لیکن اجتہاد کے لئیے مستعد اور
اپنی دو تین انچ کی کھوپڑی کے برتے پر احکام کی تردید کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ کوئی
اس غم میں خشک ہوا جاتا ہے کہ سود ایسی شے کی جسے کہ کانوں کو خوشگوار بنانے
کے لئے وہ تجارتی سود کہتا ہے کیونکر ممانعت ہو سکتی ہے اور باوجود دعوے ہمدردی
قوم فنافی السود ہو کر خداوند کریم کی وہ خاص نعمت جو ہر انسان میں ودیعت کی گئی ہے
یعنی سچی و بے لوث ہمدردی بنی نوع انسان اپنے ہی بھائی مسلمانوں سے سو کے
١٢٥ سوا سو اور ڈیڑھ سو لیکر ہمیشہ کے لئے کھو دیتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ ولولے اور
طبیعتوں کے اُبال محض انگریزی داں نوجوانوں ہی میں پیدا ہوئے اور انگریزی سے
نابلد باسی کڑھی میں اُبال نہیں آیا۔ نہیں اُن باسی کڑہی والوں مین بھی بہت سے ایک
مدت مدید سے احکام اسلامی کے عملاً مخالف تھے اور اب بھی ہیں لیکن اُن میں اور اس
نئی پودہ میں یہ نہایت ہی عظیم الشان اور قابل لحاظ فرق ہے کہ اُن میں سے زیادہ تر جو
گناہ کرتے تھے تو اُسے ساتھہ ہی گناہ بھی سمجھتے تھے اور اس لئے ممکن ہے کہ کسی وقت
وہ اپنے افعال سے توبہ بھی کرتے ہوں لیکن یہاں تو یہ کیفیت ہے کہ یہ آزادی کے
دلدادہ اس مصنوعی بنا پر کہ دورنگی اچھی نہیں گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھتے اور نہ بُری بات کو
بُری بات جانتے ہیں بلکہ جو اُن کے دلوں میں سما جاے وہ ہی اُن کا مذہب اور وہی

اُن کا عقیدہ ہے اور اگر احکام شرعی اُن کے خلاف ہوں تو نعوذ باللہ اُن احکام میں ترمیم ہونی چاہیے نہ کہ اُن کے پاک از خطا اور کامل دماغ اور خیالات میں۔ اب سے چند سال پہلے اگر بعض حضرات پابند صوم وصلوٰۃ نہ تھے یا منہ کا مزا بدلنے کے لئے اپنے دلوں پر قادر نہیں رہ سکتے تھے یا بے پردہ مستورات کی سج دھج اور بانکی ادائیں دیکھکر دل مسوس کر رہجاتے تھے تو ساتھہ ہی یہ بھی تھا کہ ان سب باتوں پر دلیر نہوتے تھے اور انہیں بُرا جانتے تھے لیکن اب تو یہ کیفیت ہے کہ جو کچھ کرتے ہیں اُسے شرع شریف کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور دوسروں کو بھی بہکا کر اپنا ہم خیال اور ساتھی بنانا چاہتے ہیں بلکہ یہانتک جرأت ہو چلی ہے کہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ بنا کر ایک جداگانہ فرقہ ہی بنانے کے لئے مستعد ہیں۔ میرے نزدیک درحقیقت یہ نہایت ہی نازک وقت قوم کے لئے ہے۔ اسوقت ایک اور قومی ناخدا کی سخت ضرورت ہے جو کہ ان بھٹکے ہوؤں کی رہنمائی کرے تاکہ جس ورطہ خوفناک میں یہ پہنسے ہوئے ہیں اُس سے یہ کامیابی کے ساتھ چھٹکارا پائیں ورنہ اگر یہی حال رہا تو ضرور ہے کہ یہ قومی کشتی زیادہ دن برآب نہ رہ سکیگی۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہندوستان کی اور قومیں تو مغربی تعلیم سے بہرہ یاب ہو کر قومی ہمدردی۔ حب وطن اخوت۔ یکجہتی۔ اتفاق۔ ایثار۔ حق شناسی۔ خودداری اور حق گوئی سیکھیں۔ اپنے اُن مذہبی عقائد کو جو کہ قرار واقعی قابل اعتراض اور گرفت ہوں (مثلاً بت پرستی وغیرہ) فلسفانہ جامہ پہنائیں اور ایک ہم ہیں کہ جہاں ہمارے کسی مذہبی اصول پر دوسرے مذہب کے اشخاص کا حملہ ہوا اور ہم اپنی جہالت کی وجہ سے بلا سمجھے بوجھے آمنّا وصدّقنا کہنے کو تیار اور اُسکی قطع برید میں فوراً مصروف ہوجاتے ہیں حالانکہ خدا کی قدرت کا یہ ایک

عجیب وغریب نمونہ اور اسلام کی صداقت کا بیّن ثبوت ہے کہ وہی غیر اسلامی لوگ جو کہ خاص اسلامی عقائد پر معترض ہوتے تھے آج خود رفتہ رفتہ اُن پر کاربند ہوتے جاتے ہیں گو زبان سے اقرار نکریں۔ لیکن اس پر بھی مسلمانوں کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ مادہ تحقیقات باریک بینی اور اُنکی قوت ممیزہ کچھہ اس طرح سلب ہوگئی ہے اور نظر اسقدر سطحی ہوگئی ہے کہ وہ یورپ امریکہ کی ہر شے کے دلدادہ اور اُسپر شیفتہ ہیں اور اسلامی تمدن کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں۔ اِسکی وجہ کیا ہے؟ صرف یہی کہ مذہبی تعلیم سے بے بہرہ ہونے کے علاوہ اپنی تاریخ اور اسلامی لٹریچر سے مطلق واقف نہیں۔ اسکول اور مدرسہ کی تعلیم کے ختم ہونے کے بعد کتب بینی کا شوق تو اکثر صرف ناول خوانی تک محدود ہو جاتا ہے اور اخبارات پڑھنے کی دیگر فیشن ایبل امور اجازت نہیں دیتے ورنہ میرا دعویٰ ہے کہ اگر کوئی شخص اچھی طرح احتیاط سے اخبار پڑھا کرے تو زمانہ کے حالات اُسپر بخوبی روشن ہو جائیں اور رفتہ رفتہ وہ صائب الرائے ہو جاے لیکن مدارس کی تعلیم جس قسم کی ہوتی ہے اور خاصکر اُسکا وہ حصہ جو اسلامی تاریخ سے متعلق ہے جیسا ہوتا ہے اُس سے سوائے اسکے ہرگز دوسرا نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا کہ ایک نوجوان مسلمان اسلامی تاریخی کارناموں کو ایک صفحہ سادہ تصور کرے جب تک کہ مزید تحقیقات کی کل اسپر بالکل نئی عبارت نہ چھاپ دے کیا تعجب کا مقام نہیں ہے کہ مینوشی جسکی یورپ اور امریکہ میں وہاں کے لوگوں کے عقائد کے مطابق مذہباً کوئی ممانعت نہیں ہے آج نہایت ہی بُری نظر سے دیکھی جائے۔ ڈاکٹر جہانتک کہ اُن کی دست قدرت میں ہے نئی نئی تحقیقاتوں کے ذریعہ سے ثابت کریں کہ وہ کس قدر مضر ہے بڑی بڑی انجمنیں بسرپرستی اعلیٰ ترین حکام قائم ہوں اور میخوری کے انسداد کی تدبیریں سوچی جائیں انگلستان میں مینوشی کی سزا میں بی بی میاں کے درمیان

علیحدگی بمنزلہ طلاق کے کردی جائے اور اسکے لئے پارلیمنٹ کا ایک ایکٹ [۵۱] پاس ہو۔ گویا کہ جس شے کی خباثت مسلمانوں کو تیرہ سو برس پہلے سے معلوم تھی وہ آج ان لوگوں پر منکشف ہوا اور ہزار ہزار افسوس ہے ہم پر کہ ہم اپنے مقدس احکام کی خلاف ورزی عمل درآمد کرنا تہذیب کے اعلیٰ زینہ پر پہونچنا خیال کریں - اہل امریکہ و نیز دیگر مغربی اقوام طلاق کی

---

۵۱ اخبار محمدن مدرس مورخہ ۲ فروری سنہ ۱۹۰۳ء میں منفصلہ ذیل اقتباس کسی اخبار سے شائع ہوا تھا۔

"چند ہفتے ہوئے جبکہ ویسٹ منسٹر میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا تھا جسکی غرض یہ تھی کہ عورتوں میں جو مینوشی زیادہ ہوتی جاتی ہے اُسکا انسداد کیا جائے - نہایت ہی رنجدہ قصے اس امر کے ثبوت میں بیان کئے گئے کہ یہ مرض عورتوں میں اور خاصکر اعلیٰ طبقہ کی عورتوں میں کس درجہ ترقی کر رہا ہے -

سر طامس بارنومشہور طبیب نے اس بارہ میں بہت کچھ بیان کیا - علاوہ دیگر باتوں کے اُنھوں نے لنڈن کے مغربی حصہ کی ایک گلی کا حوالہ دیا کہ اُسکا نام نہ بتایا جاوے اُن کے علم میں تیس عورتیں پکی شرابی تھیں . . . . سنہ ۱۹۰۲ء میں جو قانون مینوشی پارلیمنٹ نے پاس کیا تھا وہ مرد و عورت دونوں پر عائد ہوتا ہے اور ثبوت کے بعد عدالت سے میاں بی بی کو ایک دوسرے سے علیحدگی حاصل ہو سکتی ہے"

اس ایکٹ کے پاس ہونے کے کچھ دن بعد میں نے اخبار اسٹیٹ سمین کلکتہ کے ایک پرچہ میں پڑھا تھا کہ زن و شو کی درخواستیں نہایت کثرت سے اس قانون سے مستفید ہونے کے لئے گذری تھیں اور مردوں کی چار سو درخواستوں کے مقابلہ میں زنانہ درخواستوں کی تعداد ایک سو تھی جس سے کہ مستورات میں زیادتی مینوشی کا پتہ لگتا ہے -

آسان کرنے کے لئے کوشاں ہوں حتی کہ آج کل ذرا ذرا سی باتوں کی بنا پر زن وشوہیں
علیحدگی ہونے لگی ہے[۵۱] اور ایک ہم ہیں کہ ہمارے ہاں یہ سہولت ہمیشہ سے موجود ہے
جبکہ کہ ہم میں سے بعض حضرات تو ایسا بڑا اور حدِ اعتدال سے بڑھکر استعمال کرتے ہیں
کہ الامان۔ یا بلا اسکے فوائد پر نظر کئے ہوئے اسپر دھواں دہار اعتراض جڑتے ہیں اور
مسلمانوں کے زوال کی بنا اسکے سر تھوپی جاتی ہے۔ کثرتِ ازدواج ہی کو لیجئے جنے
ازروئے مذہب تقریباً کالعدم اور ناممکن الوجوب بنانے میں ہمارے بڑے بڑے
سربرآوردہ حضرات نے سرتوڑ کوششیں کیں اور یورپ اور امریکہ کی ترقی کا دارومدار صرف
اسکی عدم موجودگی پر منحصر سمجھکر صفحے کے صفحے اسکے وجوب کے انکار میں سیاہ کردئے
لیکن آج وہی یورپ ہے کہ اسکے بعض حق شناس اشخاص اپنے اخلاقی مرض کا اگر کوئی
علاج سمجھتے ہیں تو یہی کثرتِ ازدواج[۵۲]۔ اسی طرح مرد و زن کے آزادانہ بلا روک ٹوک میل جول

---

[۵۱] شادی کے پانچ ہی ہفتہ بعد ہمبرگ (جرمنی) کی ایک عورت نے طلاق کے لئے اسواسطے اپنے شوہر پر نالش کی کہ اسکے ہاتھ ہمیشہ میلے رہا کرتے تھے۔ (اخبار آبزرور لاہور مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۰۴ء)

[۵۲] جرمنی میں انسداد زناکاری و امراض خبیثہ کے لیے کثرت ازدواج پر غور ہو رہا ہے (اخبار البشیر اٹاوہ مورخہ ۱ مئی ۱۹۰۳ء)

مسٹر ای۔ بی ڈی آورن نے انگلستان میں اشاعت اسلام کے بارہ میں ایک مضمون لنڈن کے اخبار رینلڈز ویکلی میں لکھا تھا جسمیں مفصلہ ذیل خیالات ازدواج کے متعلق ظاہر کئے تھے :۔

کثرت ازدواج کی تائید یا مخالفت میں کچھ ہی کیوں نکہا جائے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ایک ایسے ملک میں عورتیں خصوصیت کے ساتھ اس سے نفرت کریں جہاں کہ سات لاکھ سے زیادہ (اسیقدر عورتیں مردوں سے تعداد میں زیادہ ہیں) عورتوں کو اس رسم کے ذریعہ سے زوجیت یا بچوں کی ماں بننے کا موقع ملیگا۔۔۔۔

اس امر میں قانون اسلامی نہایت واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر مرد پر فرض ہے کہ اپنی تمام بیویوں اور بچوں کی

کے نتائج بد کو جو کچھ کہ آج یورپ و امریکہ و آسٹریلیا میں باوجود اعلیٰ تعلیم کے اور نیز ہندوستان کے بعض حصوں میں اپنا خوفناک اثر دکھا رہے ہیں اُس سے شیفتگان تہذیب مغربی یا تو مغربی روشنی کی تیز چمک کی چکا چوند سے مجبور ہو کر چشم پوشی کرتے ہیں یا اُس سے بالکل ناواقف ہیں اور اُس آزادی کی ترویج کے اسلامی سوسائٹی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹ - کفالت کرے - برخلاف اسکے ہمارا برتاؤ اور انتظام اس بارہ میں دوسری ہی قسم کا ہے لیکن کسیقدر ڈرتے ڈرتے ہم یہ راے زنی کرنے کی جراءت کرتے ہیں کہ ممکن ہے کہ مشرقی طریقۂ ازدواج آخر ش بہت کچھ خرابی بلکہ جرم کو دفع کردے - (اخبار ابزرور لاہور مورخہ ۳ نومبر ۱۹۱۴ء)

لنڈن کے مشہور اخبار ٹروتھ کے اڈیٹر کو ایک ناکتخدا خاتون نے نوجوان مستورات کی کثیر التعدادی کے باعث سے کس مپرسی کی حالت کے بارہ میں ایک خط لکھکر شوہروں کی تلاش میں عورتوں کے درمیان مقابلہ شدید کے وجود کی شکایت کی تھی اور یہ تحریک کی تھی کہ اگر فاضل تعداد کی عورتین انگریزی نوآبادیوں میں جاکر آباد ہوجائیں اور گو وہاں کے باشندے اُن سے شادی نکریں تاہم وہ وہاں کے ہوٹلوں کی منتظمہ ہوجائیں تو ممکن ہے کہ کچھ شکایت کم ہوجائے اُسپر اڈیٹر اخبار مذکور نے جو مضمون لکھا اُسے اخبار ریگوس ویکلی کورڈ (افریقہ) نے پرچہ مورخہ ۲۰ - اپریل ۱۹۱۰ء میں نقل کیا تھا - اس مضمون میں اڈیٹر اخبار ٹروتھ لکھتے ہیں اس امر سے چشم پوشی کرنا فضول ہے کہ موجودہ ممانعت جو مردوں کے ایک سے زیادہ شادی کرنے کے بارہ میں رائج ہے تمام مصیبت کی جڑ ہے بلکہ درحقیقت پورے مسئلہ نسواں کے تصفیہ کا اسپر انحصار ہے اگر عملی طور پر کچھ فائدہ پہونچانا چاہو تو لازم ہے کہ اس موجودہ محدود حق کو جو صرف ایک نکاح کرنے کی نسبت ہے وسعت دو - ایک لائق قانون پیشہ شخص نے جو جیسا کہ عالم تھا ویسا ہی عقلمند تھا اور جتنا عقلمند تھا اُسیقدر ظریف اور جسکا کہ انتقال ہوچکا ہے چند سال ہوئے کہ اس اخبار میں ایک مضمون کثرت ازدواج کی تعریف میں لکھا تھا جسے کہ بہت سے لوگوں نے پسند کیا تھا - اُسکی تجاویز پر کبھی عملی نیت سے

میں کوشاں ہیں۔ اسکی مشرح تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آگے کی جائیگی۔

میں ناظرین کو یقین دلاتا ہوں کہ میری غرض یہ ہرگز نہیں ہے کہ صرف انگریزی تعلیم یافتہ اشخاص ہی ناعاقبت اندیشی کا شکار ہوکر اس قسم کی لغویات کے جنکی طرف کہ میں نے اشارہ کیا ہے مؤید ہیں جن سے کہ اسلام کے خوشنما نام پر دھبہ آنے اور مسلمانوں کی تمام عمدہ خصوصیات کے ناپیدا ورہی سہی قومیت کے زائل ہوجانیکا پورا پورا خوف ہے۔ نہیں۔ اس قسم کے خیالات رکھنے والے بعض ایسے اشخاص بھی ہیں جوکہ مشرقی و مغربی تعلیم دونوں سے تقریباً بے بہرہ ہیں لیکن اُنکی چشم ظاہر بیں ہر قسم کی پابندیوں سے مبرا مغربی تہذیب کا راگ الاپنے پر انہیں آمادہ کرتی ہے۔ رہے پُرانی وضع کے حضرات اُن کے متعلق مجھے یہ کہنے میں مطلق تامل نہیں کہ ندوۃ العلما

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰ — غور و خوض نہیں کیا گیا لیکن کس بڑی تجویز کے ساتھ جو پہلی مرتبہ پیش کی گئی ہو دنیا نے ایسا سلوک کیا ہے؟ اب بھی اس قسم کی کارروائی شروع کرنے کے لئے بہت وقت ہے اور یہی تجویز میں اُس خاتون کے غور کے لئے پیش کرتا ہوں جسکے خط پر میں نے بحث کی ہے۔ بہرصورت نوآبادملکوں میں ہوٹل کی ملازمت کیسی ہی آرام دہ اور شریفانہ انداز کی کیوں نہ ہو کسی عورت کے لئے انگریزی گرہستی زندگی کے ایک حصہ کے مقابلہ میں اُسے صرف دوسرے درجہ کے معاوضہ سے تعبیر کر سکتے ہیں گو وہ حصہ نصف یا ربع ہی ہو (یعنی ایسے مکان کی گرہستی زندگی کا حصہ جہاں کہ صاحب خانہ کی ایک دو تین یا چار بیٹیاں ہوں)۔

اس مضمون پر اخبار لیگوش ویکلی کو مدیر نے خود اپنی ایک تحریر شائع کی جسکا اقتباس اخبار محمڈن مدراس مورخہ ۱۳ جون ۱۹۰۱ء میں کیا گیا تھا۔ تحریر مذکور میں یہ فقرہ بھی ہے:۔

مدفاضل قسم کی عورتوں کی کس مپرسی کی حالت ہی اُن اہم ترین مسائل میں سے نہیں ہے جنکی

سے قطع نظر کرکے اگر بغور دیکھا جائے تو جو کچھ کہ اس قسم کے لوگوں نے کیا ہے یہ اُسی کا نتیجہ ہے کہ کچھ ہندوستان پر موقوف نہیں تمام دنیا میں مسلمانوں کی آجکل کم وبیش وہ حالت ہے کہ اگر قرونِ اولیٰ کا کوئی مسلمان دوبارہ زندہ ہوکر اُسے دیکھے تو ششدر وحیران رہجائے اور اُس کا سینہ غم سے پھٹ جائے۔ لیکن انصاف شرط ہے اور اسلئے ساتھ ہی یہ کہنا ضرور ہے کہ خواب غفلت سے سب سے پہلے بیدار ہونے والے اپنی حالت زار کو سمجھنے کی کوشش کرنے اور سمجھنے والے اسپر آنسو بہانے والے سچے فدائی قوم اور دوبارہ قوم کو قوم بنانے کے لئے اَن تھک جان لڑا کر محنت کرنے والے کون حضرات ہوئے؟ وہی انگریزی تعلیم سے نابلد پرانی صدی کے لوگ سرسید احمد خاں مرحوم نواب محسن الملک۔ خواجہ الطاف حسین حالی۔ مولانا شبلی نعمانی۔ مولانا نذیر احمد وغیرہ۔ سرسید مرحوم کی بیدار کرنے والی کوششوں سے پہلے جو ہندوستان کے مسلمانوں کی کیفیت تھی وہ دنیا و مافیہا سے لاعلمی اور اُس خواب خرگوش کا نتیجہ تھی جسمیں کہ مسلمان ایک مدت سے مبتلا تھے۔ لیکن ہم لوگوں کو تو مغربی تعلیم سے بہرہ یاب ہوکر ایسی کوتاہ اندیشی کا مرتکب نہ ہونا چاہیئے جسکا نتیجہ یہ ہو کہ پیشتر سے بھی زیادہ خراب ہوجائیں اور مسلمان مسلمان ہی نرہیں۔ بڑے بڑے اسلامی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱ - بنا یورپ کی رسم ازدواج نے ڈالی ہے۔ اس سے بھی بڑا اور زیادہ اہم مسئلہ وہ مہیب طریق بدکاری ہے جو کہ وہاں کے قواعد ازدواج سے پیدا ہوا ہے اور جو نسل غلیظ اور تباہ کرنے والے کیڑے کے بالکل اخلاقی صحت کو برباد کر رہا ہے۔ چند سال ہوئے کہ ڈاکٹر پارکسن نے تمام دنیا کو نیویارک کی سوشل حالت سے خبردار کرکے چونکا دیا تھا۔ یہ افشائے حال اُس کیفیت سے آگاہ کرتا تھا جو کہ جملہ اخلاق کی اُس طریقہ ازدواج کے باعث سے ہوگئی ہے جسے کہ مضمون نگار ٹروتھ کلیۃً ناکارہ بتلاتا ہے۔

مورخین کی رائے جو کچھ اس بارہ میں ہو اور دیگر خارجی اسباب بھی اس نتیجہ کے باعث ہوئے ہوں لیکن میری اپنی رائے تو مسلمانوں کے زوال کے متعلق یہی ہے کہ مسلمان اُسوقت سے تنزل کی طرف رجوع ہوئے جب سے کہ وہ پکے مسلمان نہ رہے یعنی اسلام کی پاک تعلیم اور اُسکے سچے احکام اور عقائد سے گردن کشی اور لاپروائی اختیار کی۔ اِس وضع کی بےعنوانیوں کے سبب سے اخلاق خراب ہوئے اور خرابی اخلاق جملہ امراض کی جڑ ہے۔ لیکن ہم سے پہلے کے مسلمانوں نے گو مذہبی احکام سے لاپروائی اور سرتابی کی تاہم اسلام کی بیخ کنی اور اُسے کھلونا بنانے کے کبھی درپے نہ ہوئے۔ برخلاف اسکے آج جو نظارہ ہمارے سامنے ہے وہ ایسا ہے کہ اس سے زیادہ تکلیف دہ اور نقصان پہونچانے والا خیال میں آنا ممکن نہیں ہے اور ہر وقت یہی خوف رہتا ہے کہ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

اسکو مسلمانوں کی خوش قسمتی کہنا چاہیئے کہ اِس بُری افتادہ حالت میں اُن کے سامنے انسانی تہذیب کے مختلف نمونے موجود ہیں گویا کہ خداوند کریم نے بطفیل رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم باوجود نافرمانی کے ایسے ذرایع اُن کے لئے مہیا کر رکھے ہیں کہ اُن سب پر غور کرکے بہترین نمونہ وہ اپنے لئے اختیار کریں لیکن رونا ہے تو یہی کہ وہ ایسا نہیں کرتے۔ جس نمونہ کے وہ اسوقت دلدادہ معلوم ہوتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سی اصلی خوبیاں اُسمیں ہیں اور وہ خوبیاں وہی ہیں جنکے کہ اسلامی تعلیم میں اعلیٰ ترین نمونے پیشتر ہی سے موجود ہیں جو کہ مسلمان اگر مسلمان رہتے تو اب تک اُن میں خود وہ موجود ہوتیں بہرحال انھیں ضرور اختیار کریں خواہ یہ سمجھیں یا نہ سمجھیں کہ یہ عین اسلامی باتیں ہیں۔ لیکن ساتھ ہی جو زہریلا مادہ اُس نمونہ میں ہے اُس سے احتراز فرض ہے اگر ہم اپنے

سچے بہی خواہ ہیں۔ صرف میرے اس بیان پر اکتفا کرنا چاہیئے بلکہ ہر طرح غور وخوض کر اندھی تقلید سے بچکر ہر امر کو ایک مسلمہ معیار پر جانچو اور پرکھو دیکھو کہ اس نمونہ کی کس چیز سے اُس خاص قوم کو جو اُسکی عامل ہے کیا فائدہ اور کیا نقصان ہو رہا ہے۔ یہ ہرگز نہیں چاہیئے کہ اگر ایک پہلو اُسکا اچھا ہے تو ضرور دوسرے پہلو کو بھی بے عیب سمجھنے لگیں۔ دوسری قوموں نے جو اُس نمونہ کی تقلید کی اور جس حد تک کی اس سے کہانتک فائدہ اور ضرر پہونچا۔ مذہبی قیود سے آزادی اور مستورات کی آزادی آزادی کی جو آج کل اس قدر چلّی پکار ہے اسکی نسبت خود بھی ان شور کرنے والوں نے ٹھنڈے دل سے اچھی طرح سوچ لیا ہے کہ اسکا نتیجہ کیا ہوگا؟ بہر حال جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں مجھے اس کتاب کی وجہ سے یہ موقع ملا ہے کہ اپنے خیالات مجوزہ آزادی نسواں کے متعلق ظاہر کروں تاکہ حامیان آزادی اس سے پہلے کہ وہ اپنی تجاویز کو عملی جامہ پہنائیں لہذا اس شعر کے مصداق بنیں کہ ؎

رشک گل میں شمع نے گل ہو کے کیا پایا فروغ	منھہ ہوا گشتہ رخ پر نور ظلمائی ہوا

تصویر کا دوسرا رخ جو کہ میں دکھلاؤنگا اچھی طرح ملاحظہ فرمالیں۔ ممکن ہے کہ بعض ناظرین یہ کہیں کہ میں نے رونا تو بہت سی باتوں کا رویا ہے صرف اس خاص آزادی ہی کے مسئلہ پر کیوں بحث کرنے کے لئے تیار ہوا ہوں تو اُسکا جواب یہ ہے کہ اور باتیں جنکی شکایت میں نے کی ہے وہ تو کم وبیش ایک نہ ایک صورت میں مدت سے بدنصیب مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں ہاں اب تک اگر کوئی امر قابل فخر ہماری قوم میں موجود ہے تو وہ ہماری مستورات کی عفت ہے جسپر آزادی کے غل سے حرف آنے کا خوف ہے جسکا نتیجہ میری رائے ناقص میں ایسا تباہ کن وبے درمان ہوگا کہ مسلمانوں کو

کفِ افسوس ملنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہنے کا۔ پس اس مسئلہ کو میں نہایت
قابل لحاظ سمجھتا اور اہمیت کی نظر سے دیکھتا ہوں اور گو اب تک تقریر و تحریر سے
اسکے متعلق میں نے کوتاہی نہیں کی ہے تاہم اسوقت چاہتا ہوں کہ اور تفصیل
و شرح کے ساتھ اس پر گفتگو کروں اور یہ ثابت کروں کہ خود مغربی اشخاص کی رائے
کہانتک میری ذاتی رائے کی موید ہے اور جو نتائج آزادی کے یورپ اور امریکہ میں
نظر آرہے ہیں انکو کس نظر سے خود وہاں کے لوگ دیکھتے اور ہمارے مسلمان
بھائیوں کو بھی کس نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔ اس مسئلہ پر مطول بحث کرنے کے
اسباب میں سے یہ تین امور بھی ہیں (۱) ہز ہائینس سر آغا خاں کی اسپیچ جو دہلی کی
کانفرنس میں دی گئی تھی۔ (۲) جسٹس بدرالدین طیب جی صاحب کی تقریر جو بمبئی
کانفرنس کے اجلاس میں پڑھی گئی اور (۳) مسٹر سید امیر علی صاحب کے خیالات
جو انہوں نے اس بارہ میں اپنی بیش بہا کتاب ہسٹری آف سارا سنز میں ظاہر کئے ہیں
ان بزرگوں کی تقریر و تحریر سے حامیان آزادی نسواں کو کسی قدر زیادہ جرات ہوئی
ورنہ ہندوستان کے اسلامی اخبارات میں تو اچھی طرح ان حضرات کا قلع قمع کر دیا گیا
تھا۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ جیسا کہ ان بزرگوں کی شان اور لیاقت سے امید
تھی اسکے خلاف ان کی زبان و قلم سے نکلا اور سوائے اسکے اور کچھ کہنا خلاف ادب
ہوگا کہ انہوں نے پوری توجہ سے اس مسئلہ پر غور نہیں کیا ورنہ ایسا نکرتے اور محض
ایسے اصولوں کی اپنی نظر کے سامنے تصویر رکھکر جو کہ ظاہر ایکسے ہی خوشنما معلوم
ہوتے ہوں عملی طور پر اُن پر عمل درآمد سخت مضر و نقصان دہ ہے ایسے مشکل معاملہ
کے متعلق یکطرفہ رائے قائم کرکے پبلک کو اُسکے قبول کرنے کی دعوت نکرتے۔

ہم مسلمانوں میں آزادی نسواں کی مانع جو شے ہے وہ رسم پردہ ہے جو کہ ابتدائے اسلام سے آجتک کم وبیش مختلف صورتوں میں ہم میں رائج ہے۔ اسکی وجہ سے ہمارے ہاں مرد وعورت میں اُس وضع کا میل جول وخلاملا نہیں ہے جیسا کہ مغربی اقوام اور نیز ہندوستان کی اُن قوموں میں ہے جن میں اس رسم کی چنداں پابندی نہیں ہے۔ آگے چلکر میں دکھلاؤنگا کہ یہ قطعی طور پر ایک مذہبی رسم ہے اسکی تعلیم خداوند کریم ذوالجلال والاکرام کے کلام پاک اور اُسکے پیغمبر رسول مقبول احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمائی ہے اور چونکہ میرا عقیدہ ہے اور ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہونا چاہیئے کہ اسلام ایک اکمل دین ہے یہ کسی خاص وقت یا ملک کے لئے دنیا میں نہیں آیا بلکہ ہر زمانہ اور ہر ملک کے لئے رہنما ہے صادق ہے اور رہے گا اس مین بالیدگی پختگی اور زیادہ کامل ہونے کی قابلیت کا وا ہمہ اُسکے بانی اور اُسکی صداقت پر حرف لاتا ہے اور چونکہ وہ اکمل ہے اس لئے لازمی ہے کہ وہ عقل صحیح کے خلاف نہ ہو۔ پس اسکی تعلیم میں کسی قسم کی کاٹ چھانٹ وقطع برید کسی حالت میں اور کسی طور پر شرعی پہلو سے قطع نظر عقلاً اور دنیاوی لحاظ سے بھی ممکن نہیں کہ مفید ہو اور ضرور ہے کہ سخت ضرر رساں ثابت ہوگی۔

جب پردہ ہی آزادی نسواں میں ہارج ہوا تو ضرور تھا کہ حامیان آزادی اُسکے اٹھانے کے پیچھے پڑیں مجھے پورا یقین ہے کہ جو سنجیدہ ومتین اصحاب اِسکے مخالف ہیں وہ سچے دل سے اُسے بُرا سمجھتے ہیں اور قوم کی بہبودی کا دارومدار اُسکے دور ہونے پر منحصر خیال کرتے ہیں لیکن اس خیال کے زیادہ تر مین اشخاص بلکہ میں تو یہاں تک کہنے کو آمادہ ہوں کہ سوائے دو چار کے سب کے سب بلا سوچے سمجھے اس خیال

کے عاشق زار ہو گئے ہیں اسلئے کہ جیسا انشاءاللہ تعالیٰ میں ثابت کرونگا اگر انہوں نے
غور و فکر سے اسمیں کام لیا ہوتا تو ہرگز اُن کی ایسی رائے نہ ہوتی ایک چھوٹی سی نظیر
یوروپین پوشاک کی پیش کرتا ہوں جو کہ قابل غور ہے - ہندوستان کی اُن قوموں
کو چھوڑکر جنکی دراصل کوئی ذاتی قومی پوشاک جسے کہ واقعی پوشاک کہہ سکیں نہ تھی
اور جو کہ مسلمانوں کے زمانہ میں لباس میں بہت کچھ مسلمانوں کی تقلید کرتی تھیں اور آج
کل موجودہ حکمران قوم کی ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ اکثر مسلمانوں نے عام اس سے کہ
وہ انگریزی داں ہوں یا نہوں اپنے قدیم لباس پر یوروپین لباس کو کیوں ترجیح دی - کیا
درحقیقت یہ سمجھکر کہ یوروپین وضع انکی اپنی وضع سے بہتر ہے ؟ کیا واقعی پہلے اُنہوں
نے دونوں طرز کے لباس کی خوبیوں اور بُرائیوں کا موازنہ کیا اور پھر ایک کو اختیار اور
دوسرے کو ترک کیا ؟ میں اس موقع پر اس امر پر بحث کرنا نہیں چاہتا کہ فی نفسہ کونسی
پوشاک اچھی یا بُری موزوں یا ناموزوں اور بلحاظ خرچ مناسب یا نامناسب ہے لیکن
میرا دعویٰ ہے کہ زیادہ تر اشخاص نے جو یہ پوشاک اختیار کی ہے وہ بلا اُسکی ذاتی اچھائی
یا بُرائی پر غور کئے بلکہ محض زمانہ کا رنگ و ڈھنگ دیکھکر پسند کی ہے بالکل اسیطرح جیسے کہ
پیرس سے جو فیشن زنانہ یوروپین لباس کی جاری ہو اُسپر آنکھیں بند کرکے کاربند ہونا پڑتا ہے
اور اُس فیشن کی برائی یا بھلائی سے کوئی مطلب نہیں ہوتا - آجکل تھوڑے عرصہ سے
جو یوروپین مستورات کی پوشاک میں ایک جدید ترمیم ہوئی ہے وہ قابل ذکر ہے - پہلے
تو ناچ کے یا اور بعض خاص موقعوں کے لئے وہ پوشاک مخصوص تھی جسے کہ نیم برہنگی سے
تعبیر کرسکتے ہیں اور جسمیں سینے اور پشت کا بہت زیادہ حصہ علاوہ ہاتھوں کے شانوں
تک کھلا رہتا ہے لیکن ایک سال سے ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ ہر وقت کے لباس میں اب

یہ امر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ گردن سے نیچے کچھ دور تک جالی یا کوئی نہایت باریک کپڑا لگا یا جاتا ہے جو کہ قریب قریب برہنگی کا کام دیتا ہے حالانکہ اس سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اور صحت کے اور اخلاقی لحاظ سے بالکل مضر ہے - اس سے بھی بہتر نمونہ اندھی تقلید کا جو ہم لوگوں میں کسیقدر نظر آ رہا ہے وہ ڈاڑھی کی صفائی کے ساتھ مونچھوں کا کالعدم کرنا ہے - معلوم نہیں کہ اس فعل میں کون سے فوائد گران بہا مخفی ہیں یا آج اسے بھی تہذیب و ترقی کا جزو اعظم بلکہ معیار تصور کرنا چاہیئے - پس حامیانِ آزادی نے بھی جب ہندوستان میں یوروپین مستورات اور مردوں کو آزادانہ اور بے دھڑک ملتے جلتے دیکھا اور عام جلسوں وغیرہ میں صاحب بہادروں کو اپنی تہذیب کے قواعد کے مطابق لیڈیز کی آؤ بھگت کرتے اور انکی خاطر تواضع پر نگاہ کی تو چونکہ عیسائی مصنفوں کے معمولی چٹکلے جو حرم سرا اور مسلمان عورتوں کی فرضی خراب حالت کی نسبت کان میں پڑے ہی ہوئے تھے فوراً سمجھ لیا کہ معراج ترقی یہی آزادی ہے اور یہی مغربی قوموں کے عروج کا گر ہے - اس فوری اثر کے بعد یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ اطمینان طبع کے ساتھ اس امر پر بھی غور کریں کہ یہ خوبی جو اُن کی نظروں کو بھلی معلوم ہوئی کیا ماہی بے استخواں ہے ؟ اس پردۂ زنگاری میں کوئی معشوق دلفریب ہے یا کوئی کریہ المنظر انسان ؟ سب کچھ میٹھا ہی میٹھا ہے یا کڑوا بھی ؟ اور اس قسم کی تحقیقات نکرنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ عام قاعدہ ہے کہ کسی قوم کے اچھے بُرے حالات اور اُسکا کچا چٹھا اُسوقت تک صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکتا جب تک کہ آپ اُس قوم کے ہر طبقہ کے افراد سے اچھی طرح میل جول اور ربط و ضبط نرکھتے ہوں - ہندوستان میں جو برتاو یوروپین اور دیسی لوگوں میں ہے وہ حاکم و محکوم کے

تعلقات سے بہت کم متجاوز ہوا کرتا ہے اور سوائے چار پانچ بڑے بڑے شہروں کے جیسے کہ کلکتہ بمبئی اور مدراس ہی صرف کلکٹر صاحب اور جوائنٹ مجسٹریٹ اور چند فوجی افسروں کے سفید چمڑے سے ہم عموماً واقف ہوتے ہیں - اس صورت میں کیونکر ممکن ہے کہ اُن کے معاشرتی اور دیگر حالات کا پورے طور پر پتہ لگے ؟ متذکرہ بالا بڑے بڑے شہروں میں اگر کوئی شخص چشم بینا و گوش شنوا رکھتا ہے تو مشتے نمونہ از خروارے کچھہ سیکھہ سکتا ہے ورنہ اور کوئی ذریعہ نہیں - اب دو راستے اور باقی ہیں جدھر سے کہ واقفیت بہم پہونچ سکتی ہے ایک تو یہ کہ خود یورپ کا سفر اختیار کرکے اور کافی مدت تک وہاں بود و باش کے بعد رائے قائم کی جائے یا کتابوں یا اخبارات کے ذریعے سے اس وقت تک جتنے مسلمان بھائی یورپ گئے اور وہاں سے واپس آئے ہیں جہانتک میرا خیال ہے اُن میں سے شاید ہی کسی نے اس مسئلہ پر پوری طرح غور کیا ہو اور سوائے لنڈن کے اُن کو دوسرے شہروں یا ملکوں میں رہنے کا اتفاق چند دن یا گھنٹوں سے زیادہ نہ ہوا ہوگا - دوسرے اکثر تو وہاں کے اخراجات اور سوسائٹی کے قواعد کے مطابق سوسائٹی میں اچھی طرح داخل ہی نہو سکے ہونگے اور جو ہونے بھی ہونگے تو ممکن نہیں کہ اُنکو اُس سوسائٹی میں اس قسم کی بے تکلفی حاصل ہوئی ہو جس سے کہ معلومات کے ذخیرہ میں کچھہ زیادتی ہو - رہیں کتابیں اور اخبار ، بلکہ محض اخبار ہی کا نام لینا اس زمانہ میں کافی ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ آج کل کوئی کتاب شایع ہو اور اخباروں میں اکثر اُسپر ریویو نہ چھپیں تو یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو اخبار بینی سے کس قدر شوق ہے اُردو اخبارات کی جو عموماً حالت ہے وہ محتاج تشریح نہیں اور یہ امر بھی اظہر من الشمس ہے کہ گنتی کے جو تین انگریزی اخبار مسلمانوں کے اسوقت جاری ہیں وہ اُنکی کم توجہی بدشوقی اور

بدمعاملگی کے شکار ہو رہے ہیں اور جیسا کہ چاہیئے شاداب و سرسبز نہیں ہیں۔ اگر یہ کہئے کہ انگریزی کے اور بڑے بڑے اخبارات جو ہندوستان میں شائع ہوتے ہیں انہیں پڑھتے ہونگے تو ادھر بھی میدان صاف ہے اول تو سوائے کلکتہ اور بمبئی کے جہاں کہ متعدد اخبار چھپتے ہیں اور لاہور الہ آباد ہی ہیں دوسرے شہروں میں خوشحال اشخاص کے علاوہ ہر شخص کے لیے باسانی اخبار کا ملنا دشوار ہے دوسرے جو مسلمان اخبار پڑھتے بھی ہیں ان میں ایسے حضرات بہت ہی کم نکلینگے جو سوائے کسی خاص ضرورت کے خبروں اور پولیس کورٹ کے حالات گزٹ کے احکام کرکٹ و گھوڑدوڑ کی کیفیت کے بجائے پورا اخبار کبھی دیکھتے ہوں اور اڈیٹوریل تو الّا ماشاء اللّٰہ اکّا دکّا اشخاص کو چھوڑ کر شاید ہی کوئی پڑھتا ہو۔ ہاں ایسے لوگ بھی ہیں جو اخبارات سے کماحقہ مستفیض ہوتے ہیں لیکن اُن کی تعداد ابھی تک ہماری سوسائٹی میں نہایت ہی محدود ہے۔ اب فرمائیے کہ مستثنیات سے قطع نظر کرکے آگاہی ہو تو کیونکر اور کونسا چوتھا طریقہ واقفیت حاصل کرنے کا ہے؟ کوئی بھی نہیں۔ اور نہیں تو کیا یہ کہنا بیجا ہوگا کہ محض اندھی تقلید ہی ان بخارات کا باعث ہے جن سے کہ عاشقانِ آزادی کے دل و دماغ اسوقت پریشان ہو رہے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ علاوہ بریں یہ ایک عام بات ہے اور مشکل سے کوئی شخص اس کی صحت سے انکار کرسکتا ہے کہ حکمران[۱] اقوام اور خاصکر ایسی اقوام کی ہر چیز جنکے عروج کا آفتاب نصف النہار پر ہو

---

[۱] مولوی سید ممتاز علی صاحب مصنف حقوق نسواں جسمیں انھوں نے آزادی نسواں وغیرہ کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں اُس کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔ "میں خوب جانتا ہوں کہ ان خیالات کو انگریزوں کی تقلید اور اس سے بھی زیادہ کریہ ناموں سے موسوم کیا جائیگا اور سیکڑوں قلم اس کی تردید اور میری تضحیک پر اُٹھیں گے . . . . مگر جو لوگ اپنے دلوں میں احکام شریعت کی وقعت اور عظمت رکھتے ہیں . . . . بہر

ایک پسماندہ قوم کی نظروں میں بھلی اور قابلِ تحسین معلوم ہوتی ہے اور جیسا کہ مشہور ہے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کافی معلوم ہوتا ہے یا بمصداق اسکے کہ ڈوبتا کیا نکرتا اس پسماندہ قوم کے افراد سمجھتے ہیں کہ اپنی حالت کے درست کرنے کا علاج اور اپنے امراض کے لئے تریاق یہی ہوگا کہ اُن چیزوں کو کلیۃً اختیار کیا جائے - لیکن ظاہر ہے کہ یہ اصول غلط ہے اسلئے کہ جملہ افعال انسانی بمقتضاے بشریت درجۂ کمال کو نہیں پہونچ سکتے اور جب یہ ممکن نہیں کہ کیسی ہی ترقی یافتہ قوم کیوں نہو اُسکے وہ افعال جو سچی مذہبی تعلیم پر مبنی نہ ہوں ضرور نہیں کہ نقص وعیب سے مبرا ہوں تو انہیں ضرر کا سراسر اندیشہ و احتمال ہے - پس بلا پرکھے ہوئے آنکھیں بند کرکے اُنہیں ترقی کا معیار قرار دینا اور پھر اُن پر خود بھی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰ - فرومایہ وسفلہ کے استہزا اور ہر ذلیل وجاہل عامی کے طعن وتشنیع سے برہم مزاج و آشفتہ خاطر ہونگے،، اسکے مقابلہ میں مسٹر سید امیر علی صاحب کی رائے قابل ذکر ہے جو کہ مفصلہ ذیل الفاظ میں ایم - اے او کالج ایسوسی ایشن علیگڈھ کے سالانہ ڈنر کے موقع پر جو کہ لنڈن کے ہوٹل سیسل میں، ۷ اجون ۱۹۰۳ء کو منعقد ہوا تھا اُنہوں نے ظاہر کی تھی - اس ڈنر کی پوری کارروائی اخبار انگلشمین کلکتہ کے خاص نامہ نگار نے لنڈن سے بھیجی تھی اور اسکا اقتباس ۱۶ جولائی ۱۹۰۳ء کے اخبار محمڈن مدراس میں شائع ہوا تھا -

”جب کوئی ترقی کناں تہذیب کسی ایسی سوسائٹی سے ٹکر کھاتی ہے جو کہ ایک حالت پر آرہی ہو تو اُس سوسائٹی مین تغیر و تبدل واقع ہونا ایک لازمی امر ہے - ایک عربی مقولہ ہے الناس علی دین ملوکہم جسکا مطلب یہ ہے کہ رعایا اپنے فرمانرواکی طور طریقے اختیار کیا کرتی ہے - یہ مقولہ ہندوستان کی موجودہ حالت پر عائد ہوتا ہے - دس صدیاں ہوئیں کہ جب اہل عرب اندلس میں جاکر آباد ہوئے تو گوتھ وندال اور رومن اقوام نے جنگی تہذیب انحطاط کی حالت میں تھی فاتحان عرب کے اطوار اور رسم ورواج کو اختیار کرلیا - یہی اصول تغیر و تبدل کا ہندوستان میں بھی اپنا کام کررہا ہے - تعلیم انگریزی کی ترقی ضرور لوگوں کو اس طرف مائل کریگی کہ وہ اپنے طرز خیالات اطوار و رسوم کو ترمیم کریں“ -

کاربند ہونے کی کوشش کرنا ہر شخص بالغ نظر کے نزدیک تو صریحاً قومی خودکشی ہوگی
اب مجھے اُن صاحبوں کی خدمت میں کچھ عرض کرنا ہے جو کہ اندھی تقلید کی وجہ سے نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ سچی بھی خواہی اور قوم کی بہتری کے لئے آزادی نسواں کے حامی اور اسلئے پردہ کے خلاف ہیں جو دلائل کہ وہ اپنی راے کی تائید میں پیش کرتے ہیں یہ ہیں :-

۱- مرد و عورت دونوں انسان اور ایک ہی خدا کے بندے ہیں کیوں ایک دوسرے کی آزادی میں خلل انداز ہو کر اُسے قید میں رکھے اور اُن نعمتوں سے مستفید ہونے دے جن سے کہ خود فائدہ اُٹھاتا ہے۔ مرد کو کسی قسم کی فضیلت عورت پر نہیں دونوں ہر طرح برابر ہیں - یہ محض اُسکا ظلم ہے جسکا کہ ایک مدت کی خود مختارانہ حکومت کی وجہ سے جو بیچاری عورت پر کرتا رہا ہے عادی ہو گیا ہے اور اب اپنی مطلق العنانی پر ذرا بھی حرف آنے سے بُرا مانتا ہے۔

۲- پردہ مانع تعلیم ہے اور تعلیم جسطرح مردوں کے واسطے ضروری ہے اسیطرح عورتوں کے لئے۔ یہی وجہ ہے کہ نساء المسلمین کی تعلیمی حالت ایسی خراب ہے کہ وہ اپنے حقوق نہیں سمجھتیں اور نہ اُن کی حفاظت کر سکتی ہیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت پر ماں کی جہالت کا بہت زیادہ اثر پڑتا ہے انتظام خانہ داری میں خوش اسلوبی نہیں پیدا ہوتی - ایک تعلیم یافتہ شوہر جاہل بی بی سے خوش نہیں رہتا جو کہ خانگی بدمزگی کا باعث ہے - المختصر یہ کہ مسلمان آبادی کا نصف حصہ بالکل بیکار اور مثل ایک عضو معطل کے ہے۔

۳- بغیر باہر چلے پھرے تازہ ہوا حاصل نہیں ہوتی اور نہ ورزش ہوتی ہے اور اسلئے مسلمان مستورات کی صحت خراب اور قویٰ کمزور ہوتے ہیں - اکثر وہ علیل رہتی ہیں اور اولاد کمزور

ہوتی ہے۔

۴۔ حامیان پردہ کا یہ جو خیال ہے کہ آزادی کی وجہ سے عورتوں کے اخلاق خراب ہونگے غلط ہے۔ خود رسم پردہ کے ساتھ بھی یہ شکایت موجود ہے۔ مغربی اقوام کے بڑے اخلاق کے ثبوت میں دو چار مثالیں اخباروں سے نے لینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعی اُنکی اخلاقی حالت خراب ہے۔ تعلیم جو کہ حیوان کو انسان بنا دیتی ہے پردہ اُٹھ جانیکے بعد محافظ اخلاق ہوگی اور راہ مستقیم سے انحراف نکرنے دیگی۔ بلکہ مرد و زن کے بے روک ٹوک میل جول سے اسلامی سوسائٹی پر وہ اخلاقی رونق آجائیگا جو کہ اب نہیں ہے اور مردوں کی دریدہ دہنی اور صنف مردانہ پارٹی میں جو لگام منھ میں نہیں ہوتی بجائے اُسکے ایک اخلاقی لطافت و پاکیزگی اُنکی گفتگو میں آجائیگی جسکا وہی لوگ اندازہ کر سکتے ہیں جو کہ یوروپین سوسائٹی سے واقف ہیں۔

۵۔ پردہ کی وجہ سے نکاح دیکھ بھال کے نہیں ہو سکتا گویا کہ ایک ایسا اہم کام انسان آنکھیں بند کرکے کرتا ہے جسپر کہ اسکی تمام زندگی کے رنج و خوشی کا دارومدار ہے۔

۶۔ پردہ کوئی مذہبی رسم نہیں ہے قرآن شریف میں اسکے متعلق کوئی حکم نہیں اور نہ اسلامی ممالک مثل ٹرکی و عرب و مصر میں اسکا رواج ہے۔ مسلمانوں نے دوسری قوموں سے اسے سیکھا ہے اور جبکہ بوجوہ متذکرۂ بالا وہ مضر بھی ہے تو اُسے ترک کر دینا چاہیئے یہی قومی بربادی کا باعث ہوا اور جب تک باقی رہے گا مسلمان نہیں پنپنے کے۔ قرون اولیٰ میں مستورات برابر لڑائیوں میں شریک اور گھوڑ دوڑ اور تماشوں میں جلوہ افروز ہوتی تھیں اور تعلیم ایسی ہوتی تھی کہ مثل حضرت رابعہ بصریؒ کے مقدس اور عالم قابل فخر مستورات پیدا ہوئیں۔

یہ جملہ اعتراضات ہزہائنیس سر آغاخاں - مسٹر سید امیر علی - مسٹر جسٹس طیب جی - مسٹر ولایت حسین - مولوی عبدالحلیم شرر - مولوی سید ممتاز علی اور ان دیگر اصحاب کی تحریروں و تقریروں کا لب لباب ہیں جو کہ وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہی ہیں - دراصل یہی بڑے بڑے اعتراض ہیں جو پردہ کے خلاف پیش کئے جاتے ہیں لہذا چھوٹی چھوٹی نکتہ چینیوں کو میں نے نظر انداز کر دیا ہے - ان کے جواب بھی میں مندرجہ بالا ترتیب سے دونگا -

جواب اعتراض اوّل

مرد و زن ایک خدا کے بندے اور انسان ہیں اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ قدرت نے دونوں کے فرائض اور خدمات بھی ایک ہی مقرر کئے ہیں - قدرت کی پولیٹکل اکونومی پر شاید حضرات نے غور نہیں کیا ورنہ ظاہر ہے کہ جس وسیع پیمانہ پر تقسیم عمل کے مسئلہ کا عمل درآمد نظام الٰہی میں نظر آتا ہے وہ محتاج بیاں نہیں - خود انسان کی جسمانی کیفیت کو بطور نمونہ لیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس بلحاظ صنعت کامل کل کے پرزے کتنے مختلف کام علیحدہ علیحدہ کرتے ہیں اور کیا مجال کہ ایک پرزہ اپنا کام چھوڑ کر دوسرے پرزے کا کام کرنے لگے یا کر بھی سکے - علیٰ ہذا القیاس اس عالم کو ایک بڑی سی کل فرض کر لیں تو مرد و زن دونوں اس کل کے دو اعلیٰ ترین مختلف پرزے ہیں دونوں میں اسقدر اشتراک تو ضرور ہے کہ انسان ہیں لیکن نہ تو دونوں کی ساخت کلیتہً یکساں ہے اور نہ خدمات - ساتھ ہی یہ بھی ایک لازمی امر ہے کہ بلحاظ تعلقات باہمی ایک کو دوسرے کا تابع فعل ہونا پڑیگا ورنہ کل نہیں چلنے کی - اسوقت ہم یہ نہیں کہتے کہ کونسا پرزہ کس کا تابع ہے صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ایک کی رفتار دوسرے کی تائید یا اتباع میں ضرور ہونی چاہیئے اُسکے

مخالف نہیں ہوسکتی ورنہ کل کا چلنا محال ہوجائیگا۔ معمولی انسانی معاملات کو دیکھیے ان
پر غور کرنے سے یہ ایک باریک نکتہ سمجھ میں آئیگا کہ اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ سے ادنیٰ
انتظام کی درستی کے لیے کسی نہ کسی شخص واحد کو یا کسی مجلس کو جو کثرت رائے سے
کام کرتی ہو اور اسلیے بلحاظ فعل شخص واحد ہی کا حکم رکھتی ہے دوسروں کی بہ نسبت
زیادہ اختیارات دیے جاتے ہیں۔ دو بادشاہ ایک ہی ملک پر ایک ہی وقت میں
ایک ساتھ حکومت نہیں کرسکتے ایک کو دوسرے کا تابع ہونا پڑے گا اور نہ ٹھیک
انتظام ہونا ممکن نہیں۔ اگر مخالف ہوں تو اسوقت تک لڑینگے جب تک کہ ایک مغلوب
یعنی تابع نہوے یا ملک چھوڑ کر چلا جائے۔ اعلیٰ سے ادنیٰ طبقہ پر نظر کیجیے تو معلوم ہوگا
کہ جانوروں میں بھی یہی بات موجود ہے مثلاً معمولی گھریلو جانوروں ہی کو دیکھیے جیسے کہ
کتے اور مرغ وغیرہ ہیں کہ ایک دوسرے کے مخالف ہوکر ایک جگہ نہیں رہتے۔ اسیطرح
مرد وزن کے درمیان ایک دوسرے کا ہمدم شریک رنج وراحت ومشیر کار ہونے کے
علاوہ ایک تعلق ایسا اور ہونا لازم ہے کہ ایک کو دوسرے کے مقابلہ میں کسی قدر حقوق
زیادہ ہوں۔ وجہ کیا کہ جب تک دنیا قائم ہے دو انسانوں میں اختلاف رائے ضروری
ہے پس کسی مرد وزن میں اگر کسی معاملہ کے متعلق فرض کیجیے کہ اختلاف ہوا تو اسکا تصفیہ
قطعی کسکے سپرد ہوگا۔ ان دونوں کے جس قسم و وضع کے تعلقات ہوتے ہیں وہ ایسے
نہیں ہوتے کہ ہمیشہ کسی ثالث کے پاس تصفیہ کے لیے پیش کیے جائیں اور نہ اسمیں انتظامی
سہولت ہی ہے لہذا ضرور ہے کہ ان میں سے ایک کو اس قسم کی طاقت یا اختیار دیا جائے
کہ بوقت ضرورت دوسرے کو اسکی رائے کی تائید یا اتباع کرنا پڑے گویا کہ ایک حد
تک ایک دوسرے کا پابند اور تابع فعل ہے اور بلحاظ اختیارات اس حد تک ایک کو

دوسرے پر فضیلت اور ترجیح ہے۔ جب یہ ثابت ہوگیا تو اب صرف یہ دکھلانا باقی ہے کہ مرد و زن میں سے کسکو کس پر اس قسم کی فضیلت ہونی چاہیئے۔ اسکا جواب اس معاملہ کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد صرف ایک ہی ہوسکتا ہے یعنی یہ کہ مرد ہی اس اعزاز کا زیادہ مستحق ہے۔ ابتدائے زمانہ سے آج تک دنیا کی تمام قوموں میں عموماً مرد ہی تمام دنیوی معاملات میں عورتوں کے کفیل رہے ہیں بلحاظ ساخت اعضاء مرد عورت سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے اور اسلئے وہ زیادہ جفاکش[۵۱] اور محنتی بھی ہے اور خوف و خطر کے موقعوں پر جان لڑانے اور عورت کی محافظت کے لئے وہی زیادہ موزون ہے جسکی لاٹھی اسکی بھینس ہے تو ایک معمولی سی مثل لیکن نہایت صحیح ہے اور باوجود لاف ہمدردی انسانی اور دعویٰ انصاف کے دنیا کی وہ قومیں جو اسوقت نہایت مہذب سمجھی جاتی ہیں اسی پر کاربند ہیں گو زبان سے اسکا اقرار نکریں جس ترجیح یا فضیلت کا مین نے یہان ذکر کیا ہے قرآن شریف میں الرجال

---

۵۱ اسی لحاظ سے انگلستان کے مشہور طاقتور شخص مسٹر سینڈو کی رائے ہے کہ عورت کو اُسقدر ورزش کی ضرورت نہیں ہے جتنی کہ مرد کو۔ اسیطرح امریکہ کے مشہور ڈاکٹر جے ایچ کیلوگ اپنی کتاب موسومہ "ہوم ہینڈ بک آف ڈومسٹک ہائیجین" کے صفحات ۳۱۹ و ۳۲۰ میں لکھتے ہیں:-

عورت بہ نسبت مرد کے کم خوشنمائی و خوش اسلوبی کے ساتھ پیدل چل سکتی ہے اسلئے کہ بمقابلہ مرد کے اسکے کولہے زیادہ چوڑے ہوتے ہیں جسکی وجہ سے حرکت اعضا کے ساتھ ساتھ اُسے پورے جسم کو حرکت دینے کی ضرورت ہوتی ہے اس خصوصیت کے باعث سے زیادہ فاصلہ تک پیدل چلنے کے عورت کم قابل ہے ساخت جسمانی کی یہ خصوصیت اُس واقعہ کے کلیتہً موافق ہے جو کہ تجربہ سے اتنی مرتبہ پایۂ ثبوت کو پہونچ چکا ہے کہ اب اسمیں جائے کلام نہیں کہ عورت بمقابلہ مرد کی جسمانی محنت و جفاکشی کی کم قابلیت رکھتی ہے۔

قوامون علی النساء سے یہی مراد ہے۔ اسیطرح عیسائیوں کے ہاں گرجے میں شادی کے وقت پادری کے روبرو دولہن جو اقرار کرتی ہے وہ یہی ہوتا ہے کہ "میں دولہا سے محبت اسکی عزت و توقیر اور فرمانبرداری کرونگی"، یہ فضیلت نہیں تو کیا ہے؟

جب یہ معلوم ہوا کہ مرد و زن کے افعال میں بلحاظ فرائض ذاتی فرق ہے تو ضرور ہے کہ دنیا کی کلی چیزون سے بھی اُسی فرق کی نسبت سے ایک دوسرے سے کم یا زیادہ مستفید ہو۔ مثلاً یہ ضرور نہیں کہ عورت کی خوراک اُتنی ہی ہو جتنی مرد کی اور اُسکے اعضا بھی اُتنی ہی ورزش کے متحمل ہوسکیں جتنے کہ مرد کے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر ایک کو اپنی ضروریات کے مطابق خداوند کریم کی عطا کردہ چیزوں سے حصہ لینا پڑتا ہے لہذا یہ کہنا بالکل بیجا ہے کہ مرد عورتوں کو اپنی خودغرضی اور ظلم کی وجہ سے بہت سی اشیا سے محروم رکھتا ہے اور خود اُن سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اب اس بحث کا دائرہ تنگ ہوکر صرف یہ بات غور طلب ہے کہ مرد نے اپنی اس فضیلت کا واقعی بُرا استعمال کیا یا نہیں اور اگر کیا تو جسقدر کہ درحقیقت بلحاظ اپنی ضرورتوں کے عورتوں کو خدا کی نعمتوں کی ضرورت تھی اُن سے اُس نے عورتوں کو فرار واقعی محروم رکھا کہ اُسپر ظلم کا الزام عائد ہوسکے اور جسپر اعتراض ہونے سے وہ بُرا مانتا ہے؟۔ اسکا جواب میں دوسرے اعتراض کے جواب کے تحت میں تشریح کے ساتھ دونگا۔ اعتراض اول کے جواب میں مجھے صرف اسقدر دکھلانا تھا کہ چونکہ بلحاظ نوعیت مرد و زن کے فرائض اور حقوق جداگانہ ہیں اسلئے ممکن نہیں کہ دونوں کے درمیان ہر امر میں مساوات کا دعویٰ کیا جاسکے بلکہ ضروری ہے کہ ایک دوسرے کا تابع یا موید فعل ہو۔

جواب اعتراض دوم

میں تعلیم نسواں کا نہایت زور کے ساتھہ حامی اور موید ہوں اور میرا عقیدہ ہے کہ مسلمان مستورات کے لیے تعلیم ایک لازمی شے ہے۔ ہاجرہ کے دیباچہ میں بھی ہیں چار سال ہوئے کہ یہی خیالات ظاہر کر چکا ہوں لیکن مجھے اس سے قطعی انکار ہے کہ پردہ کسیطرح مانع تعلیم ہے جسطرح کہ ہم روز یہ رونا روتے ہیں کہ موجودہ طریقہ تعلیم سرکاری مدارس کا مسلمانوں کی ضروریات کے لئے مناسب وکافی نہیں ہے اور مسلمانوں کا دارالعلوم علیحدہ ہو جہاں اسلامی خصوصیات کو مدنظر رکھکر مسلمانوں کی تعلیم کا انتظام کیا جائے اسیطرح یہ کچھہ ضرور نہیں کہ جس طرز کی غیر اسلامی قوموں میں لڑکیوں کو تعلیم دی جاتی ہے ویسی ہی ہم بھی اپنی لڑکیوں کو تعلیم دیں۔ ہمارا طرز معاشرت دوسری اقوام سے جداگانہ ہے اسلئے اُسی معاشرت کی مناسبت سے ہمکو لڑکیوں کی تعلیم کا بھی بندوبست کرنا چاہیئے گو اس طرز انتظام میں ہمیں کسیقدر زیادہ تکلیف بہ نسبت معمولی آزادی کے انتظام کے ہو کیونکہ میرا یقین ہے کہ لڑکیوں کو بے پردہ کرکے تعلیم دلانے سے جو نقصانات ہیں وہ اُن کے جاہل رہنے کے نتائج بد سے بدرجہا زائد اور بدتر ہیں علاوہ بریں جب کہ آپکا مطلب صرف تعلیم سے ہے تو اگر پردہ کے ساتھہ تعلیم کا انتظام ہو سکے تو فضول پردہ دری کے شور و غل سے کیا فائدہ۔

جتنے بڑے اور مفید کام ہوتے ہیں وہ بلحاظ واقعات بتدریج ہوا کرتے ہیں اور یہی طریقہ مناسب بھی ہے اسلئے کہ اسمیں کسی قسم کے نقصان کا خوف نہیں میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ سید احمد خاں مرحوم نے جس طریقہ تعلیم کا خاتونان پنجاب کے

اڈیرس کے جواب میں ذکر کیا تھا وہی ہماری قومی خصوصیات کے لحاظ سے بہترین طریقہ تعلیم ہے وہ کہتے ہیں :-

میں اپنی قوم کی خاتونوں کی تعلیم سے بے پروا نہیں ہوں - میں دل سے اُنکی ترقی تعلیم کا خواہاں ہوں - مجھکو جہانتک مخالفت ہے اُس طریقہ تعلیم سے ہے جسکے اختیار کرنے پر اس زمانہ کے کوتاہ اندیش مائل ہیں - میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنا پرانا طریقہ تعلیم اختیار کرنے کی کوشش کرو - وہی طریقہ تمہارے لئے دین و دنیا میں بھلائی کا پھل دیگا اور کانٹوں میں پڑنے سے محفوظ رکھے گا ..... تم غور کرو کہ تمہارے خاندانوں میں مستورات کی تعلیم کا کیا قاعدہ تہا - یہ قاعدہ تھا کہ ہماری قوم میں ہماری رشتہ داری میں ہمارے محلوں میں جو معزز اور باوقار گھر ہوتا تہا جس گھر کی مستورات عمدہ فضیلت عمدہ اخلاق میں فائق ہوتی تہیں اپنی قوم کی اپنے رشتہ داروں کی اپنے محلہ والوں کی لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام اُن کے سپرد ہوتا تہا ...

شامت اعمال سے وہ سلسلہ برہم ہوگیا - خاندان تباہ ہو گئے ..... وہ بزرگ مستورات تیں جو اس کام کو انجام دیتی تھیں دنیا سے اُٹھ گئیں - تمام خاندانوں کے مرد جاہل و نادان رہگئے جو ذلت کہ تمہارے خاندانوں کے مردوں پر خدا کی مرضی سے آئی ضرور تہا کہ اُس کا حصہ تمکو بہی ملے - پس وہی بدبختی تمہارے خاندانوں کے مردوں کی نے جسکا حصہ تمکو بہی ملا ہے ...

میری یہ خواہش نہیں ہے کہ تم اُن مقدس کتابوں کے بدلے جو تمہاری دادیاں اور نانیاں پڑہتی آئی ہیں اس زمانہ کی مروجہ نامبارک کتابوں کا پڑہنا اختیار کرو جو اس زمانہ میں پہیلتی جاتی ہیں ..... تمہارا فرض تہا کہ تم اپنے ایمان اور اسلام سے واقف ہو اُسکی نیکی اور خدا کی عبادت کی خوبی کو جانو - اخلاق میں نیکی اور نیک دلی رحم و محبت کی قدر سمجھو اور ان سب باتوں کو اپنے برتاؤ میں لاؤ - گہر کا انتظام اپنے ہاتھوں میں رکھو اپنے گہر کی مالک رہو اُسپر مغل

شاہزادی کے حکومت کرو اور مثل ایک لایق وزیرزادی کے منتظم ہو - اپنی اولاد کی پرورش کرو اپنی لڑکیوں کو تعلیم دیکر اپنا سا بناؤ - خدا پرستی خدا ترسی اپنی ہمسایوں کے ساتھ ہمدردی اپنا طریقہ رکھو یہ تمام سچی تعلیم نہایت عمدگی سے اُن کتابوں سے حاصل ہوتی ہی جو تمہاری دادیاں نانیاں پڑہتی تہیں جیسی وہ اُس زمانہ میں مفید تھیں ویسی ہی اس زمانہ میں مفید ہیں - پس اس زمانہ کی نامفید اور نامبارک کتابوں کی تمکو کیا ضرورت ہے -

علاوہ بریں جہانتک کہ اسلامی تاریخ تمدن سے مجھے واقفیت ہے عورتوں کے مدارس کا وجود اندلس مصر اور بغداد میں کہیں نہیں پایا جاتا حالانکہ مسلمانوں کی اُس زمانہ کی حیرت انگیز ترقی سے کسی کو انکار نہیں اور ہمارے نواب محسن الملک بہادر کو بھی میرے نزدیک اس امر سے اتفاق[۵۱] ہے - پس جو طریقہ تعلیم کہ اُسوقت ہماری قومی ضروریات کو مکتفی تھا اب کیوں نہ ہو - میری عمر اسوقت پینتیس سال کی ہے - میں ریاست رامپور کا باشندہ ہوں جہانکہ مغربی روشنی کی جھلک بہت ہی کم پہونچی ہے - لو دس برس کی عمر سے میں وہاں متواتر نہیں رہا اور تعلیم و تربیت باہر پائی لیکن وہاں کے حالات سے پھر بھی بخوبی واقف ہوں - میں اپنے چشم دید واقعات بیان کرتا ہوں کہ وہاں میں نے خود یہ رسم دیکھی ہے کہ محلہ کے لوگوں کی لڑکیاں اُس محلہ کے کسی شریف و

---

[۵۱] محمد ابراہیم صاحب انصاری نے پردہ پر ایک مضمون میں جو کہ اخبار محمڈن مدراس مطبوعہ ۱۲ ستمبر سنہ ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا تھا تہذیب الاخلاق سے نواب محسن الملک بہادر کی یہ رائے نقل کی ہے :-

" جب ہماری ترقی کا آفتاب نصف النہار پر تھا تو لڑکیوں کی تعلیم مکانوں پر بذریعہ عامہ مستورات یا خوش اطوار ضعیف العمر اشخاص کے ذریعہ سے ایسی عمدہ ہوتی تھی کہ سیکڑوں مسلمان مستورات ایسی گذری ہیں جنکے کارنامے ہمارے سامنے ہیں "

معتبر خاندان میں جہاں کہ مستورات خواندہ ہوں پڑہنے لکہنے کے لئے جمع ہوتی ہیں
لڑکیوں کی مائیں خود آکر اور منت اور اصرار کے ساتھ اپنی لڑکیوں کو سپرد کر جاتی ہیں
اور وہ دن بہر وہاں پڑہ لکہکر شام کے وقت اپنے اپنے مکان جاتی ہیں علاوہ پڑہنے
لکہنے کے کہانا پکانا سیکہنے کی غرض سے ہنڈکلیاں اور سینا پرونا سیکہنے کے لئے
گڑیوں کے کپڑے تیار کئے جاتے ہیں- خود ہمارے ہاں محلہ کی دس پندرہ لڑکیاں
اسطرح جمع ہوا کرتی تھیں جن میں بعض کی عمر گیارہ بارہ برس کی بھی تھی - یہ ضرور ہے کہ سوائے
قرآن شریف اور معمولی اردو کی کتابوں کے اور زیادہ پڑہائی ان مکتبوں میں نہیں ہوتی
لیکن آج کل کی ضروریات کے لحاظ سے ہم نصاب تعلیم میں کسیقدر ترمیم کر سکتے ہیں
اور صرف گہر کی بیبیوں پر تمام زور نہ ڈالکر استانیاں اس قسم کی تعلیم کے لئے تیار
کر کے ان مکتبوں کو چلا سکتے ہیں- اس وضع کے چھوٹے چھوٹے مکتبوں کو میں لڑکیوں
کے عام مدارس پر ترجیح دیتا ہوں اسلئے کہ جن شرفا کے مکانوں میں یہ مکتب ہونگے
انکی مستورات کے ہاتہوں طلبا کو بہت زیادہ فائدہ تعلیم و تربیت دونوں میں ہو پہنچیگا
بمقابلہ مدارس کی تعلیم کے لیکن جب تک کہ اس قسم کی اُستانیاں تیار نہوں ہمارے
آزادی کے دلدادہ نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ خود لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام اپنے ہاتھ میں
لیں- مثلاً باپ کو چاہیئے کہ بیٹی کو بھائی بہن کو اور شوہر بی بی کو اور علیٰ ہذا القیاس
اسیطرح دوسرے قریبی رشتہ دار بھی جہانتک ممکن ہو تعلیم دیں - اگر یہ طریقہ تعلیم
تہوڑے عرصہ کے لئے بھی اختیار کیا جائے تو یقین ہے کہ جسطرح مردوں کی
تعلیم میں ترقی ہوگی اُسی کے برابر تعلیم نسواں بھی ترقی کریگی اسلئے کہ جتنے زیادہ تعلیم
یافتہ مرد ہونگے اتنی ہی زیادہ وہ مستورات کو تعلیم دیسکیں گے گویا کہ اس طرز تعلیم کا اثر

خود لڑکوں کی تعلیم پر نہایت ہی اچھا ہوگا اور اُسکے ترقی دینے میں زیادہ کوشش کی جائیگی۔ میرا دعوی تو یہانتک ہے کہ ہمارے نوجوانوں کو بہت زیادہ عرصہ تک اس بارہ میں محنت و جانفشانی کرنی نہ پڑیگی اسلئے کہ جوں جوں مستورات تعلیم پاتی جائیگی وہ خود اپنی لڑکیوں اور بہنوں وغیرہ کو اسیطرح تعلیم دیکیں گے گویا کہ رفتہ رفتہ ایک عظیم الشان سلسلہ اس قسم کی خانگی تعلیم کا ہمارے ہاں قائم ہو جائیگا اور وہ بالکل ہماری مستورات ہی کے ہاتھ میں ہوگا۔

میری اس تجویز پر اکثر حضرات یہ اعتراض کرینگے کہ اصولاً یہ تدبیر کیسی ہی خوشنما اور آسان معلوم ہوتی ہو عملاً اسکا نفاذ مشکل ہے۔ کوئی ملازمت پیشہ شخص ڈاکٹر و کیل یا کسی قسم کا کاروبار کرنے والا تمام دن کی محنت اور جانکاہی کے بعد اس قابل نہیں رہتا کہ شب کو مکان جاکر سلسلہ تعلیم شروع کرے یا صبح کے وقت جو تھوڑا بہت وقت اپنے ہی کام سے نجات کا ملے تو وہ اس قسم کے دماغی شغل میں صرف کرے یہ اعتراض ایک حد تک صحیح ہے لیکن ہمکو یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی اکثر اپنی فرصت کا وقت زیادہ تر کس طرح صرف کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے میرا ذاتی تجربہ تو اس بارہ میں نہایت افسوسناک ہے میں نے دس میں نو آدمیوں کو اپنے عزیز وقت کا نہایت بے رحمی کے ساتھ استعمال کرتے دیکھا ہے اور بعض تو قطعی طور پر اس طرح وقت گذارتے ہیں کہ بجائے دماغ کو آرام دینے کے اُسکو سخت نقصان پہونچانے والے افعال کے مرتکب ہوتے ہیں بات یہ ہے کہ ہمنے بدقسمتی سے جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں مغربی اقوام کی ایسی امور میں تو خوب تقلید شروع کردی ہے جن سے سراسر ضرر ہے لیکن ایک معمولی سی بات یعنی تقسیم اوقات کے ہنوز عامل نہیں ہوسکے ہیں جسکا لازمی

نتیجہ تضییع اوقات ہے۔ اگر پورے طور پر ہم اسپر کاربند ہوں تو سب کام نہایت خوش اسلوبی سے ہو اور کمی وقت کی ہرگز شکایت نہ ہو - یہ ایک نہایت سچا مقولہ ہے کہ محض کاہل الوجود اشخاص عدیم الفرصت ہونے کے ہمیشہ شاکی رہتے ہیں کام کرنے والوں کے لئے وقت کی کوئی کمی نہیں - لہذا بجائے تعلیم نسواں کے بارہ میں جادۂ اعتدال سے متجاوز چلی پکار کے اور بیکار کاغذ اور سیاہی اور وقت کے ضائع کرنے کے ہم لوگ اپنی ہمتیں کوششیں طبع آزمائیاں شور و غل کے عوض خلوص نیتی اور استقلال کے ساتھ عملی طور پر مفید ثابت کریں تو احسن ترین خدمت اپنی اور اپنی قوم کی کرینگے - میں ناظرین کو یقین دلاتا ہوں کہ جسقدر دقتیں کہ مجوزۂ بالا طریقہ تعلیم میں دکھائی دیتی ہیں وہ محض خیالی ہیں ہمت و استقلال کے مقابلہ میں وہ بالکل کافور ہو جاینگی اس طرح جیسے کہ روشنی کے مقابلہ میں تاریکی میں اپنا ذاتی تجربہ اس بارہ میں پیش کرتا ہوں کہ میرے خاندان میں اسی طریقہ سے مستورات کو تعلیم دیگئی اور ہمیں اسمیں پوری کامیابی حاصل ہوئی - ہمکو اسوقت ایسے خاندانوں سے بحث نہیں ہے جن میں کہ مرد و زن بالکل ہی تعلیم سے بے بہرہ ہوں ایسے لوگوں کو تو پہلے اس امر کے لئے تیار کرنا ہے کہ اپنے لڑکوں کو تعلیم دیں - گفتگو اُن متوسط الحال اشخاص کی نسبت ہے جن میں کہ موجودہ طرز تعلیم رائج ہو چلا ہے - ایسے لوگوں کے بارہ میں یہ کہنا غلط نہوگا کہ اُن میں سے ہر ایک کے ہاں یا کم از کم زیادہ تر اشخاص کے ہاں دو ایک لڑکے مدرسہ جانے والے ضرور ہونگے اور خود صاحب خانہ اور دیگر رشتہ دار ایسے ہونگے جو آج کل کی تعلیم سے منتفع ہوئے ہوں - کیا ایسے مکانوں میں یہ آسانی کے ساتھ ممکن نہیں ہے کہ مدرسہ جانے والے لڑکوں کے ذریعہ سے اُنکی بہنیں وغیرہ

حساب اور اس قسم کی اور چیزیں سیکھیں اور دیگر رشتہ دار بھی اس قومی کام میں حصہ لیں اگر واقعی حامیان تعلیم نسوان کو سچی ہمدردی مستورات کی حالتِ زار کے متعلق ہے اگر درحقیقت وہ قومی بہبودی کے خواہاں ہیں اگر جو کچھ وہ کہتے سنتے ہیں محض زبانی جمع خرچ نہیں ہے اور دل سے چاہتے ہیں کہ مستورات کی حالت سنبھلے تو کیا وہ اسقدر زحمت بھی گوارا نہیں کر سکتے کہ اپنے وقت کا کچھ حصہ ایسے کام پر جس سے وہ نتائج مرتب ہونگے جن پر وہ جان دے رہے ہیں صرف کریں گو اس سے انہیں کسیقدر تکلیف ہی کیوں نہ ہو؟ یا اگر قوم کے مسلمہ رہنما متفق الراے ہو کر یہی بہتر سمجھیں کہ لڑکیوں کی تعلیم بذریعہ مدارس ہو تو ہمارے رفارمر کیا یہ بھی نہیں کر سکتے کہ جب تک اُستانیاں تیار کی جائیں اور مدارس قائم ہوں اُس وقت تک جس انداز سے کہ میں نے تشریح کی ہے سلسلۂ تعلیم جاری رکھیں۔

لیکن اگر مدارس قائم ہوں تو میری قطعی طور پر یہ راے ہے کہ لڑکیوں کو صرف سن بلوغ تک پردہ کی موجودہ پابندی کے ساتھ وہاں تعلیم دیجائے۔ اسکے بعد وہ مکان پر پڑہتے لکھیں اور شادی ہو جانے کے بعد اگر شوہر چاہے اور واقعات اجازت دیں تو شوہر خود اسکا انتظام کرے۔ اس بارہ میں میرے نزدیک مناسب ہوگا کہ ایک اور گروہ اُستانیوں کا ایسا تیار کیا جائے جو کہ مشنری لیڈیوں کی طرح اِن متاہل مستورات کو اُن کے مکان پر جا کر ایک وقت معینہ پر تعلیم دیں اور اگر ممکن ہو تو ایک محلہ کی ایسی مستورات کو جن میں کہ آمد و رفت ہو اُن میں سے کسی ایک کے مکان پر جمع کر کے خاص اوقات پر تعلیم دیا کریں۔ اس ذریعہ سے یہ شکایت بھی رفع ہو جائیگی کہ قبل از شادی جو حصہ عمر کا ہے وہ لڑکی کی کافی تعلیم کے لئے قلیل ہے۔ مگر ساتھ ہی میں

یہ بھی کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ شادی کے بعد جو تعلیم ہو وہ ایسی نہ ہو جو کسی طرح لڑکی کے امور خانہ داری میں ہارج اور اُن کے لئے مضر ہو۔ لڑکی کو ایسا نہ بنا دے کہ انتظام خانہ داری کے شغل کو وہ کسرشان سمجھنے لگے جسکے باعث سے اُسکے شوہر کو مجبور ہوکر بجاے خانگی معاملات کی طرف سے اطمینان و دلجمعی ہونے کے اُن کے متعلق بھی دردسر کی نوبت آئے۔ آجکل یہ شکایت ابھی سے کسیقدر سننے میں آتی ہے کہ پڑہانے لکھانے کے شوق میں والدین لڑکیوں کو سینا پرونا اور کہانا پکانے کا سلیقہ جو جزو اعظم تدبیر منزل ہے نہیں سکہاتے۔

میری یہ رائے ہے کہ انسان اُسوقت تک کامل انسان نہیں ہوتا جب تک کہ عورت اُسکی شریک حال نہ ہو لیکن اسکے لئے یہ لازم ہے کہ دونوں اپنے اپنے فرائض پورے طور پر ادا کریں یہ متفقہ امر ہے اور غالباً حامیان آزادی نسواں بھی اس سے انکار نہیں کرتے کہ عورت انتظام خانہ داری کی پوری مالک ہے اور مرد کا فرض ہے کہ وہ اس انتظام کی کل کو چلانے کے لئے حتی المقدور خرچ کی کفالت کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اپنے اپنے دائرہ میں سوائے ضروری صلاح و مشورہ کے دونوں میں سے ہر ایک کو کلی اختیارات حاصل ہوں سوائے اُن امور کے جو کہ ایک بہ نسبت دوسرے کے بہتر یا زیادہ تر آسانی و موزونیت کے ساتھ کرسکتا ہو ورنہ تقسیم عمل کا پورا پورا انصاف نہو سکے گا اور نہ کام ہی خوش اسلوبی کے ساتھ ہوگا۔ علاوہ اسکے بچوں کی تعلیم و تربیت بھی عورت ہی کے متعلق ہے اور ساتھ ہی مولوی سید ممتاز علی صاحب کے الفاظ میں ضرور ہے کہ "وہ اُسکی صحبت باعث مسرت اور اُس کی ہم کلامی دلچسپ اور موجب تفریح و انشراح خاطر ہو،، اب ہمکو اس امر پر غور کرنا چاہیئے کہ عورت کی مندرجہ بالا ذمہ داریوں کے

لحاظ سے اُسے کس قسم کی اور کس حد تک تعلیم دینی چاہیئے۔ حامیان آزادی نسواں نے اسکی کوئی صریح تشریح نہیں کی ہے صرف اس امر پر اصرار کیا ہے کہ اعلیٰ تعلیم ہونی چاہیئے اور غیر محدود جس طرح کہ لڑکوں کو دی جاتی ہے اور مولوی سید ممتاز علی صاحب بھی حقوق نسواں میں اس بارہ میں کسی قسم کی حد مقرر کرنا نہیں چاہتے اس بنا پر کہ جس طرح مرد میں قوت دماغی تحصیل علم کی ہے اسیطرح عورت میں بھی ہے۔ میرے نزدیک جبکہ تعلیم نسواں کی ہمارے ہاں آج کل کی ضروریات کے مطابق محض ابتدائی حالت ہے اور لڑکیوں کے لئے ابھی کوئی معقول نصاب تک تیار نہیں ہوا تو اعلیٰ تعلیم کی بحث قبل از وقت ہے لیکن چونکہ اکثر حضرات اس اعلیٰ تعلیم کی تائید کے جوش میں آزادی نسواں کے حامی ہیں اور پردہ کو مانع تعلیم اس معنی سے خیال کرتے ہیں میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اسکے متعلق بھی کچھ عرض کردوں۔ اگر اعلیٰ تعلیم سے بی۔ اے اور ایم اے پاس کرانا یا غیر محدود تعلیم دینا مدنظر ہے تو میں اس تعلیم کو مستورات کے لئے فضول بلکہ مضر سمجھتا ہوں۔ اس مسئلہ پر محض اصولوں کی خوشنما عینک لگا کر بحث کرنا بے سود ہے بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ جو تجاویز ہم پیش کرتے ہیں وہ عملی کسوٹی پر کہاں تک سچی اُترتی ہیں۔ لہٰذا صرف اس بنیاد پر کہ مرد و زن دونوں انسان ہیں اور اُن کی دماغی حالت یکساں[ف] ہے اسواسطے دونوں کو ایک قسم کی اعلیٰ

ف یورپ اور امریکہ میں اسکی نسبت بہت کچھ شک اور اختلاف ہے حتیٰ کہ کلکتہ کے اخبار انگلشمین میں گذشتہ سال ایک امریکن پروفیسر کی یہ تحقیقات شائع ہوئی تھی کہ لڑکیاں سولہ سترہ برس کی عمر تک تو لڑکوں سے مدارس کے امتحان پاس کرنے میں اکثر تیز پائی گئیں لیکن اس عمر سے آگے بڑھ کر اُنکی دماغی حالت عموماً ساکن ہو جاتی ہے۔ یہ نتیجہ اس نے ایک عرصہ تک مختلف مدارس کے لڑکے اور لڑکیوں کے نتائج امتحانات کی جانچ پڑتال کرکے نکالا تھا۔

تعلیم دیجاوے نہایت پراز خطر مسئلہ ہے۔ اس اصول پر توہم یہی کہسکتے ہیں کہ اگر کسی شخص میں دس میل روز پیدل چلنے کی طاقت ہوتو وہ بلالحاظ اسکے کہ اُسے روز اس قدر مسافت طے کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں اور اس سے اُسکے قوئی پر کچھ عرصہ میں کیسا اثر پڑے گا دس میل بلاناغہ پہرلیا کرے یا ایک شخص کو امتحان توانجنیری کا دینا ہے لیکن محض اسوجہ سے کہ اُسمیں مادہ دوسرے علوم کے سیکھنے کا بھی ہے وہ ساتھ ہی علم طب یا انگریزی علم ادب کی اعلیٰ کتابیں پڑہنے لگے تو اُسکی اصلی غرض یعنی انجنیری کے امتحان پاس کرنے پر اسکا کیا اثر پڑیگا۔ غرض کہ یہ اصول اس مسئلہ کے حل کرنے کے لئے بالکل غلط ہے دنیا میں جس طریقہ سے عام طور پر اور کام کیا جاتا ہے وہی طرز اس معاملہ میں بھی اختیار کرنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ عورت کے لئے بلحاظ اُسکی دنیاوی ذمہ داریوں کے کس قسم کی تعلیم مناسب وکافی ہے؟ وہ ذمہ داریاں کیا ہیں؟ جیساکہ میں اوپر کہہ آیا ہوں عورت کا مرد کے واسطے باعث دلچسپی ہونا۔ اپنے اور شوہر اور اولاد وغیرہ کے حقوق کا سمجھنا۔ انتظام خانہ داری میں خوش اسلوبی سے کام لینا اور اولاد کی تربیت وتعلیم۔ اب اِن باتوں کو مدنظر رکھکر اور اس امر کو بھی فروگذاشت نکرکے کہ بلحاظ اپنی خصوصیات کے عورت کی عمر کا کس قدر حصہ درحقیقت شادی ہونے سے پہلے یا بعد تک تعلیم میں مناسب طور پر صرف ہوسکتا ہے ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ کتنی تعلیم کی اُسے ضرورت ہے۔ میرے نزدیک مفصلۂ ذیل نصاب نہایت کافی ہے:-

(۱) عقائد اسلام (۲) اُردو کی عمدہ ومفید کتابیں (۳) تاریخ وجغرافیہ (۴) علم حساب ضرورت کے مطابق (۵) علم حفظان صحت کے ضروری اصول (۶) علم طبعی کے ابتدائی ومعمولی اصول (۷) سینا پرونا اور کشیدہ وغیرہ (۸) کھانا پکانا ودیگر امور خانہ داری

غالباً اس امر پر سب تو سب صاحبوں کو اتفاق ہوگا کہ سولہ سترہ برس کی عمر تک لڑکی کی شادی ضرور ہوجانی چاہیئے لہذا جس تعلیم کا میں نے ذکر کیا ہے اُس سے زیادہ اس عمر تک عام طور پر حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ ہاں شادی کے بعد اگر شوہر دیکھے کہ بی بی میں خاص مادہ کسی علم کے سیکھنے کا ہے اور اُس سے اچھے نتائج پیدا ہونے کی امید ہے اور بی بی کے دیگر فرائض متعلقہ میں وہ تعلیم خلل انداز نہوگی تو بذریعہ اُستانیوں کے جنکا ذکر میں اوپر کر آیا ہوں اُسے تعلیم دلائے۔ لیکن اسے میں مستثنیات میں داخل کرتا ہوں قاعدہ کلیہ وہی قرار دیتا ہوں جسکی کہ میں نے تشریح کی ہے۔ بچونکی مناسب تعلیم و تربیت کے لئے ماں کا اسقدر تعلیم یافتہ ہونا کافی ہے۔ خاص اس امر کے متعلق اکثر حضرات شور وغل و خامہ فرسائیاں کرتے اور نوحہ پڑھتے ہیں اور اپنے جوش میں حد سے زیادہ مبالغہ سے کام لیتے ہیں لیکن اگر تامل و غور کے ساتھ سوچیں تو معلوم ہو کہ بچونکی تعلیم و تربیت کے لئے ماں کے بی اے یا ایم اے ہونے کی مطلق ضرورت نہیں۔ آجکل کتنی عمر میں لڑکا مدرسہ جانے لگتا ہے یا اُسے جانا چاہیے آٹھ یا نو برس کی عمر سے۔ لہذا ماں کو اس عمر تک اُسکی تعلیم و تربیت کی پرداخت اور اسکے بعد محض اُسکی تربیت کی نگرانی کرنی چاہیئے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ جسقدر نصاب میں تعلیم نسواں کے لئے کافی و وافی سمجھتا ہوں اور جسکا ذکر میں نے اوپر کیا ہے اتنی عمر کے بچہ کے لئے کافی نہیں؟ ضرور ہے اور کیا مغربی مائیں عموماً اپنے بچوں کو اس سے زیادہ عمر تک تعلیم دیتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اسمیں مطلق شک نہیں کہ ماں کے تعلیم یافتہ ہونے سے تربیت و تعلیم اولاد کی نہایت عمدہ ہوتی ہے۔ لیکن جسقدر مبالغہ کہ اس بنا پر عورتوں کو اعلیٰ تعلیم دینے کی تائید میں کیا جاتا ہے وہ محض لغو و دور از کار ہے

جہانتک مجھے واقفیت ہے یوروپین زنانہ مدارس کے اسکول فائنل امتحان کا نصاب تقریباً اسیقدر ہے جتنا کہ میں نے قرار دیا ہے سواے اسکے کہ انگریزی زبان کی کتابوں کے بجاے میں نے اُردو کی کتابیں داخل کی ہیں اور میرے نصاب میں جبر مقابلہ اور اقلیدس نہیں ہے اور یہ امتحان عیسائی لڑکیاں عموماً سولہ سترہ برس کی عمر سے پہلے پاس نہیں کرتی ہیں - یہ امتحان ہندوستان ہیں لڑکوں کے امتحان انٹرنس کے برابر تصور کیا جاتا ہے لیکن انگلستان میں بھی عام طور پر مستورات اسی قسم کی معمولی تعلیم سے زیادہ تر بہرہ ور ہوتی ہیں جسکی تائید مسٹر محمد علی صاحب رامپوری ملازم ریاست بڑودہ کے ایک مضمون سے بھی ہوتی ہے جو کہ اُنھوں نے اخبار البشیر اٹاوہ مورخہ ۴ - اگست سنہ ۱۹۰۳ء میں تحریر کیا تھا - وہ کہتے ہیں :-

غالباً مجھے انگریزی شریف زادیوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق راے دینے کا استحقاق اُن طلبا سے کچھہ زیادہ ہے جنھوں نے عمر بھر میں شاید ایک بار اپنے پرنسپل صاحب کی میم صاحبہ کے ساتھہ چپ چاپ مودبانہ چاے نوش فرمائی ہو یا جنھوں نے کبھی مسز بسینٹ کا کوئی لکچر سن لیا ہو اور تعجب کیا ہو کہ ناقصات العقل میں سے بھی ایسی قابل عورت دستیاب ہو سکتی ہے - میرا منشا ہرگز نہیں کہ میں اپنے انگریزی دوستوں کی توہین کروں یا اُن کی خوبیوں کے اعتراف میں قاصر ہوں - موسیقی - مصوری - زردوزی - ریشم کا کام - لکڑی تراشنا - درستی مکان - تربیت اولاد - نفاست لباس - دلچسپی گفتگو اور وہ دلچسپ ترخوبی جسکو فلرٹیشن کہتے ہیں اور جس کا ترجمہ کرنا فضول ہے کیونکہ ہماری خاتونیں اُس سے بے بہرہ محض ہیں اور ہمارے مرد اُس سے اسیطرح واقف ہیں جس طرح کوہ قاف سے - اِن سب خوبیوں میں انگریزی عورتیں ہماری خاتونوں پر فوقیت رکھتی ہیں یہی علمیت یہ فی صدی ایک میں بھی مشکل

پائی جائیگی خواہ کیسے ہی معزز خاندان کی عورت کیوں نہو۔ ایک معمولی شریف زادی کے علم کی فہرست حسب ذیل پائی جائیگی۔ انگریزی علم ادب سے کچھہ واقفیت۔ تاریخ برائے نام جغرافیہ دیکھی نہیں۔ ریاضی میں معمولی حساب کتاب۔ ٹوٹی پھوٹی فرنچ جو وہ کبھی بولنے کی کوشش نہیں کرتیں۔ ہاں ایک قابل فخر واقفیت ناولوں سے خصوصاً اُن سے جو بالتصویر میگزینوں میں پائی جاتی ہیں یا جو لال پیلے پٹھوں میں بند ہی ہوتی ہیں۔

مجھے یقین کامل ہے کہ ہندوستانی صاحب میرے قول پر اس امر میں اعتبار نکرینگے کیونکہ انہیں دور کے ڈھول کی آواز بہت سُہانی معلوم ہوتی ہے۔ جب اُس طبل تہی کو پاس آکر دیکھیں گے تو نہ تو اُسکی شکل ہی دلپسند معلوم ہوگی نہ اُسکی آواز ہی دل خوش کن۔ مگر میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ جو کچھہ میں نے کہا ہے وہ بالکل سچ ہے۔

کھانے پکانے سے تو وہ تقریباً واقف ہی نہیں ہوتیں لیکن خوشی کا مقام ہے کہ جس ہنر کو ہمارے حامیان آزادی عموماً اچھی نظر سے نہیں دیکھتے اُسکی طرف اہل انگلستان اب متوجہ ہو چلے ہیں یعنی یہ کہ انگلستان میں ابھی چند روز ہوئے جو رائل کمیشن قوم کی صحت و جسمانی تنزل[1] کی تحقیقات کے لئے مقرر ہوئی تھی اُس نے اس امر پر زور دیا ہے کہ مستورات کو کھانا پکانے کی تعلیم دینی چاہیے اسلئے کہ اچھا کھانا نہ پکنے کی وجہ سے قوم کی صحت پر نہایت بُرا اثر پڑتا ہے۔

اس موقع پر بطور جملہ معترضہ یہ کہنا بیجا نہوگا کہ جو کوتاہ اندیش قومی ترقی کی دھن میں تمام اسلامی خصوصیات کو خیرباد کہکر اپنی عقل کامل کے مرید ہیں اور کہتے ہیں کہ اعلیٰ تعلیم نسوان اور آزادی نسواں کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ گریس[2] ڈارلنگ اور فلورنس نائٹنگیل ایسی عورتیں

---

[1] اخبار ابزرور لاہور مطبوعہ ۴۔ اگست سنہ ۱۹۰۴ء [2] گریس ڈارلنگ کونگسٹن کے محافظ لائٹ ہوس

انگلستان میں پیدا ہوئیں اور موقع بموقع ان دونوں کو بطور نمونہ پیش کئے بغیر انہیں چین نہیں آتا وہ اُس ایثار نفس کشی - جان نثاری اور تحمل کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں جو کہ ہماری مستورات میں اب تک اس گئی گذری حالت پر بھی نہایت اعلیٰ پیمانہ پر موجود ہیں اور جسکی نظیر تقریباً ہر مکان میں ملیگی - ہمارے مردوں کی اس بارہ میں حالت کیسی ہی خراب ہو لیکن جن اوصاف کا میں نے ذکر کیا ہے وہ ہماری مستورات میں ایسے ہیں جن پر سیکڑوں گریس ڈارلنگ اور فلورنس نائیٹنگیل نثار کی جا سکتی ہیں -

---

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰ - لیم ڈارلنگ کی لڑکی تھی - لونگ سٹون جزائر فارن کے ایک جزیرہ کا نام ہے جو کہ نورتھمبر لینڈ کے جنوب و مشرقی ساحل کے قریب واقع ہیں - گریس ڈارلنگ ۲۴ نومبر ۱۸۱۵ء کو پیدا ہوئی تھی - بتاریخ ۷ ستمبر ۱۸۳۸ء صبح کے وقت فورفر شیر نامی جہاز جسپر ۶۳ اشخاص سوار تھے اس لائٹ ہوس کے قریب تباہ ہوا اور ولیم ڈارلنگ کی نظر اسپر پڑی گریس اسوقت اپنی عمر کے بائیسویں سال میں تھی - باپ سے اصرار کیا کہ جہاز کے مسافروں کی جان بچائی جائے جسکے باعث سے ولیم اُسی طوفان کی حالت میں معہ اپنی لڑکی کے ایک کشتی پر سوار ہو کر روانہ ہوا اور نو مسافروں کو جو کہ اسوقت تک زندہ تھے موت سے بچایا - بتاریخ ۲۰ - اکتوبر ۱۸۴۲ء گریس ڈارلنگ نے انتقال کیا -

فلورنس نائٹنگیل ابھی تک زندہ ہیں - یہی خاتون ہیں جنہوں نے کہ جنگ کریمیہ میں سب سے پہلے مجروحین کی تیمارداری کے لئے مستورات کے بھیجے جانے کا سلسلہ قائم کیا - یہ مستورات نرس کہلاتی ہیں - میری غرض یہ ہرگز نہیں ہے کہ گریس ڈارلنگ یا فلورنس نائیٹنگیل قابل تعریف نہیں ہیں یا یہ کہ اُن کے کارہائے نمایاں کا اعتراف نکیا جائے نہیں بلکہ کلکتہ کے مسٹر دلاور حسین صاحب تعلیم نسوان یا پردہ کے مخالفت میں جو یہ دو نظریں ہمیشہ پیش کیا کرتے ہیں اُس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں اُنہیں ایسی کوئی عورت باوجود تلاش کے نہیں ملی اور نہ ملنا ممکن ہو - جائے غور ہے کہ اندھی تقلید انسانکو کہاں سے کہاں پہونچا دیتی ہے ! -

اس جگہہ ایک جرمن ڈاکٹر کی تحقیقات بہی اعلی تعلیم کے متعلق قابل ذکر ہے وہ کہتا ہے[۵۱]

"مستورات کو اعلی تعلیم دینے میں نقصان بہی ہے اور وہ یہ کہ عورتوں میں جنون کی زیادتی ہوتی جاتی ہے - نازک فرقہ کے دماغ پر مردوں کی ہمسری کرنے میں حد سے زیادہ زور پڑتا ہے جسکی وجہ سے بمقابلہ مردوں کے پاگل استانیوں کی تعداد فی صدی دوچند ہے"

میں نہیں کہسکتا کہ یہ تحقیقات کہانتک صحیح ہے اور عام طور پر کہانتک اِسے قابل اعتبار سمجہنا چاہیے لیکن یہ قابل غور ضرور ہے - ساتہہی یہ ایک عجیب بات ہے کہ جو دو تین سو برس ابتدائے تعلیم نسواں سے آج تک انگلستان میں گذرے ہیں اس عرصہ دراز میں جہانتک میں دریافت کرسکا ہوں کوئی تعلیم یافتہ عورت ایسی نہیں پیدا ہوئی جسنے کہ علوم و فنون اور انسانی ذخیرۂ معلومات میں مردوں کی طرح کوئی مستقل ازدیاد کیا ہو - ناول نویسوں کا میں ذکر نہیں کرتا اور نہ انہیں اسقدر مایۂ ناز سمجہتا ہوں لیکن خود بعض مغربی حضرات کی رائے انکی نسبت کیسی ہے ذیل کی سطور[۵۲] سے ظاہر ہے :-

لارڈ ایوبری نے جنکا کہ اصل نام سر جان لبک ہے جو فہرست ایکسو بہترین کتابوں کی تیار کی تہی جو کہ اُنکے نزدیک ہر شخص کو پڑہنی چاہئیں اُسمیں صرف ایک کتاب عورت کی تصنیف کی ہوئی داخل کی تہی - یہ ناول ایڈم بیڈ ہے لیکن اسکی نسبت بہی شک ہے کہ ایسی یقینی اور معقول اعلی تصنیف کا داخل فہرست کرنا مناسب تہا یا نہیں - میرا ہمیشہ یہ خیال رہا ہے کہ جورج ایلیٹ اسکی مصنفہ نے انسانی حالات سے واقفیت کے لئے محض اپنے دماغی تصور پر حد سے زیادہ انحصار کیا ہے - میرے نزدیک اُس نے معاملات کو زیادہ صحیح سمجہا ہوتا اگر اُسمیں مسٹر ہارڈی کیطرح کسی شخص کی قوت متخیلہ اور غور و خوض کرنے کی صلاحیت ہوتی - اُسکے اعلی فہم و ذکا سے کوئی

---

۵۱ اخبار گریفک لنڈن مورخہ ۱۷ - اکتوبر ۱۹۰۳ء ۵۲ اخبار بلیک اینڈ وہائٹ لنڈن مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۰۴ء

انکار نہیں کرسکتا لیکن یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ کیا یہ صفت اُسمیں اس پایہ کی تھی جس سے کہ تنویر روح ہو اور جو کہ ہمیشہ قایم رہے۔ شوپنہار کی تو را سے ہے کہ "تمام فرقۂ اناث میں سے معروف ترین مستورات نے کبھی علوم نفیسہ میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جو کہ درحقیقت اعلیٰ خالص اور طبعزاد ہو اور نہ کوئی اس قسم کا کام دنیا کے روبرو پیش کیا ہے جو مستقل خوبی یا فایدہ کا ہو"

یہ امر بھی نظر انداز نکرنا چاہیئے کہ بلا کسی قسم کے تعین یا روک ٹوک کے جو تعلیم مستورات کو دی جاے اُسکی وجہ سے اُن فرائض کے پورا کرنے میں جو کہ عورت کے متعلق ہیں کمی واقع ہوتی ہے اگر اس قسم کی عورتوں کی ایک فہرست تیار کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اُنھیں شادی بیاہ کی قیود سے نفرت ہوتی ہے گویا کہ ایک ایسا فعل جس سے کہ انسان انسانِ کامل بنے اُس سے وہ پہلوتہی کرتی ہیں اسلئے کہ جیسا کہ میں اوپر کہہ چکا ہوں مرد بلا عورت کے اور عورت بلا مرد کے ایک ادھورا انسان ہے۔ انگلستان میں اعلیٰ تعلیم نسواں کے جو مدارس ہیں اُن کی فہرست ہوئٹ ایگزامنیک میں ملاحظہ فرمایئے تو معلوم ہوگا کہ جو کثیر التعداد مستورات بطور معلمہ یا منتظمہ وہاں ملازم ہیں اُن میں سوائے گنتی کی دو چار عورتوں کے سب ناکتخدا ہیں اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء میں ایک جلسہ انگلستان کی آزاد طبع مستورات کا ویمنز انسٹیٹیوٹ واقعہ وکٹوریا اسٹریٹ لنڈن میں منعقد ہوا تھا اُس میں جس مضمون پر لکچر دیا گیا وہ تھا "عورت کا درجہ بیسویں صدی عیسوی میں" اس جلسہ کی مفصلہ ذیل کیفیت ۹ نومبر سنہ ۱۹۰۴ء کے اخبار ابزرور لاہور میں شائع ہوئی تھی جس سے [۵۱]

---

۵۱ اس جلسہ کا ذکر کرتے ہوئے اخبار مذکور نے ایک دوسرے جلسہ کا بھی ذکر کیا ہے جو کہ خالی از دلچسپی نہیں یہ جلسہ علیگڈہ کالج ایسوسی ایشن کی طرف سے کیکسٹن ہال میں اسی ماہ ۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء میں ہوا تھا۔ اس موقع پر مسٹر سلطان احمد بیرسٹر ایٹ لا نے "ہندوستان میں مستورات کی حالت" پر ایک نہایت عمدہ

معلوم ہوتا ہے کہ اسقدر آزادی حاصل کرنے اور ترقی تعلیم کے بعد انگلستان کی مستورات کو اس وضع کی تہذیب کے فوائد کے متعلق بہت کچھ شک ہے اور وہی پرانی وضع کی روش اُنھیں بہتر معلوم ہوتی ہے :-

"ہال مستورات سے پُر تھا ایک لیڈی صدر انجمن تھی اور ایک لیڈی ہی نے تقریر بھی کی - قدرتی طور پر اس امر کے سننے کی امید تھی کہ بیسویں صدی میں عورت اپنے اور حقوق مرد کے ناخوش ہاتھوں سے چھیننے میں زیادہ ترقی کریگی لیکن بہت سوں کو وہ لکچر سنکر بہت تعجب ہوا ہوگا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳ مضمون پڑھا جسے کہ خصوصیت کے ساتھ مسلمان خواتین سے تعلق تھا - اُنکے خیالات میں اعتدال کا رنگ تھا اور گو اُنھوں نے تعلیم نسواں کی بڑے جوش کے ساتھ تائید کی لیکن اُن کے نزدیک جہاں تک کہ مکانوں میں مستورات کی خوشی اور امور خانہ داری کی جانب التفات سے تعلق تھا ہندوستانی مستورات کو اپنے تئیں اس بارہ میں مبارکباد دینے کا بہت عمدہ سبب موجود تھا - اثنائے کلام میں اُنھوں نے رسم پردہ کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ اُنکے نزدیک اس رسم کو موقوف کرنا مناسب نہ تھا - مسٹر سید امیر علی نے اس بارہ میں اُن سے اختلاف رائے کیا - اسکے بعد ڈاکٹر ضیاء الدین احمد نے تقریر کی اور کہا کہ مجھے پوری ہمدردی ہے کہ ہندوستانی مستورات میں روشنی تعلیم پھیلائی جائے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس بارہ میں جو کوششیں ہوں وہ مخالفت پردہ سے علیحدہ ہوں - میرے نزدیک ان دونوں باتوں کو یکجا کرنے سے مسئلہ تعلیم پر ہمیشہ ناگوار اثر پڑا ہے اسلئے حامیان تعلیم نسوان کو صلاح دیتا ہوں کہ پردہ کی بحث کو تعلیم نسواں سے نہ ملائیں - میجر جنرل ڈکسن نے جو مسلمانوں کی بہبودی سے نہایت دلچسپی رکھتے ہیں کہا کہ چند ترمیموں کے ساتھ میں مشرق میں پردہ کے موافق ہوں اور میرا خیال ہے کہ اگر مسلمانوں نے کبھی مطلقاً پردہ ترک کر دیا تو بہت جلد اُنہیں افسوس کرنا پڑے گا - مسز بک (بیوہ مسٹر بک متوفی پرنسپل علیگڈھ کالج) نے بحث کی کہ وہ بیجا آزادی جسکے ساتھ ممالک مغرب میں عورتیں اجنبی مردوں سے

اسلئے کہ لکچرار نے اسمیں اپنے زنانہ حاضرین کو بعض اُن معائب کی طرف متوجہ و مخاطب کیا جو اُس آزادی کی وجہ سے تھے جو کہ اُنہوں نے حاصل کی تھی اور بیسویں صدی میں عورت کے لئے وہی پُرانی وضع کی جگہہ مکان کی انگیٹھی کے پاس مقرر کی (یعنی گرہستی زندگی کی) بچوں کے فرائض جو اُن پر تھے یاد دلائے جن سے کہ ہر شے میں مرد کی ہمسری کی دوڑ میں غفلت کی جا رہی تھی اور اُس نسائی خوبی و دلفریبی کے حصول پر زور دیا جسکے ذریعہ سے عورت چاروں طرف شادمانی اور روشنی پھیلانے اور مکان کا حاجت روا فرشتہ بننے کی قابلیت حاصل کرتی ہے ..... اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ عورتوں کو ناکامیاں اور مصیبتیں بھی پیش آئی تھیں لیکن وہ زیادہ تر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴ - مل جل سکتی ہیں نامناسب ہے۔ میں ہندوستان میں اتنے عرصہ تک رہی ہوں کہ میرے نزدیک پردہ اسقدر پر عیب و زبوں رسم نہیں ہے جتنی کہ اُسکے مخالفین اُسے ظاہر کرنیکی کوشش کرتے ہیں (حامیان آزادی ان مغربیوں کی یہ معروضات ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیں) -

اسپر اخبار ایزرویوں رقمطراز ہے۔

متذکرہ بالا دونوں مباحثے مشرق اور مغرب کی حالت کے اچھے نمونے ہیں۔ ایک تو ایک دور کے اور دھندلے خیالی کمال کے حاصل کرنے کی کوشش میں ہے اور اپنے جوش میں اپنے طبقہ کی تمام خوبیوں کو جو اُسمیں ہوں نظرانداز کر رہا ہے اور دوسرا جو کہ منزل مقصود تک تقریباً پہونچ چکا ہے بیدار ہو کر اس بارہ میں شک کر رہا ہے کہ اب تک جو راہ اختیار کی ہے وہ مناسب ہے یا نہیں اور اُسے یہ کھٹکا لگا ہوا ہے کہ اسوقت جو ترقی ہوئی ہے اُس سے دنیا کی بہبودی متصور ہے یا نہیں۔ کیا ممکن نہیں ہے کہ اہل مشرق عمدہ طور پر اہل مغرب کے تجربہ سے فائدہ اُٹھائیں اور یورپ اور امریکہ کی اختیار کردہ راہ میں جو حالات ہیں اُن سے وقت پر متنبہ ہو کر اپنی مستورات کے لئے ایسا راستہ نکالیں کہ کسی خاص حد تک آگے بڑھنے کے بعد پھر واپس آنے کی کبھی ضرورت محسوس نہ ہو؟

اپنی استعداد و لیاقت کے انحطاط و حدود کے عدم احساس کی وجہ سے۔ اُن کا منشا یہ نہ
تھا کہ کامیابیوں پر خوشی اور ناکامیوں پر افسوس کیا جائے بلکہ اس بیان سے یہ سوال کرنا
مقصود تھا کہ اسقدر آزادی وغیرہ حاصل کرنے میں عورتوں نے کون سی شے کھو دی ہے
آیا اس کشمکش میں اُنہوں نے لطافت دلفریبی اور نسائیت کا کچھ حصہ کھو دیا ہے یا نہیں یا بقول
ایک مصنف کے "دنیا کی حکومت کے لئے آخرت کی عظمت و سرخروی ضائع کر دی ہے یا نہیں"

پس جس طریقہ تعلیم و تربیت سے کہ عورت کے فرائض منصبی پر برا اثر پڑے یا یوں کہیے
کہ نسائیت اُس سے جاتی رہے اور وہ عملی طور پر مرد بے ریش ہو جائے وہ طریقہ ہمارے
لئے کیا کسی قوم کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے بعض مغربی اہل الرائے اس بارہ
میں کیا کہتے ہیں :-

مسٹر فریڈرک ہیریسن نے رسالہ پوزیٹوسٹ ریویو میں ایک مضمون لکھا تھا جس سے
مندرجہ ذیل اقتباس[۵] کیا جاتا ہے :-

انسان کو سب سے زیادہ عاقلانہ اور خوش انتظامی کی گرہستی زندگی کی ضرورت ہے۔ مکان
انسانیت و شعور کا بڑا مدرسہ ہے جہاں کہ والدین اور خصوصاً والدہ اُستاد ہے۔ مکان ہی میں بزرگ
ترین اور اہم ترین سبق سیکھے جاتے ہیں اور جو تعلیم کہ یہاں دی جاتی ہے وہ شاذ ہی کبھی کلیتہً ناکامیاب
ثابت ہوتی ہے۔ پس ہمکو اچھی اور باوفا عورتیں قوم میں مائیں بننے کے لئے چاہئیں جو اپنا پورا
وقت اپنے دشوار کاموں میں صرف کرنے کی قابلیت رکھتی ہوں اور ساتھ ہی ہمیں ایسی ماؤں
کی ضرورت ہے جنکے جسم و دماغ کامل طور پر صحیح ہوں ایسی لڑکیاں نہیں چاہئیں جنکے بدن میں
خون نہ ہو حد سے زیادہ اُنہیں کام کرنا پڑتا ہو صغر سنی کے زمانہ سے جبر یہ محنت کرنے کی وجہ سے

[۵] اخبار ابزرور لاہور مطبوعہ ۳۔ اگست ۱۹۰۴ء

بالیدگی رک گئی ہو اور دائمی ضعف معدہ اور اعصابی خرابیوں کے باعث سے شکستہ حال ہو گئی ہوں۔ ہمکو چاہیئے کہ گرہستی زندگانی کی اہمیت ازدواج کی پاکی اور سوسائٹی کے لئے اہل وعیال کی قدر و وقعت دوبارہ قائم کریں،،۔۔۔ مسز ٹامسن کہتی ہیں کہ بہت سی عورتیں مردوں کے متعلق جو کام ہیں انہیں اختیار کرنے سے زنانہ فرائض سے غفلت کرتی ہیں" گو شادی ہو جاتی ہے لیکن ماں بننے سے انکار کرتی ہیں۔ مالک خانہ نہیں لیکن انتظام خانہ داری سے تعلق نہیں رکھنا چاہتیں۔ اس قسم کی باتیں عورتوں کے ادنی خدمات میں شمار کی جاتی ہیں اور اسلئے فرقہ اناث میں ایک عام رجحان ایسا پیدا ہو جاتا ہے جو کہ خانہ آبادی کو الٹ اور انسانیت کو برباد کر دیتا ہے۔ مرد کی کفالت سے عورت کے آزاد ہو جانے کا منطقی نتیجہ یہی ہے کہ بچہ جننا اسکے لئے موجب عار و مطعون تصور کیا جائے،،

اخبار اسٹیٹسمین کلکتہ میں گذشتہ سال یہ مضمون شائع ہوا تھا:۔

"حال میں جو اعداد شائع ہوئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ اور متوسط الحال طبقوں کی کام کرنے والی عورتوں کے لئے شادی کی اچھی اُمیدیں نہیں ہیں اسلئے کہ غریب درجہ کی کارکن عورت کو تقریباً نوعمری میں شادی کرنیکا یقین ہوتا ہے برخلاف اسکے یہ عجیب بات ہے کہ اُس سے اونچے درجہ کی مستورات میں جو کہ اپنی معاش آپ حاصل کرتی ہیں مجرد رہنے یا بہت دیر سے شادی کرنے کی طرف میلان زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اسکا جو نتیجہ ہے وہ معلوم ہے یعنی یہ کہ ناکتخدا مرد وزن کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور متوسط درجہ کے لوگوں میں قلت پیدائش کی زیادتی کی وجہ سے ملک کی آبادی کم ہو رہی ہے۔ اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرد و عورت کی دماغی مساوات کہیں زیادہ سخت مشکلات کا موجب نہ ہو اور نیز یہ کہ اپنی روزی آپ کمانی والی عورت گورنمنٹ کے لئے خطرناک ہے یا نہیں۔ امریکہ میں بہ نسبت انگلستان کے اس مسئلہ پر

زیادہ وسیع طور پر بحث ہوئی ہے اور وہاں ایک حصہ آبادی کی تو یہ رائے ہے کہ روشن دماغ لڑکی گرہست بی بی بننے کے مطلق قابل نہیں اور ایک فرقہ اس اصول پر قائم ہے کہ صرف اُس حالت میں جبکہ قوم کی مائیں مردوں کے ساتھ دماغی مساوات پیدا کرینگی قوم اعلیٰ ترین طاقت[۵۱] حاصل کریگی۔ بہرحال یہ امر واقعی ہے کہ بمقابلہ مردوں کی آبادی کے مستورات کی موجودہ کثرت کے علاوہ جو کہ حال میں اور زیادہ نہیں ہوئی ہے فرقہ اناث میں ازدواج روبہ تنزل ہے۔"

اب جبکہ میں ثابت کرچکا کہ کسقدر تعلیم عورتوں کے لئے ضروری اور مناسب ہے اور نیز یہ کہ وہ باوجود موجودہ رسم پردہ کے ہماری مستورات کو دی بھی جاسکتی ہے تو یہ کہنا بالکل مہمل اور غلط ہے کہ پردہ مانع تعلیم ہے۔ عورتوں کی تعلیم کی جو حالت خراب ہے اور جسکی وجہ سے مردوں کو ظالم جفاکار اور غاصب حقوق نسواں کہا جاتا ہے اور وقت بیوقت اس قسم کی اور بھی سخت کلامی بیچارے مردوں کی نسبت کی جاتی ہے میں اس روش کو مطلق اچھا نہیں سمجھتا اور یہی خیال کرتا ہوں کہ کیا شور و غل کرنے والوں میں غور و خوض کا مادہ ہی نہیں رہا۔ ایک شخص جو خود ڈوب چکا ہو یا ڈوب رہا ہو اُس سے یہ امید کرنا کہ وہ ایک دوسرا انسان کو جسکا کہ چولی دامن کا ساتھ ہو یا یہ کہیئے کہ وہ اُسکی کمر سے بندھا ہو ڈوبنے سے باز یا محفوظ رکھے کسقدر فاش غلطی ہے!

قواعد قدرت تو یہی کہتے ہیں اور عقل سلیم بھی یہی چاہتی ہے کہ اگر وہ خود بچ جائیگا تو اپنے ساتھی کے بھی بچنے کی کوشش کریگا ورنہ جو اُسکا حال ہے وہی ساتھی کا بھی ہوگا۔ سر سید احمد خاں مرحوم نے کیسے پر درد الفاظ میں اس خیال کو خاتونان پنجاب کے ایڈریس کے جواب[۵۲] میں ادا کیا ہے۔

[۵۱] لیکن تجربہ اسکے خلاف ثابت کررہا ہے [۵۲] دیکھو صفحہ ۲۹۔

اس سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ ہماری مستورات کی جو حالت ہے اُسکا ذکر نہ کیا جائے اور نہ اُنکے درست کرنے کی کوشش کی جائے نہیں ایسا کرنا تو ہمارا فرض ہے لیکن اس قسم کی مہملات ولغویات کہ پردہ مانع ترقی ہے عورتیں مثلاً عضو معطل ہیں مرد ظالم اور غاصب ہیں بالکل بیجا ہیں - اس میں شک نہیں کہ اپنے ہی افعال بد کا یہہ نتیجہ ہے کہ ہماری حالت ایسی خراب ہے اسکے ذمہ دار ہم خود ہیں اور کوئی نہیں - اب جو کسی قدر ہم چونکے ہیں تو چاہیئے کہ ساتھہ ہی اپنے رفیقوں یعنی عورتوں کی حالت زار کی طرف مائل ہوں لیکن بجائے فضول بے سروپا چہ میگوئیوں کے کام کی باتیں کریں اور اندھی تقلید کے پیچھے جو اوصاف ہماری مستورات میں اب تک بمقابلہ دیگر مستورات کے باقی ہیں انھیں کھو نہ بیٹھیں - ساتھہ ہی حامیان آزادی ذرا سوچیں اور اس امر کی بھی تحقیقات کریں کہ اُنکے ہم خیال حضرات کا اور نیز اُن کا اپنا برتاؤ اپنی مستورات کے ساتھہ کیسا ہے کہانتک وہ انصاف پر مبنی ہے اور اُسمیں ترمیم کی کہانتک گنجائش ہے -

جواب اعتراض سوم

اس اعتراض پر بھی اگر بنظر تعمق سے دیکھا جائے تو ثابت ہو جائیگا کہ پردہ بیچارے سے اس سے تعلق نہیں اور پردہ کے ساتھہ وہ بات حاصل ہو سکتی ہے جسکے کہ معترضین خواہاں ہیں مثلاً اگر مکان میں ہوا کے منفذ کھڑکیاں دروازے اور صحن باقاعدہ ہوں تو کافی تازہ ہوا مل سکتی ہے سوائے دو چار بڑے بڑے شہروں کے جیسے کہ کلکتہ بمبئی مدراس ہیں ہندوستان کے شہروں میں متوسط الحال مسلمانوں کے مکانوں میں گو مکانیت کم ہو لیکن چھوٹے بڑے صحن کا انتظام حتی الامکان ضرور کیا جاتا ہے اگر صحت کے لئے چلنے پھرنے کی ضرورت ہے تو اس صحن

میں یا مکان کے کمروں ہی میں مستورات کو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ضرور چلوائے اگر یہ آپ کافی نہ سمجھیں تو ماشاء اللہ سینڈو نے مرد وزن لڑکے لڑکیوں سب کے لئے ورزش کا سامان مہیا کر دیا ہے اُسکے مطابق ورزش کرائے۔ علاوہ بریں عورت کو اپنی ساخت جسمانی کے لحاظ سے اسقدر ورزش و محنت درکار نہیں ہے جتنی کہ مرد کو اور اگر امور خانہ داری میں جیسا کہ چاہیئے اور جسطرح کہ ہماری نانیاں دادیاں حصہ لیتی تھیں اسیطرح آجکل کی مستورات بھی حصہ لیں تو اُن کے لئے یہ ورزش بالکل کافی ہوگی دیکھئے ڈاکٹر کیلوگ امریکا۔ ایسے ترقی یافتہ اور آزاد ملک کا ڈاکٹر اس بارہ میں کیا کہتا ہے :-

"زیادہ تر ین اشخاص کے لئے صحت کے لحاظ سے کسی قسم کی دوسری ورزش اسقدر مفید نہیں ہے جتنی کہ کوئی جسمانی محنت مستورات کے واسطے عام خانہ داری کا کام نہایت عمدہ طور پر اس امر کی صلاحیت رکھتا ہے کہ جسم کے مختلف رگ و پٹھے اپنا اپنا کام کریں۔ ساتھ ہی اس ذریعہ سے اتنے مختلف اقسام کی ورزش ہو جاتی ہے اور متواتر تبدل ہوتا رہتا ہے کہ کوئی حصہ جسم بہت زیادہ نہیں تھک سکتا۔ ہزاروں ایسی نوجوان مستورات ہیں جو کہ اپنے خاندانی معالج کے زیر علاج گھل رہی ہیں باوجودیکہ وہ اپنے عالمانہ و پیچیدہ نسخوں سے حتی الامکان اُنکی امداد کرتا ہے۔ جنکے لئے تبدیل آب و ہوا یا کسی دوسرے ملک میں ایک سال رہنا یا کوئی اس قسم کی اور گراں تجویز کی جاتی ہے حالانکہ اگر دنیا میں کوئی چیز اُن نازک عورتوں کو اچھا کر سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ چند ہفتے یا مہینے کے لئے وہ اپنے گھر کا کاروبار کریں۔ انہیں چاہیئے کہ کچھ دنوں کے لئے پیانو یا ستار بجانا چھوڑ دیں اور کھانا پکانا۔ کپڑے دھونا۔ انکی درست کرنا۔ چیزوں کو ملکر اور رگڑ کر صاف کرنا

سلہ "ہوم ہینڈ بک آف ڈومسٹک ہائیجین" صفحہ ۹۷۔

مکاں کو صاف ستھرا رکھنا اور اسی قسم کی ہزاروں چھوٹی چھوٹی خانگی باتیں کرنا سیکھیں جنکی وجہ سے اُنکی مائیں اور نانیاں دادیاں اُن سے بیشتر صحتور اور قوی ہوتی تھیں۔ ہم نے ایک مرتبہ ایک کم عمر عورت کا علاج اسی طریقہ سے کیا۔ اُسے ایک معمر ڈاکٹر نے دق کا علاج کرتے کرتے جواب دیدیا تھا اور اُسکے اعزا افسوس کے ساتھ اُسکا رفتہ رفتہ گھلنا دیکھ رہے تھے۔ لیکن ہمارے علاج سے چند ہفتے میں مس صاحبہ اچھی ہوگئیں اور اسوقت تک بصحت ہیں لیکن چونکہ کام کاج کا علاج ہمنے بتلایا تھا اس وجہ سے وہ ہم سے ہمیشہ کے لئے نفرت کرنے لگی ہیں اور کچھ شک نہیں کہ اگر کوئی ڈاکٹر یا اور کوئی شخص اس قسم کے مریض کے لئے اس طرح کا علاج اختیار کرے تو اُسے بھی اسی وضع کا صلہ ملیگا ...... دنیا میں کوئی ورزش گاہ ایسی نہیں ہے جہانکہ ورزش سے بہ نسبت باورچیخانہ اور کپڑے دہونے کی جگہہ وغیرہ کے بہتر نتائج ظہور پذیر ہوں۔ یہ سب مقام قدرت کی ورزش گاہیں ہیں ان میں کسی خاص سامان و اسباب کی ضرورت نہیں ہے اور وہ ہمیشہ استعمال کے لئے تیار رہتی ہیں"

ایک یوروپین نامہ نگار مسٹر ایچ۔ بی۔ میریئٹ واٹسن[51] کی راے اس بارہ میں یہ ہے:

"دو گذشتہ بیس سال یا زیادہ سے ہم متواتر اس خیالی امر پر فخر کررہے ہیں کہ موجودہ زمانہ کی ترقیاں اور جسمانی ورزش کی طرف زیادہ رغبت ہونے کی وجہ سے ہماری عورتوں کا حسن اور صحت بہتر ہوگئی ہے۔ لڑکیوں کے ہر مدرسہ میں ورزش کا سامان مہیا کیا گیا ہے ہماری بیٹیوں اور بہنوں کو بائیسکل کی سواری ہنکیتی۔ بندوق بازی۔ اسپ سواری۔ ٹینس اور گولف کھیلنے کی ہمت دلائی گئی ہے حتیٰ کہ کرکٹ۔ فٹ بال اور ہوکی بھی اُن کھیلوں میں داخل کرلئے گئے ہیں جوکہ مستورات بلاضرر بلکہ فائدہ کے ساتھ کھیل سکتی ہیں۔ اب چونکہ ہم ان چیزوں

---

[51] اخبار انگلشمین کلکتہ مورخہ ۳۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء جسمیں کہ اخبار میل لنڈن سے یہ مضمون نقل کیا گیا تھا۔

سے تقریباً ایک پشت سے مستفید ہو رہے ہیں وہ وقت آگیا ہے کہ ہم اُن کے نتائج پر غور کریں اور دیکھیں کہ ہمیں اِن سے کسقدر فائدہ یا نقصان پہونچا ہے۔ سوال یہ ہے کہ طرز تعلیم و تربیت میں جو انقلاب عظیم واقع ہوا ہے اس سے مستورات کو فائدہ ہوا یا نہیں؟ بلحاظ قلت پیدائش اور دیگر مسائل کے جو آجکل گھاس کی طرح کثرت سے پیش نظر ہیں ہماری نسل کے لئے یہ ایک اہم سوال ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ گذشتہ ساٹھ ستر سال کے عرصہ میں ہماری مستورات کی وضع و شکل و صورت کسقدر تبدیل ہوگئی ہے ...... یہ صحیح ہے کہ اس زمانہ کی لڑکی دراز قد ضرور ہوتی ہے لیکن یہ صفت اُسے دیگر افضل اوصاف کو کھو کر حاصل ہوئی ہے ..... حقیقت یہ ہے کہ سالہا گذشتہ سے جو کھیل تماشے اور ورزش کہ اختیار کی گئی ہے وہ عورتوں کے مناسب حال نہیں ہے نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہماری مستورات میں جسمانی تنزل واقع ہوا ہے ...... اس زمانہ کی لڑکی چھوٹی ہی عمر سے شادی تک اور اکثر اُسکے بعد بھی وہ خلاف قدرت کھیل اور ورزشیں اختیار کرتی ہے جو کہ اُسکی شکل و صورت اور اکثر صحت کو برباد کر دیتی ہیں۔ وہ بڑھکر لانبی سینہ سپاٹ ہے۔ رنگ یعنی زرد ہو جاتی ہے اور اُسمیں تناسب جسمانی نہیں رہتا۔ ناموزوں جسمانی محنت اور عادت کی وجہ سے غذا ہضم نہ ہونے سے وہ دبلی ہو جاتی ہے اور سڈول نہیں رہتی اور وہ نازک جسم صحت اور حسن کی رفاقت چھوڑکر سمٹ اور مرجھا جاتا ہے۔ فی زمانہ ہماری لڑکیوں میں خوش نما ڈیل ڈول اور نسائیت کی خوشگوار علامتیں ناپید ہیں۔ اُن کا میل نسائیت سے خارج ہونے اور ایسے نمونہ کے موافق ہونے کی جانب ہے جو کہ عورتوں کا نہیں بلکہ مرد کا ہے ....

فرانسیسی مصنفوں نے متفق ہوکر یہ احمقانہ روایت برقرار رکھی ہے کہ انگریزی مستورات کے پیر بڑے اور دانت سامنے نکلے ہوئے ہوتے ہیں یہ سراسر جھوٹی تہمت ہے۔ لیکن یہ الزام صحیح ہوگا کہ فی زمانہ اِن مستورات میں وہ نشو و نما نہیں ہے جو کہ فرقہ اناث کے لئے موزوں و مناسب ہے .... اس فرقہ کا میلان لاغری اور سینہ کے نامکمل نشو و نما اور اُن دماغی خاصیتوں کیجانب ہے جو کہ ان عیوب سے پیدا ہوتی ہیں ..... المختصر ورزش عورت کے لئے ایسی ضرورت کی شئے نہیں ہے جیسی کہ مرد کے لئے اور جس حالت میں کہ

عورت کو حد سے زیادہ ورزش کی صرف ہمت ہی نہیں دلائی جاتی بلکہ اُسے یہ بھی ترغیب دی جاتی ہے کہ اُسے قابل اعتراض صورتوں میں کرے تو ظاہر ہے کہ فرقہ اناث کا زوال لازمی طور پر شروع ہوگا

عورت کی خاص دلفریبی اور نیز قدرت نے جو علتِ غائی اُسکے بنانے میں رکھی ہے وہ اُسکی نسائیت ہے۔ جسوقت کہ یہ صفت گئی تو گویا اُسکا حق پیدائش بھی زائل ہوگیا.....

ان سب باتوں کے ساتھہ ساتھہ ایک اور نازک تر مسئلہ ہے جسکا اس موقع پر اجمالاً ذکر کیا جائیگا۔ آج کل کی عورت اپنی ماں اور نانی دادی سے حسن اور صحت میں گھٹی ہوئی ہے بجائے اسکے کہ موجودہ ترقی کردہ حفظان صحت کے بہتر طریقوں سے اُس نے فائدہ اُٹھایا ہوتا اُسکی غلط تربیت نے اُسے اس سے باز رکھا۔ غالباً اُسے ہوا بہتر ملتی ہے لیکن وہ مضر صحت طریقہ سے رہتی ہے اسلئے کہ وہ ایک ناممکن الحصول نمونہ کی مطابقت کی کوشش کرتی ہے۔ ہماری دادی نانیوں میں اور جو عیب رہے ہوں مگر وہ تندرست بچوں کی مائیں ہوتی تھیں۔ اگر آج ڈاکٹروں کی رائے لی جائے تو وہ اپنے مریضوں کی مادری حالت کی نسبت کیا رپورٹ کرینگے ؟ زوال نسائیت کے ہمراہ لازمی طور پر اُن معاملات میں بھی کمی ہوتی جاتی ہے جو کہ تندرست اور خوبصورت بچے ہونے کا باعث ہوتے ہیں۔

آج کل کے خاندان چھوٹے ہی نہیں بلکہ ان کا طرز رہائش بھی پیشتر سے زیادہ مصنوعی ہے ہم اپنی بیٹیوں کو اسطرح پرورش کرتے ہیں کہ جو جگہہ قدرت نے اُن کے لئے تجویز کی تھی وہ زیادہ تو اُسکے قابل نہیں رہتیں۔"

امور خانہ داری کے متعلق اکثر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر خدا نے توفیق دی ہو کہ آپ خادمہ رکھہ سکیں تو پھر کیوں بی بی سے چولہا جھکوایا جاسے۔ میں کہتا ہوں کہ ہرگز نہیں

ضرور خادمہ کے سپرد یہ کام کیجیے لیکن اُسکے کام کی پوری نگرانی - مکان کی صفائی - ہر چیز کا قرینہ اور احتیاط کے ساتھ اُٹھانا بٹھانا اور صاف رکھنا - ہر شے کی دیکھ بھال بچوں کی نگرانی - مکان میں اِدھر اُدھر چلنا پھرنا یہ سب کافی ورزش کا سامان ہے اس سے آپ غفلت نکریں - سچ پوچھئے تو آج کل ایسی ہوا چلی ہے کہ مسلمانوں میں نفیس کھانے پکانے اور عمدہ سینے پرونے کا جو چرچا تھا وہ روز بروز کم ہوتا جاتا ہے اور بی بی کو پلنگ کی نوار توڑنے کا عادی بنایا جاتا ہے یا کم و بیش ایسا جسکی کہ مہاراجہ دربھنگہ نے تعلیم یافتہ بنگالیوں کے بارہ میں شکایت کی ہے - مہاراجہ صاحب نے مہاکالی پاٹشالہ کلکتہ یعنی ہندو لڑکیوں کے مدرسے کے تقسیم انعامات کے سالانہ جلسہ کے موقع پر ۲۷ اپریل سنہ ۱۹۰۴ء کو ایک تقریر کی جسمیں کہا[۵۱] :-

"آیئے ایک لمحہ کے لیے بنگالہ کی مستورات کی موجودہ حالت پر ایک نظر ڈالیں - زیادہ حصہ متوسط اور نیچے درجہ کی اور نیز گانوؤں کی مستورات کا نوشت و خواند سے بے بہرہ ہے اور اسلئے قدرتی طور پر قومی بہبودی کے مسئلہ سے وہ بالکل ناواقف ہیں لیکن یہی مستورات ہیں جن میں اعلیٰ نمونہ کی عورتوں کی شریف ترین خصلتیں ابھی تک باقی ہیں یعنی شوہروں اور بزرگوںکی نہایت تعظیم و تکریم - اِن خصائل کے ناپید ہونیکا بہت زیادہ خوف ہے - اِسکے بعد شہر کے چند تعلیم یافتہ اشخاص کی کیفیت - دیکھئے - بہت سی مستورات کو اُن کے شوہر بالکل بد اخلاق بنا رہے ہیں اور اُنہیں مضر کتابیں پڑھنے اور بیہودہ خطوط لکھنے کی قرار واقعی ہمت دلاتے ہیں - یہی نئی وضع کی ہندوستانی عورتیں ہیں جنہیں اُن کے شوہر درحقیقت تعلیم دیتے ہیں کہ وہ امور خانہ داری سے لاپروائی کریں اپنے شوہروں کے والدین کا لحاظ و پاس نکریں اور مغربی تہذیب کی

سا۵ اخبار محمدن مدراس مورخہ ۱۶ مئی سنہ ۱۹۰۴ء -

برائیاں توسیکھ لیں لیکن اچھی بات ایک بھی نہیں۔"

جن خاندانوں میں کہ بی بی مکان کا پورا انتظام دیکھتی بھالتی ہے وہاں جہانتک مجھے علم ہے مستورات کی صحت کی شکایت مردوں کی صحت کی شکایت سے زیادہ سننے میں نہیں آتی اور زیادہ تر یہ شکایت عموماً اُن ہی گھرانوں میں ہے جہانکی بی بی صاحبہ انتظام خانہ داری سے سبکدوش ہیں لیکن چونکہ آخرالذکر قسم کے خاندانونکی ابھی زیادتی نہیں ہے لہذا ۱۹۱۰ء کی مردم شماری کی رپورٹ اُٹھاکر دیکھئے تو معلوم ہوجائیگا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مستورات کی تعداد اموات میں فرق نہیں حالانکہ ہنود کی عورتیں مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ تر باہر نکلتی ہیں اگر باہر نہ نکلنے ہی کی وجہ سے نساء المسلمین کی صحت خراب ہوجاتی ہے تو ضرور تھا کہ ہنود کی بہ نسبت اموات بھی نسبتاً مسلمانونمیں زیادہ ہوتیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ علیٰ ہذالقیاس تپ دق کی شکایت و زیادتی بھی کچھ مسلمانوں ہی سے مخصوص نہیں ہے ہندوؤں اور دیگر اقوام میں بھی یہ مرض موجود ہے۔ اسکے اسباب بھی کچھ اور ہی ہونگے اسلئے کہ خود یورپ میں آجکل اسکی زیادتی کی شکایت ہے۔ یہ شکایت کہ ہماری مستورات اکثر علیل رہتی ہیں زیادہ تر ذاتی تجربہ پر منحصر ہے اگر تعداد اموات ہندوؤں سے زیادہ نہیں ہے تو علالت بھی غالباً زیادہ نہوگی۔ ہاں یورپ کی تعداد اموات سے مقابلہ کرنے میں ضرور فرق پائیگا لیکن اسکی وجہ پردہ نہیں ہے غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ کھانے پینے میں پابند اوقات نہونا اور بد پرہیزی۔ صغر سنی کی شادی۔ قواعد حفظان صحت سے ناواقفیت۔ اور اکثر باوجود واقفیت عورتیں تو درکنار مردوں کا بھی مکان کی صفائی اور ستھرائی اور اس قسم کی قیود کی جانب سے لاپرواہ ہونا۔ نا موزوں بنو شناک جس سے ہوا لگنے اور سردی بخار کا ہر وقت خوف ہو اور نیز مردوں کی غلط کاریاں

اور زیادتیاں عورتوں کی صحت خراب ہونے کا باعث ہوتی ہیں ان امور کو رفع کیجیے
اور دیکھیے کہ آپ کچھ فرق محسوس کرتے ہیں یا نہیں - کمزور اولاد کے پیدا ہونے کا
بھی کچھ تو یہی باعث ہے جو میں نے ابھی عورتوں کی صحت کے متعلق بیان کیا اور یہ
بھی ہے کہ ایام حمل میں اسقدر احتیاط نہیں کی جاتی جتنی کہ طبعاً ہونی چاہیئے - اور
حقیقت حال تو بظاہر یہ ہے کہ اولاد اسقدر کمزور پیدا نہیں ہوتی جسقدر کہ اسکی
پرورش بُرے طور پر ہونے کی وجہ سے وہ کمزور ہو جاتی ہے - بچے پالنے کا مسئلہ بڑا
نازک مسئلہ ہے جسپر کہ ہمارے ہاں کافی توجہ نہیں کی جاتی -

جواب اعتراض چہارم

اس سے پہلے کہ اسکے متعلق میں اپنی رائے ظاہر کروں مفصلہ ذیل دلچسپ و غور طلب
اقتباسات ہدیہ ناظرین کرتا ہوں -

اپنے روزانہ اخبار کے کسی گوشہ میں ناظرین نے ایک مختصر سا حوالہ اس کمیشن کی نسبت
دیکھا ہوگا جو کہ تھوڑا عرصہ ہوا آسٹریلیا کے ایک حصہ کی تعداد پیدائش وغیرہ کی بعض باتوں پر غور
کرنے کے لئے مقرر ہوئی تھی - چند مہینے کی نشست کے بعد ممبران کمیشن نے یہ نتیجہ نکالا کہ
بموجب عام قوانین ازدیاد آبادی آسٹریلیا میں جتنے باشندے ہونے چاہئیں اُن سے
تقریباً دس لاکھ کم ہیں - ابھی حال میں نیو ساؤتھ ویلز کے ایک سرکاری عہدہ دار مسٹر کوگلین نے جسکے
محکمہ کا تعلق اس قسم کے اعداد سے ہے ایک مختصر کتاب شائع کی ہے جسمیں وہاں کی کمی
پیدائش پر بحث کی ہے - اُسکے نزدیک تعداد پیدائش میں مستقل کمی ہو رہی ہے - شادی
کی عمر عورتوں میں بہ نسبت ۱۸۹۵ء کے تقریباً ڈیڑھ سال پیچھے ہٹ گئی ہے اور ہر ایک

ہزار پہلوٹھی بچوں میں سے قرار واقعی صرف ۵۱۰ ولدالحلال ہوتے ہیں ۲۳۳ مجبوری شادی کرنے سے حلال بنائے جاتے ہیں اور ۲۵۷ حرامی ہوتے ہیں۔ ہر ایک ہزار شادیوں میں سے ۲۵۹ میں قوی وجوہ مجبوراً لازمی طور پر شادی کرنے کے پائے جاتے ہیں یعنی ہر چار شادیوں میں ایک سے زیادہ کی یہ کیفیت ہوتی ہے[لہ]۔

اخباروں میں جو خبریں میں نے دیکھیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر کوگلین کی کتاب یا کمیشن کی رپورٹ شائع ہونے سے آسٹریلیا میں کسی قسم کا جوش پیدا نہیں ہوا۔ وجہ یہ ہے کہ ان واقعات سے لوگ پہلے ہی سے واقف تھے اور یہ عموماً تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ واقعات پورے آسٹریلیا پر عائد ہوتے ہیں۔

پس ہمیں یہ نتیجہ نکالنا چاہیے کہ ہمارے روبرو ایک عظیم الشان نیا ملک ہے جس پر سفید انسانوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ ہم اس جگہ پر یہ سوال نہ کرینگے کہ وہاں کے اصلی باشندے کیوں نیست و نابود ہو گئے۔ زرد رنگ انسان سختی سے ملک میں داخل ہونے سے روکا گیا ہے اور انگلیکن قوم کے سفید باشندے وہاں کیا کر رہے ہیں؟ آبادی جو کہ بلحاظ وسعت ملک نسبتاً قلیل ہے بڑھنے سے رک گئی ہے جس کا کہ تسلیم کردہ باعث ہر فرد بشر کی دیدہ و دانستہ عمداً ذاتی خواہش ہے ...... شادی کے متعلق جو اعداد اوپر پیش کیے گئے ہیں وہ خود گویا ہیں اگر صرف وہی بیان کیے گئے ہوتے تب بھی کافی طور پر خوفناک ہوتے لیکن وہ تنہا نہیں ہیں۔

اب ہم دوسرے نئے ملک کی طرف مائل ہوتے ہیں جہاں کہ اینگلو سیکسن قوم حکمراں ہے یعنی امریکہ۔ اسکے پریزیڈنٹ نے حال ہی میں "نسل کی خودکشی" کے متعلق واعظانہ تقریریں کی ہیں۔

[لہ] اسکا مطلب صاف الفاظ میں یہ ہے کہ بطفیل کورٹ شپ مرد و زن میں وہ تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں جو بعد شادی کے ہونے چاہیئے تھے اور اسکے بخوف بدنامی مجبوراً نکاح کرنا پڑتا ہے۔

وہاں بھی تعداد پیدایش میں کمی ہو رہی ہے اور ہم جانتے ہیں کہ کیوں ۔ جو سبب آسٹریلیا میں ہے وہی امریکہ میں ۔ لوگ اولاد نہیں چاہتے ۔ شادی کے بارہ میں میں نے ابھی حال ہی میں ایک امریکن عورت کا حال سنا جسکا تین مردوں سے دس مرتبہ عقد ہوا تھا عدالتہا سے طلاق کی امداد سے ۔ کیا یورپ کی اس سے بہتر حالت ہے ؟ نہیں یورپ کے ہر ملک میں سوائے (میرا یقین ہے) روس کے پیدایش اولاد کم ہوتی جاتی ہے ۔ بیچارہ روسی دہقان ظاہرا اُس کیڑے سے اب تک بچا ہوا ہے ۔ بلا شک یوروپین تہذیب یافتہ لوگوں کے اعضائے رئیسہ کو چاٹ رہا ہے ۔

میں نے ناظرین کے روبرو ایسے مضمون کے پیش کرنے کی جرأت کی ہے جس پر مناسب طور پر بحث کرنے کے لئے کئی جلدیں لکھنے کی ضرورت ہوگی ۔ میرے پاس خود رای کے کوئی نتائج اس کے متعلق پیش کرنے کے لئے نہیں ہیں ۔ میں ناظرین ہی پر اسکا تصفیہ چھوڑتا ہوں اور ساتھ ہی یقین کرتا ہوں کہ وہ مجھسے اتفاق کرینگے کہ یہ مضمون از حد غور و خوض کے قابل ہے ۔ آئیے واقعات پر ہم ایک نظر ڈالیں ۔ دنیا کے سب سے زیادہ مہذب ملک میں تعداد پیدایش کم ترین ہے حتی کہ یہ مسئلہ اسقدر اہم ہو گیا ہے کہ بہت سے فرانسیسی مدبر . . . اپنی عمریں اسکے حل کرنے میں صرف کر رہے ہیں ۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ فرانس تمام یوروپین ممالک میں مہذب ترین ہی نہیں ہے بلکہ سب سے زیادہ لامذہب بھی ہے ۔ انگلستان میں ابھی یہ مسئلہ اس قدر ضروری نہیں ہے ۔ ہمارے لیڈروں کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے جسکی معقول وجہ یہ ہے کہ قوم کے سوچنے والوں نے ابھی تک اُنہیں اسطرف متوجہ نہیں کیا ہے ۔ تاہم ایک روز ان واقعات کا مقابلہ کرنا پڑے گا ۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں گورنمنٹ مدارس کے بھوکے بچوں کو جنہیں کہ وہ بالفعل تعلیم دیتی ہے بہت جلد خوراک بھی دینے والی ہے ۔ اس قسم کے دس ہزار بچے

لنڈن میں موجود ہیں۔ تہذیب یافتہ سفید اقوام کے ہر حصہ آبادی سے یہی صدا آتی ہے۔ سلسلۂ ازدواج مائل بہ شکستن ہے ماں باپ بننا تکلیف دہ اور مضر تصور کیا جاتا ہے۔ لوگ فرائض پدری سے جان چراتے ہیں اور گورنمنٹ اُن کی قائمقام ہوتی جاتی ہے۔ جیساکہ کسی چھوٹے طبیعت والوں نے کہا ہے عورتوں کے لئے محض شادی ہی ایک پیشہ نہیں رہگیا ہے"

اور امریکا اور اسٹریلیا کی بیچین کرنے والی خبریں پاکر جنکی کمک پر اُن کی ذاتی رائیں ہیں لوگ دریافت کر رہے ہیں کہ ایک وقت میں صرف ایک ہی شادی کرنا مرد کی قدرتی حالت کے درحقیقت مطابق ہے یا نہیں۔ میرے ایک دوست سے جو بائی اولوجی (علم حیات) کا متعلم تھا ایک متاہل شخص نے جو کہ اپنی زوجہ سے تنگ گیا تھا یہی سوال کیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کیا کہ اُسکی کوئی ذاتی غرض اُس سوال سے وابستہ نہ تھی بلکہ محض سائنٹفک واقفیت حاصل کرنا چاہتا تھا ...... میرا سچے طور پر ایمانداری سے یہ یقین ہے کہ ابھی تک تین یا چار عورتوں میں صرف ایک اور اُسکا فقط دسواں حصہ مردوں میں اس قابل ہے کہ ایک ہی شادی پر ایک وقت میں اکتفا کرے ......

مذہبی حکومت کا تنزل جو کہ زیادہ تر اُسکے بڑے استعمال کی وجہ سے ہے اور اس قسم کی قدیم باتوں کا کالعدم ہوجانا جیساکہ سوسائٹی سے خارج کرنا اور دوزخ کا خوف وغیرہ بے شک نہیں کہ موجودہ ابتری کا باعث ہیں۔ سفید نسل دوبارہ باقاعدگی پیدا ہونے تک مشکل سے قائم رہیگی مگر اسکی تعداد پیدائش میں زیادتی شروع ہوجاوے تو ممکن ہے کہ وہ بچ جائے۔ لیکن کیا یہ زیادتی وقوع میں آئیگی؟ (ڈاکٹر مسی۔ ڈبلیو سلیبی کا مضمون رسالہ اکاڈیمی مطبوعہ لنڈن میں جو کہ اخبار اسٹیٹسمین کلکتہ میں گذشتہ سال نقل کیا گیا تھا)۔

۲ اخبار ڈیلی کرانکل لنڈن کا نامہ نگار ملبورن سے بتاریخ ۹ مارچ ۱۹۰۶ء نیو سوتھ ویلز کی قابل ذکر رائل کمیشن کے متعلق جو کہ کمی پیدائش کی تحقیقات کے لئے مقرر ہوئی تھی چند دلچسپ حالات

تحریر کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کمیشن کی بنا وہ حیرت انگیز تنزل تقریباً ۳۰ فی صدی کا ہے جو کہ نیوسوتھ ویلز کی تعداد پیدایش میں سنہ ۱۸۵۹ء سے آشکارا ہوا ہے لیکن کمیشن کی تحقیقات تمام آسٹریلیا پر عائد ہوتی ہے اسلئے کہ آبادی کی خوفناک کمی اس براعظم کے ہر صوبہ سے کم وبیش تعلق رکھتی ہے اگر آسٹریلیا کی مستورات نے گذشتہ چالیس سال کے زمانہ میں ٹھیک ٹھیک بچے جنے ہوتے اور بچوں میں تعداد اموات بھی مناسب حدتک کم ہوتی تو کمیشن کی راے ہے کہ نیوسوتھ ویلز کی آبادی موجودہ آبادی سے ڈہائی لاکھ زیادہ ہوتی اور پورے آسٹریلیا کی آخری مردم شماری سے ایک لاکھ زائد۔ کمیشن نے علم ترکیب اجسام کی روسے دریافت کیا ہے کہ آسٹریلیا کی منکوحہ مستورات بچہ پیدا کرنے کی حسب معمول قابلیت رکھتی ہیں لیکن وہ ایک ایسی اخلاقی بُرائی کی مرتکب ہوتی ہیں جو کہ یورپ کے رنگیں دارالسلطنتوں کی اخلاقی پستی کے متوازی و ہم پلہ ہے۔ جو چارہ کار کہ کمیشن نے تجویز کئے ہیں وہ متعدد ہیں لیکن اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پیشوایان مذہبی پیدایش کے محدود کرنے کے خلاف اور اس قسم کی خودغرضی کے مقابل جہاد میں شریک ہوں۔ آسٹریلیا کے اخباروں نے تو کمیشن کی رپورٹ کی جانب بہت کچھ توجہ کی ہے لیکن عام طور پر لوگوں نے سواے پادریوں کے بہت کم خیال اسطرف کیا ہے۔ جو کیفیت کہ کمیشن نے واضح کی ہے وہ ہر معمولی باشندہ آسٹریلیا کے نزدیک اتنے عرصہ سے لاپروائی کے ساتھ مسلمہ رہی ہے کہ صرف نہایت ہی خوش اعتقاد اشخاص اِس ناگوار سچ کی باضابطہ اشاعت سے کسی بڑے فائدہ کی امید رکھتے ہیں۔ (اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور مطبوعہ ۱ مئی سنہ ۱۹۰۴ء)

۳۔ انگلستان اور ویلز میں سنہ ۱۹۰۴ء کی پہلی سہ ماہی میں تعداد پیدایش ۲۸٫۵ فی ہزار تھی برخلاف اسکے دس اگلی سہ ماہیوں کی اوسط ۲۹٫۸ فی ہزار تھی۔ بڑے بڑے شہروں میں جیسے کہ لنڈن وغیرہ میں تعداد پیدایش سنہ ۱۹۰۲ء میں ۲۹٫۷ فی ہزار اور سنہ ۱۹۰۲ء میں ۳۰ فی ہزار . . . . . اسکے

اسباب کے متعلق بحث کرنے میں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ سب سے زیادہ مہذب ملک یعنی فرانس نے سب سے پہلے اس برائی کا اظہار کیا اور ہنوز اس بارہ میں سب سے آگے ہے اور وہاں اسکے دفعیہ کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئی ہیں . . . . . اس موقع پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حد سے متجاوز تہذیب کا مقام ہے جہانکہ فیشن اور فضولیات کا تسلط ہے اور مفید اور فائدہ مند امور کے خلاف ورآمد ہو رہا ہے . . . . . یہ ایک مشہور بات ہے کہ انگلستان کے اعلی طبقہ کے لوگوں میں جو کہ طرز پوشاک کی طرح خیالات میں بھی رہنمائی کرتے ہیں مستورات ماں بننا اچھی نظر سے نہیں دیکھتیں اور سمجھتی ہیں کہ یہ فعل سوسائٹی کی ہل چل اور خوشیوں میں مخل ہوتا ہے اور مرد باپ بننے کی چنداں خواہش نہیں کرتے اسلئے کہ تفکرات زیادہ ہو جاتے ہیں اور بزرگ خاندان ہونیکا انہیں فیشن ایبل طعنہ دیا جاتا ہے . . . . . . یہ کوئی کم بات نہیں ہے کہ آج کل کی نئی وضع کی عورت جو کہ مرد کی ہر امر میں ہمسری کرنے والی ہے اور جسے کہ اس زمانہ کی اعلیٰ ترین تہذیب کا ماحصل کہنا چاہیے - اپنی دوسری بہنوں کی بہ نسبت موثر طور پر خانگی دلچسپیوں سے اپنے تئیں علیحدہ کرتی جاتی ہے اور ماں بننے کے مقابلہ میں اپنے آپکو عقیم بنا رہی ہے - ساتھ ہی اس امر سے بھی چشم پوشی کی جاتی ہے کہ اوسط درجہ کی تعلیم یافتہ عورت جو بلحاظ امورات دنیاوی کے لئے نہ سہی لیکن اپنی معاش پیدا کرنے کے لئے اپنے تئیں خود قابل سمجھتی ہے آزادی پسند ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے نکاح کے لیے بقدر نصف حصہ ترغیب کم ہو جاتی ہے . . . . . . علاوہ بریں مینوشی کا مضر رواج بھی ہے جو کہ کثرت سے سطور پر پایا جاتا ہے کہ اعلیٰ طبقوں میں تو کیمیاوی معلومات کی صورت میں اعصابی تقویت اور رنگ روپ کے برقرار رکھنے کے لئے اسکا استعمال کیا جاتا ہے اور ادنیٰ جماعتوں میں اعلیٰ درجہ کی نشی شراب استعمال کی جاتی ہے -

ان قطعی نتائج سے بہت اچھی طرح ظاہر ہے کہ اعلیٰ تہذیب اور نیز عام طور پر اعلیٰ تعلیم کے حاصل کرنے میں ضرر اور نقصان بھی ساتھ ہو سکتے ہیں لیکن اسکے دفعیہ کے لئے شاید گورنمنٹ روما کے اُس طریقہ کے سوائے جسکے ذریعہ سے عیش و عشرت اور اُس طرز معاشرت کی خلاف جوکہ حکومت کیلئے مضر ثابت ہو سرکاری طور پر عمل در آمد کیا جائے اور کوئی علاج معلوم نہیں ہوتا - عوام الناس کی خود اپنی اچھی سمجھ اس قابل نہیں سمجھی جاسکتی کہ وہ اِسے رفع کر سکے . . . . . . اِسوقت تک تو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ تعلیم نے اپنے حاصل کرنے والے کی (اخلاقی معاملات میں) راہ مستقیم کی طرف رہنمائی کی ہو (اخبار ابزرور لاہور مورخہ ۲ جولائی سنہ ۱۹۰۴ء)

۴ - ابھی حال میں جو گورنمنٹ متحدہ برطانیہ میں قلت پیدائش کی کیفیت معلوم ہوئی ہے اسکے متعلق ڈاکٹر بوئیڈ کارپنٹر بشپ آف رپن نے شہر لیڈز کے البرٹ ہال میں ایک عجیب و موثر تقریر کی . ڈاکٹر صاحب موصوف نے کہا کہ ان بیقاعدہ تعلقات سے جوکہ مذہبًا ناجایز ہیں وہ خوفناک نیٖں ایسی شادیاں زیادہ تر ہیبتناک ہیں جن میں کہ متاہل زندگی کے عمر سے پہلے تھی کی جاتی ہے شادی محض ظاہر داری اور دکھادینے کی غرض سے ہوتی ہے جس سے یہ منشا ہوتا ہے کہ بلا روک ٹوک خواہش نفسانی کو مطلق العنانی کا موقع دیا جائے اور جسے پاس محبت پر مبنی نہیں ہوتی - یہ ایک ایسا مسلہ ہے جسکا کہ کل سوسائٹی پر اثر پڑیگا - یورپ کی ہر قوم میں تعداد پیدائش کم ہوتی جاتی ہے اسکینڈنیویا میں گذشتہ بیس سال میں چار فیصدی کمی واقع ہوئی - فرانس میں ۱۴ فیصدی انگلستان و ویلز میں باستثنائے اسکوٹلینڈ و آئرلینڈ ۱۷ فیصدی اور آسٹریلیا میں ۲۰ فیصدی صرف لنڈن میں باوجودیکہ شادیاں زائد ہوتی ہیں تعداد پیدائش کم ہوتی جاتی ہے اور تخمینہ کیا گیا ہے کہ فی ہفتہ پانچ سو بچوں سے قوم محروم ہو رہی ہے - یہ خرابی سب سے زیادہ امرا و مرفہ الحال اشخاص میں ہے (اخبار اسٹیٹسمین کلکتہ مورخہ ۱۵ مئی سنہ ۱۹۰۴ء)

۵ - بشپ آف رپن کا مندرجۂ بالا لکچر اسوقت اور بھی زیادہ باا ثر ہے اسلئے کہ نیو سوتھ ویلز (آسٹریلیا) کی رائل کمیشن کی افسوسناک رپورٹ کے شائع ہوتے ہی یہ دیا گیا ہے اور نیز اُس مضمون کے بعد جو کہ ڈاکٹر ٹیلر پروفیسر برمنگھم یونیورسٹی نے بتاریخ ۱۱ فروری ۱۹۰۵ء پڑھا تھا - نیو سوتھ ویلز کی کمیشن کا یہ تکلیف دہ فرض تھا کہ اُس نے اہل آسٹریلیا کو بمقابلہ دیگر ممالک کے اپنے ملک کی قابل لحاظ قلت پیدایش کے اسباب اور نتایج سے آگاہ کیا؛ ڈاکٹر ٹیلر سائنس کے بڑے ماہر اور قابل سند اُستاد ہیں جنکی شہرت تمام یورپ میں ہے بشپ آف رپن نے جو چند واقعات بیان کئے ہیں اُن سے صاف عیاں ہے کہ اُن پر ڈاکٹر ٹیلر کے مضمون کا بہت زیادہ اثر ہوا ہے جیسا کہ بہت سے دیگر سمجھدار انگریز بھی اس سے متاثر ہوے ہیں - یہ مضمون اخبار مڈیکل پریس نمبر ۳۳۸۲ و ۳۳۸۳ میں شائع ہوا ہے جو تازہ اور چونکا دینے والے واقعات ڈاکٹر ٹیلر کی تحقیقات سے ظاہر ہوتے ہیں ان میں ایک وہ جسمانی و اخلاقی خراب و اندوہناک اثر ہے جو کہ والدین اور اولاد پر بچوں کی تعداد کے محدود کرنے سے ہوتا ہے - اس شہادت کی اہمیت بیحد زیادہ ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سائنس بھی اس بارہ میں اخلاق کا ہمدم و موید ہے - نیو سوتھ ویلز کی کمیشن نے جو حساب لگایا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک پشت میں کمی پیدایش کی وجہ سے آسٹریلیا دس لاکھ باشندوں سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے . . . . . . ایک ضروری امر کا ڈاکٹر ٹیلر نے ذکر نہیں کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے زمانہ میں اپنا سکہ جمایا ہی وہ اکثر کثیر الاولاد خاندانوں سے ہوئے ہیں - نظیر کے طور پر ہم نلسن اور نپولین کو پیش کر سکتے ہیں - اول الذکر گیارہ اور آخر الذکر تیرہ بہن بھائیوں میں سے ایک تھا . . . بحیثیت ڈاکٹر ہونیکے ٹیلر صاحب کی راے ہے کہ کمی اولاد کے یہ معنی ہیں کہ والدین کی صحت پر اسکا بہت خراب

اثر پڑتا ہے اور خاصکر والدہ کی صحت پر اور مرد و زن دونوں کے اخلاق بگڑتے ہیں، اور نیز انکی اولاد کے . . . . . وہ کہتے ہیں کہ "مجھے کئی سال کے تجربہ کے بعد یقین کلی ہو گیا ہے کہ اس سے ناگہانی خطرہ یا امراض کہنہ لاحق ہوتے ہیں"۔

کہا جاتا ہے کہ قلت پیدایش ترقی تہذیب کا ثبوت ہے چونکہ اگر کم بچے پیدا ہوں تو وہ زیادہ قوی اور تندرست ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر ٹیلر اس امر سے انکار کرتے ہیں کہ ایسے بچے بہتر یا زیادہ تندرست ہوتے ہیں۔ تعداد جرائم کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کم عمر مجرموں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے جو کہ اس زمانہ کے بعد پیدا ہوئے ہیں جبکہ کمی پیدایش قطعی طور پر آشکارا ہوئی۔ وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ انگلستان میں مجرموں کی تعداد نسبتاً ان تمام شہروں سے زائد ہے جنکے کہ حالات معلوم ہو سکتے ہیں . . . . . ڈاکٹر موصوف یہ بھی دکھلاتے ہیں کہ سنہ ۱۸۶۰ء میں پاگلوں کی تعداد انگلستان میں فی دس ہزار اشخاص میں ۴۲ تھی اور سنہ ۱۹۰۳ء میں ۴۳ ہو گئی ہے اور یہ زیادتی ادھر چند سال سے خاص طور پر تیزی کے ساتھ بڑھتی گئی ہے جب سے کہ پیدایش میں کمی واقع ہوئی ہے۔ شراب خواری کے اعداد بھی خوفناک نتایج کی تصدیق کرتے ہیں۔

نوجوانوں کی دماغی قابلیت میں بھی کوئی اچھی علامت نہیں پائی جاتی۔ برمنگھم کی علمی اور صنعتی درسگاہوں کے ممبروں میں گذشتہ بیس سال کے عرصہ میں سات فی صدی کمی ظاہر ہوئی ہے۔ پروفیسر کارل پیرسن جنکا نام کہ عزت کے ساتھ لیا جاتا ہے کہتے ہیں کہ قوم میں فہم و فراست کی عدم موجودگی ظاہر ہو رہی ہے اور اسکا باعث یہ ہے کہ قوم کا وہ حصہ جسکی دماغی حالت بہتر ہے اس حساب سے جیسا کہ زمانہ قدیم میں ہوتا تھا ہوشیار بچے پیدا نہیں کرسکتا۔ اس سے ثابت ہے کہ کوئی ایسی علامت نہیں ہے جس سے معلوم

ہو کہ کمی اولاد کی وجہ سے بہتر اور زیادہ تندرست بچے پیدا ہوتے ہیں۔ قوم کے لئے آخری نتایج ہر طرح دہشت انگیز ہیں۔ . . . . فرانس میں اُسکی ساکن آبادی کی وجہ سے جرائم و جنون اور شراب‌خواری میں زیادتی ہوئی ہے اور اخلاق اور طاقت میں کمی سنہ ۱۸۸۹ء اور سنہ ۱۸۹۶ء کے درمیان فرانس میں مردم کشی کے مشتبہ جرائم ۱۵۶ سے ۱۸۹ ہو گئے قتل عمد کے ۱۹۵ سے ۲۱۸ - اور زنا کے ۵۳۹ سے ۶۵۱ تک بڑھ گئے - گذشتہ پچاس سال میں جرائم سہ گونہ زائد ہو گئے ہیں۔

٭ مندرجہ بالا حیرت انگیز نتایج اُن واقعات کے ہیں جو کہ آج کل انگلستان اور آسٹریلیا میں پیش آرہے ہیں۔ نیو سوتھ ویلز کی کمیشن کی رپورٹ جو کہ ڈاکٹر ٹیلر کی تقریر کے بعد شائع ہوئی تھی ڈاکٹر صاحب موصوف کے ہر لفظ اور سطر کی تصدیق کرتی ہے اخبار انڈین مرر کلکتہ مورخہ ۲۹ مئی سنہ ۱۹۰۴ء

ماخوذ از اخبار ڈیلی میل لنڈن)

۲ - یہ امید کرنا فضول ہے کہ اگر مذہبی احکام کا اُسقدر وسیع اثر عوام الناس پر نہیں ہے جتنا کہ کبھی پہلے تھا تو اسکا قابل لحاظ اثر اخلاق پر نہ ہوگا . . . قلت پیدایش کو ماں بننے کی بیقدری اور ازدواج کو ناپاک بنانے سے بہت گہرا تعلق ہے۔ یہ دونوں آخر الذکر امور انگلستان میں دکھلائی دیتی ہیں اور اس سے بھی زیادہ بعض انگریزی نوآبادیوں میں۔ ہمارا یقین ہے کہ مذہبی احساس کا تنزل سراسر انکا باعث ہے۔ اگر کنیڈا کی فرانسیسی نسل کے باشندے کثیر الاولاد ہیں اور اُسی ملک کے انگریزی النسل لوگوں کی آبادی میں سکون کی نشانات پائی جاتی ہیں تو ہمیں خوف ہے کہ اسکا باعث یہ واقعہ ہوگا کہ کم از کم کنیڈا میں فرقہ رومن کیتھولک کا اور جو کچھ عیوب اُسمیں ہوں اپنے پیرؤں پر دوسرے مذہب کی بہ نسبت زیادہ قبضہ و اختیار رکھتا ہے۔ (اخبار اسٹیٹسمین کلکتہ مورخہ ۳ جنوری سنہ ۱۹۰۴ء ماخوذ از اخبار گارڈین)

۳ - برٹنگ ایسوسی ایشن کے ایک حال کے جلسہ میں مسٹر سی۔ ایس۔ ڈیواس نے انگریزی تعداد پیدایش میں تنزل کی اہمیت پر بحث کی۔ اُنہوں نے کہا کہ گو انگلستان کی آبادی میں بہت زیادتی ہوئی ہے جیسا کہ حال کی مردم شماری سے ظاہر ہے لیکن قدرتی ازدیاد یعنی بمقابلہ اموات کے

پیدایش کی افزونی ہلکی ہوگئی ہے اور اسکا پورا سبب تعداد پیدایش میں اہم کمی ہے - یہ کمی مستقل طور
پر قائم ہے باوجودیکہ شادیوں کی تعداد میں بیشی ہے جسکے یہ معنی ہیں کہ خاندانوں کے ممبروں کی تعداد
میں مستقل تنزل ہے - فرانس موجودہ زمانہ کا ایک عظیم الشان نمونہ اس قسم کے تنزل اور بانجھ خاندان
کا ہے - لیکن اُنیسویں صدی عیسوی کے اخیر حصہ میں ممالک متحدہ امریکہ معہ کینیڈا کے صوبہ اونٹیریو میں
اور اسی صدی کے گذشتہ دس سال کے زمانہ میں آسٹریلیا اور نیوزیلینڈ میں بھی اس قسم کی قلت
پیدایش ظاہر ہوئی ہے - اس قسم کے عجیب وغریب واقعات کا سبب دریافت کرنے میں ہمکو
زمانہ قدیم کی دو نمایاں مثالوں سے امداد ملسکتی ہے ایک تو یونان کی حالت جو دو سال قبل از مسیح علیہ السلام
کے تھی جسکی مفصل کیفیت پولیبیس نے بیان کی ہے اور اپنی راے اسکے اسباب و علاج
کی نسبت ظاہر کی ہے اور ایک روما کی نظیر ہے جبکہ عقیم اس قدر توجہ طلب مسئلہ بنگیا تھا کہ آگسٹس نے
تہذیب کے تمام بل اُسکے کم کرنے کے لیے استعمال کئے لیکن بیکار - جنہوں ملکوں یعنی یونان،
روما فرانس - امریکہ - آسٹریلیشیا اور انگلستان میں جنکے حالات سے ہمیں بہت زیادہ
واقفیت ہے اور جو کہ بہت سی باتوں میں باہم اسقدر مختلف ہیں عقائد مذہبی کا تنزل کمی تعداد
پیدایش کا پیش خیمہ رہا ہے - اِن دونوں امور میں جو تعلق ہے اِسکی تائید اس دلیل سے ہوتی
ہے کہ مرد و عورت تاہل کے تفکرات سے جان چھڑا ئینگے اگر متاہل زندگانی کے لئے مذہبی وجود
موجود نہ ہوں اور پیمانہ آسایش و راحت اعلیٰ ہو . . . . . . فرانس میں عقم کے اسباب پر پولیبیس
کے طریقہ پر اخبار ٹائمز کے نامہ نگار نے حال میں بحث کی ہے - ممکن ہے کہ مثل آئرلینڈ کے کمی
پیدایش کے خاص اسباب ہوں جن سے کہ مذہب سے تعلق نہ ہو لیکن نتیجہ صریح تو یہی ہے
کہ مہذب قوموں میں مستقل عقم کے واسطے لامذہبی مقدم ہے . . . . . . مسٹر ڈیواس کے
مضمون میں کمی پیدایش کے نتایج سے بحث نہیں کی گئی بلکہ صرف اُسکے اسباب اور مذہبی پہلو

براوران واقعات کے متعلق کہ یہ مسئلہ امریکہ اور آسٹریلیشیا میں فوراً غور طلب ہے اور انگلستان میں عنقریب اسپر غور کرنے کی ضرورت ہوگی (اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور مورخہ ۱۳ - اکتوبر ۱۹۰۱ء)

۸ — نہایت ضروری ہے کہ منکوحہ مستورات کارخانوں میں کام نہ کریں - یہ مرد کا پہلا فرض ہے کہ کام کرے اور روزی کمانے والا ہو - اسیطرح عورت کا مقدم فرض یہ ہے کہ بچوں کی ماں اور گھر کی بی بی بنے - تمام مسائل محصول درآمد و برآمد اشیائے تجارت اور ملک کی مالی حالت کے متعلق مطلقاً ہیچ ہو جاتے ہیں جبکہ اُس کوشش کی لابدی اہمیت سے اُن کا مقابلہ کیا جائے جو کہ صورت حال کے اسطور پر درست کرنے میں کی جاے کہ مرد و عورت کے متذکرہ بالا دو فرائض معقولیت کے ساتھ سرانجام پا سکیں - اگر کسی قوم میں کثرت سے بچے نہیں پیدا ہوتے اگر پیدا بھی ہوتے ہیں تو بڑھتے نہیں اور بڑھتے بھی ہیں تو ناتندرست اور ٹھنڈے ہوئے یا دل کے ناپاک اور غلیظ تو اِن صورتوں میں وہ قوم رو بہ تنزل ہے اور کتنی ہی دولت جمع کیوں نہ کیجائے کیسی ہی رونق مادی خوشحالی کی تھوڑے عرصہ کے لیئے کیوں نہ ہو تاہم یہ باتیں کسیطرح بطور معاوضہ یا بدرقہ کے نہیں سمجھی جا سکتیں اور بیکار ہیں - (پریزیڈنٹ روسولٹ کی تحریر امریکہ کی کانگریس کو از اخبار اسٹیٹسمین کلکتہ مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۰۴ء)

۹ - گورمنٹ نیکسیکو نے ابھی ایک بہت بڑا کام شروع کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ غیر محدود تعدد ازدواج روکا جائے اور عیسائی طریقہ تاہل کو ترقی دی جائے - بہت سے اشخاص کو تعجب ہوگا کہ اس قسم کے حالات ایسے ملک میں پائے جائیں جو کہ عیسائی ہو اور جہانکہ پادریوں کی کوششیں بھی متواتر اسی بارہ میں ہوتی ہوں - تاہم اس جمہوری حکومت کے بہت سے حصوں میں اُن قواعد کی کوئی پابندی نہیں ہوتی جو کہ ایک سے زیادہ شادی کرنے کے

متعلق ہیں اور بعض اضلاع میں تو رسم نکاح کا وجود ہی نہیں ہے - کچھ عرصہ ہوا کہ ملک کی چھوٹی چھوٹی بستیوں میں حکام نے خانگی تعلقات کی تحقیقات کی ابتدا کی اور اسوقت سے جو کیفیت کہ انکو معلوم ہوئی ہے وہ ہیبتناک ہے - حال میں مردم شماری کے موقع پر خصوصیت کے ساتھ بہت سے ایسے واقعات دریافت ہوئے کہ پہاڑی حصوں کے باشندے زیادہ تر جانوروں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے بعض اضلاع میں سالہا سال سے حقیقتاً کوئی نکاح نہیں ہوا حتی کہ جنوبی جیہوا میں ایک بستی ایسی بھی ملی جہانکہ بارہ خاندانوں میں جو کہ اسکی کل آبادی تھی قدیم ترین پشت سے اب تک نکاح ہوا ہی نہ تھا - تحقیقات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرابت کا بھی مطلق لحاظ نہیں کیا گیا تھا اور اس درجہ تک خاندانوں میں آپسمیں تعلقات ہوئے تھے کہ لوگوں میں ابتری اور تنزل کی نمایاں علامتیں پائی جاتی تھیں . . . .
پریزیڈنٹ ڈیاز نے جو اس جمہوری سلطنت کے فرمانروا ہیں مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ اس تجویز اصلاح کو جسکی کہ ابتدا ہو چکی ہے کامیابی کی حد تک پہونچائیں - حکام نے کثرت سے لوگوں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا ہے اور جبراً شادیاں کرائی جا رہی ہیں چند ہفتے ہوئے کہ ایک بڑی بستی پر بھی حملہ کیا گیا اور تب سے اب تک کم از کم پچاس نکاح ہوئے ہیں اس طریقہ سے اس ضروری اصلاح پر آخر ش عمل درآمد ہو رہا ہے - (اخبار محمڈن مدراس مورخہ ۱۰ جون سنہ ۱۹۰۱ء)

۱۰ - سوائے ڈاکٹروں کے بہت کم اشخاص اس امر سے واقف ہیں کہ مجرمانہ اسقاط حمل نے انیسویں صدی عیسوی میں کسقدر بے انتہا ترقی کی ہے - غور کرنے والے ڈاکٹروں کے نزدیک یہ ایک مسلمہ واقعہ ہے کہ یہ جرم ہیبتناک سرعت کے ساتھ زیادہ ہو رہا ہے اور قرار واقعی اس حد تک پہونچ گیا ہے کہ مہذب قوموں کی بالیدگی پر اسکا اہم اثر پڑیگا حتی کہ ان کا

وجود تک معرض خطر میں آجائیگا۔

ایک مشہور طبی مصنف لکھتا ہے کہ "جس کثرت کے ساتھ اس طریقہ سے جان ضائع کیجاتی ہے وہ بہ نسبت تمام دیگر طرق ہلاک کے کم از کم پچاس فیصدی زیادہ ہے اور ہزار میں ایک سے زیادہ اس جرم کا مرتکب ملکی قانون کے ہاتھوں کسی قسم کی سزا نہیں پاتا"۔

مصنف "قوانین صحت" رقمطراز ہے :- "اُس کثیر زبانی و تحریری واقفیت کے ذریعہ سے جو ممالک متحدہ امریکہ کے متعلق مجھے حاصل ہے مجھے پورا اطمینان ویقین ہے کہ ہماری قوم قاتلوں اور جلادوں کی قوم ہے"

اسیطرح بروکلن کے ایک نامی پادری نے ایک وعظ میں کہا :- "ہندوستان کو مبلغان مذہب عیسوی کیوں بھیجتے ہو جبکہ بچے یہاں روزانہ بلکہ ہر ساعت قتل کئے جاتے ہیں - یہی نہیں بلکہ جس زنانہ ہاتھ نے کہ خیرات کے بکس میں آج یا کل یا ایک مہینہ ہوا کہ روپیہ ڈالا ہے یا کل ڈالیگا وہی اُس بچہ کی جان لیگا جو کہ ابھی پیدا نہیں ہوا ہے"

اسمیں از حد شبہ ہے کہ اس عظیم بُرائی کی کبھی بیخ کنی ہوسکتی ہے یا نہیں اس مرض کے علاج کا یہی طریقہ ہے کہ موجودہ حیوانی شہوت پرستوں کو شایستہ و مہذب عیسائی بنایا جائے عورت کو فیشن کی فریب دہ اور لبھانے والی غلامی سے نجات دی جائے - زندگی اور اُسکے فرائض کے متعلق غلط خیالات کی بیخ کنی کی جائے - مختصر یہ کہ سوسائٹی کی پوری کایا پلٹ کی جائے اور اُسمیں انقلاب عظیم و تغیر و تبدل پیدا کیا جائے - . . . .

یہ بُرائی نہایت پختہ اور روز بروز ترقی پذیر ہے (ہوم ہینڈ بک آف ڈومیسٹک ہائیجین مصنفہ ڈاکٹر جے ایچ کیلوگ - صفحات ۳۵۶ و ۳۵۷)

۱۱ - یہ عورت کے انتقام لینے کا زمانہ ہے اور ظاہر اوہ انتقام لے بھی رہی ہے لیکن

نتیجہ یہ ہے کہ خود اُسکی حالت خراب وخستہ ہو اخلاقی معاملات میں حد اعتدال سے بڑھ گئی ہے - یورپ میں مستورات اپنی پوری حد کو پہونچ گئی ہیں اور امریکہ میں روبہ تنزل ہیں - امریکہ کی عورتیں جو کہ موجودہ حالات کی وجہ سے خشک ہوتی جاتی ہے صنف ظاہری علامتیں اور طریقے نسائیت کے ہیں جو سرخی وسفیدی وعمدگی صحت کہ ہوتی جاتی ہے کم ہو گئی ہے انہیں اُن نسائی صفتوں کا صرف سایہ ہی باقی ہے جنہیں کہ ہو نام مستورات سے کالعدم ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں اور بس شے سے کہ وہ اوصاف پیدا ہوتے ہیں وہ اصل جوہر ہی اُسمیں نہیں رہا . . . . . عورتوں کو مردوں پر فوقیت دینے کے اصول کا یہ انجام ہوا ہے کہ عورت کے ماں بننے کے قوانین شکست ہو گئے - اولاد جننے سے جان چورانا لازم آیا اور عورتوں کے حقوق اور اعلیٰ نسائیت کے نفوذ واجرا کے ساتھ یہ امر برابر قائم رہے گا واقعات سے یہ بات ایسی اچھی طرح ثابت ہو چکی ہے کہ اب اسمیں شک وشبہ کی گنجائش نہیں . . . . . (مسٹر ایچ - بی - میریٹ واٹسن کا مضمون نائینٹینتھ سنچری میں - ماخوذ از اخبار محمڈن مدراس مورخہ ۷ نومبر ۱۹۰۴ء)

۱۲ - ہماری لڑکیوں کا گھروں میں خدمتگاری کے کاروبار میں مشغول رہنا بہتر اور کارخانوں کے کاروبار سرانجام دینے کی بہ نسبت کم خطرناک ہے جہانکہ اُنکی عفت کے دامن پر ایسا دھبہ لگتا ہے جو عمر بھر کے لئے اُن کی زندگی کی رونق کو برباد کر دیتا ہے - کاش ہمارے ملک مسلمانوں کے ملکوں کی مانند ہوتے جہاں حشمت اور وقار اور عفت اور پاکیزگی اور پاک دامنی پائی جاتی ہے - خدمتگارنیاں اور لونڈیاں نہایت آرام کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہیں اور مثل گھر کی اولاد کی اُن کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے - اُنکی عزت پر بری نظر نہیں ڈالی جاتی - بیشک یہ بات انگلستان کے لئے باعث عار ہے کہ اسکی لڑکیاں نالائق خصلتوں اور مردوں کے

ساتھ ہیل جواں میں ضرب المثل ہوں۔ ہم کیوں اس بات کی کوشش نہیں کرتے کہ لڑکی صرف وہی کام انجام دے جو اُسکی طبعی فطرت کے موافق ہے اور مردوں کے کام اُنہیں کے لئے چھوڑ دے اور اپنی آبرو کو محفوظ رکھے (مس اپنی روڈ مشہور انشا پرداز کا مضمون اخبار الیسٹرن ہیل ہیں)۔

مرد عورتوں کے ساتھ اختلاط کی طرف مالوف ہیں اسی وجہ سے عورت کو اُن کاموں کی جرأت پیدا ہوئی ہے جو اُسکی فطرت کے مخالف ہیں اور جسقدر اختلاط بڑھتا جاتا ہے اُسیقدر غیر شرعی اولاد کی کثرت ہوتی جاتی ہے۔ عورت کو سخت مصیبت کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے کیونکہ جس مرد سے وہ حاملہ ہوتی ہے وہ اُسکو چھوڑ دیتا ہے اور اُسکو فقر وفاقہ کی تکلیفیں اور ذلت و رسوائی کی مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں بلکہ بعض اوقات اُس کا انجام موت ہوتا ہے فاقہ کی یہ وجہ ہے کہ حمل اور اُسکے عوارض کی وجہ سے وہ کام کرنے سے معذور رہتی ہے جسکے ذریعہ سے اپنی قوت حاصل کرتی۔ ذلت و رسوائی اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ اکثر عورتیں خودکشی کرلیتی ہیں۔ مرد کو اِن میں سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی ہے۔ اِن تمام باتوں کے علاوہ سارا الزام اور تمام جوابدہی عورت ہی کے ذمہ ہوتی ہے حالانکہ اختلاط کا سبب زیادہ تر مرد ہے۔ کیا وہ وقت نہیں آیا کہ ہم اُن وسائل کی نسبت بحث کریں جو اُس مصیبت میں کسیقدر کمی کرنے والے ہوں جو مغربی تہذیب کے لئے ایک بدنما دھبہ ہے۔؟ کیا وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ہم ایسے طریقے اختیار کریں کہ لاکھوں بیگناہ بچے قتل ہونے سے محفوظ رہیں؟ اس کا گناہ صرف مرد کے ذمہ ہے جو عورت کو اغوا کرتا ہے اور وہ بوجہ اپنے رقیق القلب ہونے کے مرد کے وعدوں کا یقین کرلیتی ہے اور جب وہ اپنی ضرورت رفع کرلیتا ہے تو اُسکو چھوڑ دیتا ہے اور وہ سخت عذاب کی مصیبت میں

مبتلا ہوتی ہے۔

اے لوگو! تم چند آنوں کے فریب میں مت آؤ جو تمہاری لڑکیاں کارخانوں میں کام کر کے حاصل کرتی ہیں۔ اُن کا انجام وہی ہوتا ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ اُنکو مردوں سے الگ رہنے کی تعلیم دو۔ اُن کو اُن فریبوں کے انجام سے خبردار کرو جو مخفی طور پر اُن کی تاک میں لگے ہوئے ہیں۔ مردم شماری سے ثابت ہوتا ہے کہ ولد الزناؤں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے کیونکہ عورتوں کا اختلاط مردوں کے ساتھ ترقی کرتا جاتا ہے۔ کیا تمنے نہیں دیکھا کہ اکثر حرامی اولاد کی مائیں وہی عورتیں ہیں جو کارخانوں میں کام کرتی یا گھروں میں خدمتگاری کے کاروبار انجام دیتی ہیں اور نیز اکثر اعلیٰ سوسائٹی کی وہ عورتیں ہیں جنپر مردوں کی نگاہیں زیادہ تر پڑتی ہیں؟ اگر ایسے ڈاکٹر موجود نہ ہوتے جو اسقاط کی دوائیں دیتے ہیں تو اولاد زنا کی تعداد موجودہ حالت سے کہیں زیادہ ہوتی۔ ہماری دناءت اور کمینہ پن کی حالت اس حد تک ترقی کر گئی ہے جسکا امکان خیال میں بھی نہ آسکتا تھا۔ حتیٰ کہ ہمارے ملک کے بعض حصص کے مرد کسی لڑکی کو اپنی زوجہ بنانا منظور نہیں کرتے جب تک کہ اُسکا تجربہ نہو چکا ہو یعنی اُسکے پاس کوئی زنا کی اولاد نہ ہو جسکے ساتھ وہ اپنا دل بہلائیں۔ یہ سوسائٹی کی حالت کا انتہائی تنزل ہے۔ (لیڈی گک کا مضموں اخبار ایکو میں۔ مس رو ڈ اور لیڈی گک کے مضامین کا اقتباس عربی اخبار المنار مطبوعہ قاہرہ میں شائع ہوا تھا جس کا ترجمہ اخبار علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں چھپا اور اُسکی نقل اخبار چودھویں صدی راولپنڈی مورخہ یکم اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی تھی)۔

۱۳ - ہم لوگوں میں جو کچھ حرکتیں ہو رہی ہیں وہ ایسی ہیں جنہیں کہ پیرس کی طرح شہر بھی روا نرکھہ سکیگا۔ ہم میں ایسے شوہر موجود ہیں جو بلاشبہ جانتے ہیں کہ اُنکی بیبیاں دوسری وضع کی زندگی

بسر کرتی ہیں لیکن وہ صنف نساء نے ہلاکر خاموش ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ رسم ازدواج
میں بھی کسقدر سہولت و آسانی ہے کہ اُسکے ذریعہ سے فریقین یعنی زن وشوہر اسقدر آزاد رہ سکتے ہیں
ان دونوں کے احباب اصل حقیقت سے واقف ہوتے ہیں۔ اُن کے شناساؤں کی
مختصر دنیا کل حالت کو جانتی ہے اور دونوں کی بے عزتی و رسوائی کو "عمدہ سمجھہ" کے نام سے موسوم
کرتی ہے۔ لیکن اگر یہ کیفیت عام ہو جائے تو قوم کا خدا مالک ہے کیونکہ قومی زندگی کی
بنا خانگی زندگی کا بے عیب و صحیح ہونا ہے۔ اگر مکان ہی کی ساخت بوسیدہ اور کھوٹی
ہو تو وہ وقت دور نہو گا کہ پوری عمارت ڈگمگائے اور بھربھرا کر نیچے آرہے۔ اُس حالت میں
اگر اُسے سربلند کرنا ہے تو ضرور ہو گا کہ سرے سے بالکل نئی بنیاد ڈالی جائے۔ لیکن جسطرح
کہ یہ مصیبت قریب اور جلد نازل ہونے والی ہے اسیطرح علاج بھی پاس ہی ہے یعنی ہماری
قوم کی بیبیوں اور بیٹیوں کے ہاتھہ میں (مسٹر ای۔ ایف بنسن مصنف ڈوڈو کا مضمون ستمبر ۱۹۰۴ء
کے فورٹنائیٹلی ریویو میں)۔

۱۴۔ نکاح کا عام قاعدہ اور طبقۂ اُمرا میں کبھی کبھی تعدد ازدواج کا ہونا اس امر کے اسباب ہیں
کہ ممالک اسلامی میں اُن خراب پیشہ مستورات کا مطلق وجود نہیں ہے جو کہ ایسی نفرت انگیز
کثیر تعداد میں لنڈن۔ پیرس۔ دینا اور سنیٹ پیٹرسبرگ کی سڑکوں پر دکھلائی دیتی ہیں پادری
اسحاق ٹیلر نے جو اعلیٰ درجہ کا مذہبی عہدہ دار ہے ایک مذہبی کانگرس کے روبرو بمقام ولوز ہیمپٹن
۷۔ اکتوبر ۱۸۸۷ء کو مندرجۂ ذیل خیالات ظاہر کئے تھے؛

"پیغمبر آخر الزمان (محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم) نے غیر محدود اختیار تعدد ازدواج کو
محدود کر دیا اور یہ رسم زیادہ تر بہ مہذب اسلامی ملکوں۔ یوروپین حصہ ٹرکی۔ الجیریا اور مصر
میں بجائے عام قاعدہ کے مستثنیات میں سے ہے۔ تعدد ازدواج میں باوجود برائیوں کے

اُتنے ہی فوائد بھی ہیں اُسکی وجہ سے دختر کشی موقوف ہوگئی اور ہر عورت کو اسکی بدولت ایک قانونی محافظ ملتا ہے۔ اسلامی ممالک خراب پیشہ کی عورتوں سے پاک ہیں جنکا وجود عیسائی ملکوں کے لئے بہ نسبت اسلامی تعدد ازدواج کے زیادہ تر قابل الزام ہے۔ یہ نہایت باقاعدہ اسلامی رسم عورتوں کے لئے کہیں کم باعث ذلت اور مردوں کے واسطے کہیں کم مضر ہے بمقابلہ بلا امتیاز ایک عورت کے کئے مردوں سے تعلق رکھنے کے جو کہ عیسائی شہروں میں مثل وبا کے ہے اور مسلمانوں میں مطلقاً ہے ہی نہیں۔ اہل انگلستان کو جن میں کہ عورتیں ایک سے زیادہ مرد سے تعلق رکھتی ہیں کوئی حق نہیں ہے کہ ایک سے زیادہ عورت سے شادی کرنے والے مسلمانوں پر طعنہ زن ہوں۔ ہمیں چاہیئے کہ اپنی آنکھ کا شہتیر نکال ڈالیں اس سے پہلے کہ کسی دوسرے کی آنکھ کے تنکے پر نظر کریں" (اخبار انڈین مرر کلکتہ مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۰۴ء لکچر ڈاکٹر نشی کانت صاحب جنکا اسلامی نام عزیز الدین ہے)

۱۵۔ بنی آدم میں ایک سے زیادہ عورتوں سے تعلق رکھنا درحقیقت کثرت سے رائج ہے اُن لوگوں میں بھی جو کہ اعلیٰ تہذیب یافتہ ہیں اور ایک ہی نکاح کرنے کی رسم کی پابندی کا فخر کرتے ہیں۔

قرون متوسطا اور اُس زمانہ کے پادریوں سے قطع نظر کرکے اگر ہم مہذب و شایستہ تریں یوروپین سوسائٹیوں پر نظر ڈالیں تو دیکھتے ہیں۔ . . . کہ منکوحہ بی بی کے علاوہ دوسری عورتوں سے ناجائز تعلقات خوب ترقی پر ہیں۔ صدیوں کی قانونی اور مذہبی پابندی اس ناجائز طریقہ کی بیخ کنی میں کامیاب نہیں ہوئی اور ایک وقت میں ایک ہی بی بی کرنے کے سخت قاعدہ کی خلاف ورزی ہمارے رسم و رواج کی وجہ سے عمل درآمد ہوتا ہے تقریباً ہر جگہ ولد الزنا بچوں کی تعداد زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ فرانس میں یہ برابر بڑھ رہی ہے . . . .

لیکن رواج نے قانون کی عدول حکمی و مخالفت کی ہے اور ایک ہی بی بی کرنے کا قاعدہ بجائے قرار واقعی موجود ہونے کے صرف ظاہر داری کے لئے ہے۔ جو لوگ شائستگی میں کمترین درجہ رکھتے ہیں اُن میں عورتوں کا خراب پیشہ کرنا اور اسکے علاوہ دوسرے لوگوں میں حرامکاری اور مرد و عورت کے بلا قید نکاح بطور زن و شوہر رہنے نے اُن خواہشات کے مقابلہ میں جو اسقدر گہری اور تند ہیں کہ قانونی احکام اُنہیں نہیں روک سکتے کسی دُخانی کل کے اس حفاظتی پرزہ کا کام دیا ہے جسکے ذریعہ سے فاضل بھاپ خارج ہو جاتی ہے۔ لیکن کیا اسکے ذریعہ سے اخلاقی صفائی حاصل ہوئی ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ایک معقول آبادی حرامی بچوں کی پیدا ہوتی جاتی ہے جنہیں کہ اکثر اُنکے باپ چھوڑ دیتے ہیں اور جنپر اس قسم کی پیدائش کی وجہ سے نہایت بے انصافانہ قانونی مذلت کا داغ لگا رہتا ہے .... اسمیں شک نہیں کہ ایک ہی بی بی پر اکتفا کرنے کا اعلیٰ خیال نہایت اچھی بات ہے لیکن یہ حماقت ہے کہ ایک خیالی امر کے پیچھے اصل حقیقت کا خون کیا جائے اور انسانی خاصہ کی ضروریات کا لحاظ نکر کے کوئی قانون وضع کیا جائے۔

یہ ممکن ہے کہ انسان ادنیٰ ترین وحشیانہ و احمقانہ حالت زندگانی میں بھی ایک وقت میں ایک ہی شادی کرنے کے قاعدہ کا عامل ہو (یعنی جن قوموں میں ایک ہی نکاح کرنے کا رواج ہو تو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ مہذب بھی ہوں) بعض جانوروں کی بھی یہی کیفیت ہے۔ لیکن بنی نوع انسان میں زیادہ تر میل طبعی تعدد ازدواج کی جانب غالب پایا جاتا ہے۔ لہٰذا سوسائٹی کی ترقی ہوتے ہوتے جبکہ آخرش ایک نکاح کا قاعدہ قانوناً و اخلاقاً اختیار کر لیا گیا تو لوگوں نے اسکے تشدد و سختی کو نرم و ہلکا کرنے کے لئے اس امر کی احتیاط رکھی ہے کہ اس رواج کے ساتھ ساتھ بازاری عورتوں کا سلسلہ اور نیز دیگر مستورات کے ساتھ ناجائز

تعلقات کا قاعدہ قائم ہے۔ (ماخوذ از کتاب "دی ایوولیوشن آف میرج اینڈ آف دی فیملی"
مصنفہ موسیو چارلس لیٹورنو جنرل سکرٹری انتھروپولوجکل سوسائٹی پیرس وپروفیسر انتھروپولوجی
(علم تشریح) صفحات ۲۲۶، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۱۷۰، ۳۴۵)

۱۶ - اور باتوں کا تو کیا کہنا میں اُن حالات کا ذکر نہ کرونگا جو عدالتہا سے طلاق میں ظاہر ہوتے ہیں نہ اُس پُرجوش بداخلاقی بداطواری اور سنگدلی کا بیان کرونگا جو کہ قلب انگلستان میں موجود ہے۔ میرے لئے یہ بھی مناسب نہ ہوگا کہ میں اُن بدترین شرمناک نظاروں کا حوالہ دوں جو کہ عیسائی ملکوں کے بڑے شہروں میں دکھلائی دیتے ہیں .... میں اس سوال کے متعلق کوئی رائے نہیں دیتا کہ ممالک مغربی کی بعض جماعتوں میں جو ناجائز طور پر ایک عورت کئی مردوں سے تعلق رکھتی ہے وہ باقاعدہ رسم تعدد ازدواج سے بہتر ہے یا نہیں (رسالہ نائنٹینتھ سنچری لنڈن بابت ستمبر ۱۸۹۱ء مسٹر سید امیر علی سابق جج ہائیکورٹ کلکتہ کا مضمون نساء المسلمین کی اصلی حالت پر)۔

۱۷ - کسی شادی والے مکان میں داخل ہو یا کسی خوشی کے موقع پر ایسے مکان میں جاؤ جہاں کہ مستورات جمع ہوں تو تمہیں وہ منظر نہایت دلکش معلوم ہوگا اور یہ خوبی شر و بداخلاقی کے خوفناک اثر سے ابھی تک پاک ہے۔ دنیا کے اِن (مشرقی) حصوں میں کسی نوجوان لڑکی کا خراب و بدچلن ہونا معدوم ہے۔ مشرقی خاندانوں میں احساس شائستگی اعلیٰ ترین طور پر حکمراں پایا جاتا ہے۔ وہاں انسانوں میں کچھ ایسا حجاب ولحاظ ہوتا ہے جو کہ کل اقوام یورپ کھو بیٹھی ہیں مردوں اور عورتوں کے باہمی ناز و نخرے و عشوہ گری۔ عشق بازی اور دلوں کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا اس قسم کے مضامین وہاں بمعرض گفتگو میں نہیں آتے۔ دعوتوں اور جلسوں میں مرد عورتوں سے علیحدہ رہتے ہیں حتی کہ خانہ خدا میں بھی اس قسم کی پابندی لازم ہے۔ تیل اور پانی کی طرح

دونوں فرقے علیحدہ رہتے ہیں کبھی ملتے نہیں۔ (رسالہ لیڈیز ریلم لنڈن بابت اکتوبر ۱۹۰۳ء میں ایک لیڈی صاحبہ کا مضمون مشرقی مستورات پر)۔

۱۸- بدقسمتی سے ہم میں عورتوں کو بہکا کر خراب کرنا اکثر وقوع میں آتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سی لڑکیاں اچھے گھرانوں کی حرامی بچے جنتی ہیں گذشتہ سال لورپول کے پولیس کورٹ میں دوسو سے زیادہ مقدمات آئے جن میں لڑکیوں کی یہ درخواست تھی کہ اُن کے بچے اپنے مفروض باپوں کو دیدئے جائیں اور اسی قسم کے کم از کم دہ چند مقدمات باہمی مصالحت سے غالباً طے ہو کر عدالت تک نہ آئے ہونگے۔ لورپول اور اسکے اطراف میں جو انگلستان کا دوسرے نمبر کا ضلع اور عیسائیت کا مرکز ہے پورے دو ہزار حرامی بچے ہر سال پیدا ہوتے ہیں۔ (اخبار کریسنٹ لورپول مطبوعہ ۱۱ جنوری ۱۹۰۵ء)۔

۱۹- بیرن اکیل آڈلسوارڈ نے پیرس کے اعلیٰ طبقوں کے لوگوں کی مسلسل بدکاریوں کا پردہ فاش کیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان بیرن صاحب اور اُن کے کثیر التعداد اعلیٰ سوسائٹی کے ہمسازش اشخاص کے ہاں معمول اور نیز دیگر عورتیں آیا کرتی تہیں اور ناگفتہ بہ بداخلاقی کی مذموم حرکات کی مرتکب ہوتی تہیں۔ بعض بسیار گو نوجوانوں کی بے احتیاطی کی وجہ سے کتنے ہی اشخاص گرفتار کئے گئے اور جو بیانات کہ مجسٹریٹ کے روبرو اُنہوں نے کئے اُن کے باعث سے اور لوگ بہی گرفتار کئے جارہے ہیں۔ اس رسوائی کی زندگی کا سبب دریافت کرنے کے لئے بہت دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان تمام نامناسب باتوں کا سبب وہ بیحد سوشل اور اخلاقی آزادی ہے جسکا مغربی ممالک میں رواج ہے۔

مرد و عورت دونوں کے لئے یہی بہتر ہے کہ ایک دوسرے سے دور رہیں یہی دوری انہیں خداوند تعالیٰ کا خدمتگذار بنا سکتی ہے۔ خدا نے قرار دیا ہے کہ صرف میاں بی بی ہی ایسے

مرد و عورت ہیں جنہیں چاہیے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہیں (اخبار میسور ہرلڈ بذریعہ اخبار محمڈن مدراس مورخہ ۱۳ - اگست ۱۹۰۳ء)

۲۰ - ایک سال ہوا کہ سو اشخاص نے ملکر بسرداری بشپ کرائٹن متوفی ایک کمیٹی بطور لنڈن کونسل برائے ترقی اخلاق مرد ماں قائم کی اور بالفعل پہلا سالانہ جلسہ اُنہوں نے بصدارت بشپ آف لنڈن وسمنسٹر ہال میں بمعاونت پیشوائے مذہبی یہودیاں ورومن کیتھولک۔ بشپ آف سوتھ ورک و دیگر اشخاص منعقد کیا۔ صدر انجمن نے . . . . بیان کیا کہ . . . . لنڈن میں ایسے مکانات ہیں جہانکہ کہا جا سکتا ہے کہ لڑکیاں شیطان کی غلامی میں رکھی جاتی ہیں اور یہ کہ لنڈن کی کونسلوں کو اُبھارنا چاہیئے کہ اسکا انسداد کریں اور اُن اشخاص کو طلب کر کے معاملہ کا تصفیہ کریں جو کہ اس بدکرداری کے ذریعہ سے خوب روپیہ کمار ہے ہیں۔ مسٹر الیکو تھہ نے کہا کہ میرا انشا بجائے ترمیم قانون کے نفاذ قانون ہے۔ اگر پولیس نے اس بارہ میں سستی کی ہے تو اسکا باعث یہ ہے کہ نفاذ قانون بلا پبلک رائے کی تائید کے موجودہ حالت سے بھی بدتر کیفیت پیدا کریگا . . . . سر اڈورڈ کلارک نے کہا کہ موجودہ قانون کا پورے طور پر نفاذ نہیں ہوتا لیکن میری رائے میں تازہ قانون کی بھی ضرورت ہے . . . . بداخلاقی کی بے شرمی کے ساتھ نمائش جو ہر شب لنڈن میں دکھلائی دیتی ہے یورپ کے کسی شہر حتّٰی کہ پیرس تک میں نظر نہ آئیگی۔ وہ وقت اب آپہونچا ہے کہ ہمارے دارالسلطنت کی سڑکوں کی صفائی کی جائے اور بود و باش کے لئے اُسے صاف مقام بنایا جائے (اخبار محمڈن مدراس مطبوعہ ۱۳ جون ۱۹۰۱ء)۔

۲۱ - ہمارے عیسائی شہر خراب پیشہ کرنے والی مستورات سے پُر ہیں۔ صرف لنڈن کو ستر ہزار سے زیادہ اس قسم کی عورتوں کے ہونے کا فخر حاصل ہے۔ ہمارے شہر کے

خراب حصوں میں ہزاروں بہوک سے مرتی ہیں۔ زرد رو عورتیں اور کمزور لڑکیاں چند پیسے روز پر صبح سے شام تک کام کرتی ہیں اور شب کے وقت اس غرض سے اپنی عزت فروخت کرنے کے لئے نکلتی ہین کہ بسر اوقات کے لیے کافی کمائی کریں۔ (اخبار محمدن[۵۱] مدراس مطبوعہ ۲۰ جنوری ۱۹۰۲ء)۔

۲۲- کلکتہ کی جملہ زنانہ آبادی کے اُس حصہ میں سے جسکی عمر دس سال سے زیادہ ہے ۲۷۴۴ نے اپنا نام بازاری عورتوں کے زمرہ میں لکھایا جسکے یہ معنی ہیں کہ خاص کلکتہ کی اُن تمام مستورات میں جنکی عمر دس سال سے زیادہ ہے چودہ میں ایک عورت بداطوار ہے بعض حصوں میں تو یہ بداطواری اس قدر بڑہی ہوئی ہے کہ اگر مردم شماری کی رپورٹ سے یہ واقعات اخذ نہ کئے گئے ہوتے تو مشکل سے وہ باور کئے جاتے۔ پانچویں[۵۲] وارڈ میں جسکی آبادی ۴۹۰۶۹ ہے ہر چار عورتوں میں ایک عورت اور چھٹے[۵۳] وارڈ میں ۵۲۹۶۸ کی آبادی میں پانچ میں ایک عورت بُرا پیشہ کرتی ہے۔ پچیس وارڈوں میں اس قسم کی عورتوں کی اوسط ۵۷۵ ہے اور ان میں بھڑوے کٹنے (فقط) قرم ساق وغیرہ شامل نہیں ہیں جنکی فہرست مردم شماری کی رپورٹ میں علیحدہ دی ہے (رسالہ ینگ من آف انڈیا میں ریورنڈ ہربرٹ انڈرسن کا مضمون کلکتہ کی اخلاقی حالت) مندرجہ بالا واقعات و اعداد از حد دل آزار و خوفناک ہیں اور کم از کم دار السلطنت ہندوستان میں ہماری سوسائٹی کی بوسیدہ حالت اور ہمارے مردوں اور عورتوں کی عام طور پر قابل افسوس

---

[۵۱] یہ ایک مضمون سے لیا گیا ہے جو کہ اخبار کریسنٹ لورپول میں شائع ہوا تھا۔ اسمیں مسٹر جان پارکنسن نے سر ولیم میور کی تازہ تصنیف موسومہ "محمد (مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم) اور انکی طاقت" پر ایک تنقید لکھی تھی۔ سر ولیم نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو ذلیل بنا دیا ہے۔ اسکے متعلق مسٹر پارکنسن نے علاوہ دیگر امور کے مندرجہ بالا سطور بھی تحریر کی تھیں [۵۲] ان کی آبادی تقریباً تمام ہندو ہے۔

بداخلاقی کی کیفیت تکلیف دہ طریقہ سے ظاہر کرتے ہیں (اخبار انڈین مرر کلکتہ مطبوعہ ۲ جون ۱۹۰۴ء)

ایکن شاید مضر ترین علامت سوسائٹی میں بدنما داغ لگنے اور مرض پیدا ہونے کی یہ ہے کہ بدچلنی علانیہ طور پر روز افزوں ترقی پر ہے اور بے تکلفانہ صفائی کے ساتھ شرمناک طور پر عقد نکاح کا لحاظ و پاس نہیں کیا جاتا۔ اس بارہ میں انگلستان کے اعلیٰ طبقہ کے لوگ بطور چیدہ ترین نمونہ کے سب سے آگے ہیں۔ اخلاقی ڈھیلے پن کے ساتھ لازمی طور پر گفتگو اور بات چیت میں بھی خرابی آجاتی ہے (ماخوذ از کتاب فری اپنیز مصنفہ مس ماری کوریلی جو ابھی چند روز ہوئے کہ شائع ہوئی ہے)۔

اسمیں شک نہیں کہ یہ اقتباسات نہایت طویل ہیں جنکے پڑھنے میں ناظرین کو تکلیف ہوئی ہوگی لیکن جس مضمون پر کہ ہم بحث کر رہے ہیں اُسکی اہمیت ایسی ہے کہ مجھے اُن کی خدمت میں اسکے متعلق معافی مانگنے کی چنداں ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ اب ناظرین خود ہی فرمائیں کہ جو کچھ کہ مندرجہ بالا تحریرات سے ثابت ہوتا ہے اُس سے ہم صرف ایک ہی نتیجہ آزادی کے متعلق نکال سکتے ہیں یا نہیں؟ اور وہ نتیجہ آزادی کے خلاف ہے یا موافق؟ جو مجموعہ مضامین کہ میں نے پیش کیا ہے یہ اُن سب واقعات کے علاوہ ہے جو کہ فرداً فرداً یوروپین وامریکن اخلاقی دلچسپیوں کے بارہ میں تقریباً روزانہ اخبارات میں دیکھنے میں آتے ہیں یا دوسرے پیرایہ میں اُن خوش قسمت و باہمت اشخاص کو جو کہ خود ممالک مغربی کی سیر کریں جیسا کہ ہمارے دوست شیخ عبدالقادر صاحب بی اے مالک رسالہ مخزن لاہور نے لنڈن کو عروس البلاد تو کہا لیکن کیسی عروس کہ ہر بامدادش بود شوہرے۔ خود اُن کے الفاظ یہ ہیں:۔

"یہاں ایک بجے تک تھیٹر میں نہیں ہٹا کرتے۔ گیارہ بجے شب کو ختم کر دیتے ہیں۔ یہ وقت

لنڈن کی عیاشی اور آوارگی کا ہے جو لوگ دن کو نہایت مصروف نظر آتے تھے اُن میں سے اکثر فارغ البال دکھائی دیتے ہیں۔ رفتار میں اٹکھیلیاں ہیں نظر میں بیقراری اور جستجو ہے! دلمیں شوق اور بدن میں مصنوعی حرارت جو آتش سیال سے پیدا کی گئی ہے اسوقت اِن سے ذرا بچکر نکلنا چاہیئے ...... اسوقت جو لنڈن کی ظاہری خوشنما زینت ہے اسکو دیکھکر بیشک اُسے عروس کا خطاب دیا جا سکتا ہے مگر اِسکے ساتھ جو آوارگی لگی ہوئی ہے اُس کے باعث اِسے ایک اصلی اور باعصمت عروس نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ وہ عروس جسکی شان میں یہ کہا جا سکے ع کہ ہر بامداد شس بود شوہرے[۵۱]"

یہ کوئی شاعرانہ بلند پروازی نہیں ہے بلکہ واقعات ہی ایسے ہیں کہ جن سے چشم پوشی نہیں کیجا سکتی امید ہے کہ مسٹر جسٹس بدرالدین طیب جی کا وہ اعتراض میرے اقتباسات پر عائد نہوگا جو کہ اُنہوں نے بمبئی کی ایجوکیشنل کانفرنس کے موقع پر اپنی تقریر میں ان الفاظ میں کیا تھا:۔

"ہم شوق کے ساتھ ہر ایسے معاملہ کو جو ہم اخباروں میں پڑھتے ہیں جس سے کامل آزادی کی وجہ سے عورتوں کی بیحیائی کا ثبوت ملتا ہے پکڑ لیتے ہیں..... لیکن میں یہ ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ عورتوں کی آزادی کے نقصانات چند بے اطمینانی کی قسم کی مثالوں سے جنکا ذکر ہم اخباروں میں پڑہیں لازمی طور پر قائم نہیں ہو سکتے[۵۲]" میں نے اخلاقی لغزشوں کی محض جداگانہ شخصی مثالوں کو پیش نہیں کیا ہے جنہیں کہ "بے اطمینانی کی قسم کی مثالیں" کہہ سکیں۔ بلکہ یہ وہ مضامین ہیں جو کہ خاص واقعات تک محدود نہیں ان میں اصولوں سے بھی بحث کی گئی ہے اور عام نتائج اُن سے بآسانی نکل سکتے ہیں

---

۵۱ رسالہ مخزن لاہور بابت ستمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۶ و ۷، ۵۲ رپورٹ بمبئی کانفرنس صفحہ ۴۷۔

مثلاً بعض اقتباسات ہیں۔ یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ باوجود شادیاں ہونے کے جو پیدائش میں کمی ہے اسکی وجہ لوگوں کا "خلاف مذہب" یا "لامذہب" ہونا ہے۔ یہاں "خلاف مذہب" سے کیا مراد ہو سکتی ہے؟ میری رائے میں اسکے صرف دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ مذہب عیسوی میں ترقی توالد و تناسل کی تاکید ہے اور مصنوعی اور خارجی ذرائع سے مغربی ملکوں کے باشندے اسے روکتے ہیں دوسرے یہ کہ باوجود نکاح کی مقدس قید کے زن وشوصرف آپس میں ایک دوسرے پر اکتفا نہیں کرتے جیسا کہ چند اقتباسات سے ثابت بھی ہوتا ہے اور کثرت مباشرت کی وجہ سے جیسا کہ ایک طبی مسئلہ ہے اولاد کم ہوتی ہے جسکی نظیر خراب پیشہ مستورات میں عموماً اولاد کا تقریباً نہ ہونا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی قابل غور معاملہ ہے اور حضرات بالغ نظر اس پر اچھی طرح غور فرمائیں تو بہت کچھ نتائج اس سے نکال سکتے ہیں لیکن اگر محض سبب اول ہی کو ہم صحیح مان لیں تب بھی اس سے کوئی سمجھدار شخص انکار نہیں کر سکتا کہ کچھ بھی وجہ امریکہ اور یورپ میں انسداد توالد کی نہ ہو وہاں کے لوگ کم از کم اس قسم کی ذمہ داریوں سے جان ضرور چراتے ہیں اور یہ کیوں؟ صرف اسلئے کہ عورت مردانہ روش کی فدائی بنکر اپنے سچے کار منصبی سے جو کہ قدرت نے اُسکے لئے مخصوص کیا ہے خود غرضانہ تن آسانی و نفس پرستی کی باگ ہاتھ سے چھوڑ دیتی ہے اور اہم فرائض زندگی سے بچتی ہے اور خود مرد بھی اپنی عارضی خوشی کے لئے عورت کی اس بارہ میں تائید کرتا ہے۔ عورت و مرد میں خداوند کریم نے جو ایک مقناطیسی تعلق رکھا ہے جو نظر سے پوشیدہ لیکن زبردست برقی شرارے ان کے ایک ساتھ معمولی و اتفاقیہ نشست و برخاست یا محض آنکھیں چار ہونے سے ہی قدرتی سائنس فوراً پیدا کر دیتا ہے

دونوں میں سے ہر ایک کی نگاہ دوسرے کے لئے جو فطرتی رانگجن ریز کا کام دیتی ہے وہی نتیجہ خیز و پر معنی شے ہے جس نے کلیوپیٹرا ہیلن وطراے - رومیو و جولیٹ، لیلیٰ مجنون اور شیریں و فرہاد کا نام آج تک زندہ رکھا اور تا قیامت زندہ رکھیگی ہر مرد و زن میں موجود ہے اور جو مضامین میں نے اوپر نقل کئے ہیں اُن سے میرے نزدیک تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم و تربیت بشرطیکہ مرد سے مردی اور عورت سے نسائیت نہ خارج ہو جائے صرف ایک نہایت ہلکا سا پردہ غرم و حیا کا کچھ اس قسم کا ڈالدیتی ہے کہ جسکی وجہ سے گو علانیہ جانوروں کی طرح افعال مذمومہ کے حضرت انسان مرتکب نہیں ہوتے ورنہ ساری لفافہ بازی ہی ہے - میرے یہ الفاظ غالباً اکثر ناظرین کو چونکانے والے اور تعجب میں ڈالنے والے ہونگے اور بہت سے حامیان آزادی تو مجھے نہایت بدظن اور غلیظ خیالات کا شخص کہدینگے لیکن میری غرض در حقیقت یہ ہے کہ جو خیالی خوشنما پاک اور پیاری تصویر ان لوگوں نے آزادی کی اپنے دلوں پر اُتار رکھی ہے اُسے واقعات کے تیز آلہ سے مسترد و محو کردوں اور دکھاؤں کہ جو کچھ انکی چوندھیائی ہوئی آنکھیں دیکھتی ہیں وہ محض سراب ہے - واقعات کی سچی کسوٹی کے مقابلہ میں مسٹر سید امیر علی کے مندرجہ ذیل الفاظ کی کیا وقعت ہوسکتی ہے جو کہ پڑھنے اور سننے میں گو کیسے ہی بھلے معلوم ہوتے ہوں عملی طور پر مطلق بکار آمد نہیں ہوسکتے :-

"ایک نا تربیت یافتہ شخص کے نزدیک بمقابلہ شرافت طبع اور صفائی قلب کے دیواریں اور پاسبان ظاہراً زیادہ با اثر حفاظت مہیا کرتے ہیں"[51]

---

[51] ہسٹری آف ساراسنز صفحہ ۱۹۹ -

اسیطرح شولری کی نسبت جسکی خوبیوں پر سید امیر علی صاحب نے اسقدر زور دیا ہے ہم کیونکر یقین کریں کہ وہ مختلف اقوام میں علاوہ محافظ عصمت ہونیکے کارآمد ثابت ہوگی جبکہ دنیا کا تجربہ بالکل اسکے خلاف رہنمائی کرتا ہے ؟

مسٹر ہیلم مشہور مورخ کی راے تو شولری کی نسبت یہ ہے کہ اُسنے "سوشل تفریق و تفاوت پر زور دیا اور اس طرح سے عورتوں کی تذلیل کو قایم رکھا - فرقہاے ذکور و اناث کے درمیان بُری قسم کے آزادانہ تعلقات کی اجازت دی اور اُنکے اختیار کرنے کی اُنہیں ہمت دلائی "

علی ہذا القیاس جب واقعات کی صورت یہ ہے تو مردوں اور عورتوں کے بے روک ٹوک میل جول سے سوسائٹی پر کونسا اخلاقی روغن چڑھے گا یا اُسمیں اخلاقی لطافت و پاکیزگی پیدا ہوگی ؟ اور مردوں کی دریدہ دہنی مستورات کی موجودگی کی وجہ سے بظاہر کم بھی ہوئی تو جو بداخلاقی کے اندرونی امراض یقیناً پیدا ہونگے اُنکے سامنے اُسکی کیا حقیقت ہوسکتی ہے ؟ اس امر سے مجھے انکار نہیں کہ تعلیم و تربیت انسان میں عقل صحیح و نفاست طبع پیدا کرنے کا ذریعہ و سبب ہوتی ہے لیکن محض ایک حد تک اور اُن قدرتی جذبات کی روک تھام اور اُن کے مغلوب کرنے میں جو ہر انسان میں موجود ہیں بلا دیگر تائیدی بندشوں کے عموماً کامیاب نہیں ہوسکتی ورنہ کیا وجہ ہے کہ آسٹریلیا میں باوجودیکہ مرد و زن دونوں تعلیم یافتہ ہیں تقریباً پچاس فیصدی سالانہ ایسے بچے پیدا ہوتے ہیں جو ناجائز تعلقات کا نتیجہ ہوتے ہیں ؟ اور جب اسقدر تو اقراری یا اقبالی ہیں تو در حقیقت اصلی تعداد ایسے بچوں کی کسقدر ہوگی ؟ فرانس میں شادی سے لوگ کیوں بچتے ہیں حتی کہ منجانب گورمنٹ مجرد مرد و عورت پر ٹیکس اور جن میاں بی بی کے بچے ہوں اُنکے لئے انعام مقرر ہے ؟ بچے کیوں کم پیدا ہوتے ہیں جسکی وجہ سے آبادی تقریباً ساکن ہے اور گورمنٹ مشوش ہو کر بجاے دسویں سال

کے جیسا کہ دنیا میں دیگر ممالک کا قاعدہ ہے تیسرے یا پانچویں سال ملک کی مردم
شماری کرائی ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اسقدر کثیر التعداد مرد و زن مجرد رہکر عمدہ خوراک اور
ہر قسم کے آسایش کے سامان اور شراب خواری و مذہبی لاپروائی کے ساتھ جو کہ مسلمہ ہے
پابند اخلاق رہ سکیں اور آزادی کا شکار نہ ہوں؟ یہ ہیں آزادی کے نتایج جسپر ہمارے
اکثر حضرات جان فدا کر رہے ہیں جنہیں ہمارے عوارض کا علاج کامل تصور فرما رہے
ہیں اور خود اُسپر مرد میداں بنکر عمل درآمد کریں یا نکریں دوسروں کو اُٹھتے بیٹھتے موقع بموقع
ضرور اس پر کاربند ہونے کی صلاح بڑے زور شور سے دی جاتی ہے۔ اب
فرمایئے کہ ان سب امور کو مدنظر رکھکر ہم کیسے مان لیں کہ پردہ اُٹھ جانے کے
بعد صرف تعلیم انساں کے لئے محافظ اخلاق ثابت ہوگی۔ یہ کہدینا تو بہت آسان
ہے اور اصول بھی نہایت دلفریب ہے کہ تعلیم وحشی کو انسان بنا دیتی ہے لیکن
مرد و زن کے اخلاقی تعلقات کا آزادی کے ہوتے ہرگز قوام ٹھیک نہیں رہ سکتا
اور اُن کے میل جول سے اخلاقی لطافت و پاکیزگی کا صرف سایہ ہی سایہ دکھلائی
دیتا ہے اصل جوہر بالکل مفقود ہو جاتا ہے اور اُسکے وجود کی امید کرنا ایک خیال
باطل و واہمہ ہے۔ واقعات کے قوی ثبوت کے مقابلہ میں محض لفظی دعوے
کی کوئی حقیقت نہیں ہو سکتی لیکن بعض حضرات ایسے بھی ہونگے جو کہ جملہ امور
متصرحہ بالا کا اقرار کریں اور ساتھ ہی یہ راے رکھتے ہوں کہ امریکہ اور یورپ کی آزادی
جو اسقدر مضر ثابت ہو رہی ہے اسکی وجہ ممکن ہے یہ ہو کہ طرز تعلیم وہاں کا ناقص ہے
اور بد اخلاقی کے روکنے کے لئے ناموزوں ہے ہم ایسی عمدہ تعلیم مذہبی اور دنیاوی
لڑکیوں اور لڑکوں دونوں کو دینگے کہ وہ باوجود ہر قسم کی آزادی کے راہ مستقیم سے

انحراف نہیں کرنے کے۔ اسمیں مطلق شک نہیں کہ صرف مذہبی تعلیم ایک ایسی شے ہے جو کہ ایسی حالت میں آڑے آسکتی ہے لیکن براہ مہربانی ہندوستان کے مسلمانوں پر غور فرمایئے کہ مردوں کی اخلاقی حالت کی کیا کیفیت ہے ہاں مذہبی تعلیم کے ساتھ زنا وغیرہ کی حدود شرعی کا بھی انتظام ہو تو بداخلاقی کا انسداد بہت کچھ ممکن ہے لیکن ہندوستان میں یہ امر ناممکن ہے اور اسلئے صرف تعلیم ہی تعلیم اس مرض کے دفع کرنے کے لئے کافی نہیں ہوسکتی۔ میرے خیال میں تو یہ ایک دلچسپ تجربہ ہو اگر محض اعلیٰ تعلیم پر دارومدار رکھکر امریکہ اور یورپ کے اہل الرائے بمنظوری گورنمنٹ ضوابط فوجداری کا نفاذ تھوڑے سے عرصہ کے لئے تعلیم یافتہ گروہ کے لئے روک دیں اور اس گروہ کو اس قسم کے احکام سے مستثنیٰ کردیں تاکہ ہمیں یہ دیکھنے کا موقع ملے کہ یہ حضرات محض تعلیم کے صدقہ سے کہانتک تعزیراتی جرائم سے بچے رہتے ہیں۔ میں تو وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر ایسا کیا جائے تو مختصر سی قیامت برپا ہوجائے۔ نظیر کے لئے یہی دیکھئے کہ اگر فریقین راضی ہوں تو انگریزی قانون میں زنا کی کوئی سزا نہیں اور اگر بازپرس کا خوف بھی ہے تو اُس حالت میں جبکہ عورت شوہر رکھتی ہو اور شوہر عدالت سے چارہ جوئی کرے۔ اسکی وجہ سے جس آزادی کے ساتھ لوگ اس فعل کے مرتکب ہوتے ہیں وہ ظاہر ہے اگر اسکے خلاف قانون بنائے تو دیکھئے گا کہ اسکے ارتکاب میں بھی کمی ہوگی۔ علاوہ بریں امریکہ اور یورپ میں بھی لڑکیوں اور لڑکوں کو مذہبی یا اخلاقی تعلیم ضرور دی جاتی ہے مگر آزادی کی چپقلش میں وہ بالکل بے اثر ہے۔

اب رہی یہ بات کہ پردہ کے اندر بھی وہی سب باتیں ہوتی ہیں جو کہ آزادی میں یہ

کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ یہ امر قانون علت و معلول کے خلاف ہے موم کو آگ پر نہ رکھیے گا تو وہ کیوں پگھلنے لگا بارود کے نزدیک چنگاریاں نہ ہوں تو وہ کیوں بھڑک اُٹھے لیکن اگر انہیں قرب ہے تو تقاضائے فطری یہی ہے کہ دونوں صورتوں میں جو آگ کا فعل ہے اُسکا ظہور ضرور ہو۔ لہذا مرد و زن کو جب موقع ہی نہ ملے تو کیونکر وہ باتیں پردہ پرور قوم میں ہونا ممکن ہیں جو کہ بے پردہ اقوام میں ہیں اور اگر بعض جگہہ اس قسم کی باتین پائی بھی جائیں تو وہ اُس ڈھیل کا نتیجہ ہیں جو کہ بعض حضرات پردہ کے بارہ میں برتتے ہیں اگر پورا پورا عمل درآمد پردہ کے قواعد پر کیا جاسے تو اس قسم کی لغزشیں ہی نیست و نابود ہو جائیں۔[۵۱]

[۵۱] اخبار البشیر اٹاوہ مطبوعہ ۱۶ ستمبر ۱۹۰۲ء میں مصر کے کسی عربی اخبار سے "مسلمان عورتین اور مذہبی تعلیم" کے عنوان سے ایک مضمون کا ترجمہ شائع ہوا تھا جسمین مندرجہ ذیل عبارت ہے:۔

"مصر مین ایک فرانسیسی مصنفہ عورت ہے اور بغرض سیر و سیاحت وہاں مقیم ہے اُسکو مسلمان عورتونکے حالات دریافت کرنیکا نہایت شوق ہے۔ ایک عرصہ دراز تک وہ قسطنطنیہ میں اور کئی سال تک الجزائر میں مقیم رہی ہے۔" وہ لکھتی ہے کہ "اہل یورپ خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی پردہ گاہیں جو اُنکے نزدیک حرم کہلاتی ہیں خفیہ فسق و فجور کی ملجاء و ماوی ہیں۔ یہ خیال بالکل گناہ اور سراسر ظلم ہے۔ میں نے مسلمانوں کی حرم کو اچھی طرح دیکھا بھالا ہے اور خوب امتحان کیا ہے اور تمام مخفی حالات کا پتہ لگایا ہے۔ عرصہ دراز کی تلاش و جستجو کے بعد مجھے معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کی عورتیں پاک اور عفیف اور پارسا اور پاکدامن ہیں۔ اگر بعض گھرانوں کی عورتین جادۂ اعتدال سے منحرف نظر آتی ہیں تو یہ صرف اُنہیں گھرانوں میں پایا جاتا ہے جن میں عورتیں یورپین لیڈیوں کے ذریعہ سے تعلیم و تربیت پاتی ہیں یا جن میں یوروپین مائیں داخل ہو گئی ہیں"

جواب اعتراض پنجم

اس اعتراض کی نسبت سب سے پہلے یہ کہدینا ضرور ہے کہ ہمارے ہاں مسلمہ کو نکاح سے پہلے دیکھ لینا جائز ہے لیکن اس سے حامیان آزادی کی مطلب برآری نہیں ہوتے کی اسلئے کہ اس جواز سے باقاعدہ کورٹ شپ یا اس قسم کا خلاملا جس سے کہ مرد و عورت ایک دوسرے کے عیوب و محاسن عادات و خصائل سے واقف ہوسکیں حاصل نہیں ہوتا ہاں اگر پردہ نہ رہے تو یہ رکاوٹ بہت کچھ ہلکی ہوجائیگی - پس اس اعتراض کے متعلق بھی مفصل بحث کرنیکی ضرورت ہوئی لیکن چونکہ یہ مضمون نہایت طویل ہوجاتا ہے میں نہایت اختصار کے ساتھ اسپر گفتگو کرونگا اور یہ دکھلاؤنگا کہ معترضین کے نزدیک جو خوبیاں دیکھ بھال کے نکاح کرنے سے ظہور پذیر ہونگی وہ کسقدر اصلیت رکھتی ہیں -

جو اعتراض کہ اس بارہ میں کیا جاتا ہے اُسمیں فرض کرلیا جاتا ہے کہ جو شادی دیکھ بھال کر کورٹ شپ کے اصول پر کی جاے اُسمیں کمال خوشی و اتفاق زن و شوہر میں رہتا ہے یا کم ازکم نسبتاً اُس شادی کے میاں بی بی کی نسبت زیادہ جسکے مرتب کرنے والے والدین ہوں - یہ خیال کہاں تک صحیح ہے اسکے سمجھنے کے لئے یہ امر قابل غور ہے کہ کورٹ شپ کی ابتدا کیونکر ہوتی ہے - جہانتک مجھے علم ہے اسکی صرف دو صورتیں ہوسکتی ہیں ایک تو یہ کہ کسی پری جمال کی پہلی ہی نگاہ دل کے پار ہوجاے اور وہ مریض عشق اب اس فکر میں شب و روز مبتلا ہو کہ اُسکی محبت بذریعہ نکاح درجۂ کمال کو پہونچے - پھر اسمیں بھی دو باتیں پیدا ہوتی ہیں ایک یہ کہ فریق ثانی کے دل کی تڑپ بھی عاشق زار کی طرفدار ہو اور دوسری یہ کہ ادھر کچھ اثر ہی نہو تو اس دوسری حالت مین

اس امر کی تشریح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ ایسے نامراد و ناکام شخص کی زندگی کسقدر تلخ ہوگی اور ایک عضو کیلئے وہ کہاں تک دین و دنیا کے کام کا رہے گا اب پہلی حالت پر نظر ڈالی جائے جسمیں کہ مرد و زن ادعائے محبت میں ہم آہنگ ہیں تو اسمیں کوئی شک نہیں اور یہی تجربہ سے ثابت بھی ہے کہ والدین دیگر اعزا اور دوست احباب کی سخت سے سخت مخالفت ان دونوں کو فائز مرام ہونے سے نہیں روک سکتی گو اِن حضرات کے نزدیک کسی ایک فریق میں کوئی بات قابل اعتراض ہی کیوں نہ ہو لیکن کلام اسمیں ہے کہ گو اس قسم کی محبت و الفت فی نفسہ بحیثیت محبت و الفت ہونے کے کیسے ہی اعلیٰ درجہ کی کیوں نہ ہو یعنی عاشقانہ محاورہ میں اعلیٰ ترین رتبہ کی ہو اور فریقین زن و شو ہونے کے بعد کچھ دنوں اپنے تئیں عرشِ معلیٰ ہی پر کیوں نہ سمجھیں تاہم وہ کہانتک اِس دنیا کے اہم امورات میں اچھے نتائج کا باعث ہوگی اور ایک ایسا جوڑا کس حدتک عملی طور پر دنیا کی گاڑی عمدہ طور پر چلانے میں کامیاب ثابت ہوگا سچ ہے تو اس کی کامیابی میں نہایت ہی شک ہے اور اُسکی وجہ یہ ہے کہ عشق کا دیوتا نابینا تسلیم کرلیا گیا ہے جو کہ واقعی بالکل سچ بھی ہے۔ لہذا ممکن نہیں ہے کہ اسکے پرستش کرنے والے اُسکی دھن میں ایسے مدہوش و سرشار نہوں کہ انہیں دنیا و مافیہا کی مطلق خبر نہ ہو اور اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا تو اِس عارضی جنوں کی حالت میں ذکر ہی کیا کہ سوائے عشق و عاشقی میں ہمخیال ہونے کے اور قابل لحاظ اوصاف بھی مرد و عورت میں ہیں یا نہیں جنکا کہ ہر بھلا مانس اس زندگی کی مسافت سلیقہ کے ساتھ طے کرنے کے لئے متلاشی رہتا ہے میرا دعویٰ ہے کہ اس ایک خیال میں محو رہنے کی وجہ سے ممکن نہیں کہ مرد اپنی محبوبہ کے بڑے سے بڑے عیب کو ہنر نہ سمجھے لیلیٰ را بچشم مجنوں باید دید کے یہی معنی ہیں اور یہی ایسی صورت

میں تقاضائے بشریت ہے۔ اس قسم کی شادیوں کا نتیجہ کیا ہوگا اور ہوتا یہی ہے؟ یہی کہ جب آتش عشق کے بخارات شربت وصل کی ٹھنڈک سے دماغ سے رفتہ رفتہ نیچے آنے لگتے ہیں اور واقعات کی سنگلاخ زمین پر انسان اپنا قدم پاتا ہے تو ساتھ ہی فہم وادراک اور تمیز سب بیدار ہوجاتے ہیں اور دونوں کو ایک دوسرے کے وہ عیوب جو کہ بوجہ عشق محاسن معلوم ہوتے تھے اب رفتہ رفتہ اپنی اصلی جھلک دکھلاتے ہیں اور وہ خوبیاں جو کہ عشق کی خوردبین سے حقیقت سے زیادہ بڑی معلوم ہوتی تھیں اپنی قرار واقعی صورت پر نظر آتی ہیں اس دریافت حال کا نتیجہ وہی ہوگا جو کہ روزمرہ کے کسی معمولی واقعہ میں پیش آتا ہے یعنی یہ کہ جب کسی معاملہ میں انسان کو کسی قسم کی امید نہایت وثوق کے ساتھ اعلی ترین پیمانہ پر ہو اور پھر خلاف امید نتیجہ ظہور پذیر ہو تو کسقدر صدمہ اُسکے دل کو ہوتا ہے اسیطرح قسم متذکرۂ بالا کے میاں بی بی کو واقعات کی سچی کسوٹی ضرور دکھلادیگی کہ کسی خاص قسم کی زندگی کے لئے ممکن ہے کہ عشق بکار آمد ہو لیکن اس زمانہ کے سفر کے لئے بالکل ناموزوں ہے۔

اب ہم دوسری شکل کورٹ شپ کی لیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مرد تمام عمر کے لئے ایک سچا غمگسار شریک رنج و راحت اور ہر طرح سے ہر حالت میں معین و مددگار تلاش کرے اور محض ظاہری حسن دلفریب اور کسی بانکی ادا کا یکبارگی شکار نہو جائے بلکہ اولاً اس امر کی جستجو کرے کہ ظاہری خوبیوں کے ساتھ ساتھ وہ سب اوصاف بھی اُس انسان میں ہیں یا نہیں جسے کہ وہ اپنی زندگی کا ہمسفر بنانا چاہتا ہے اسمیں شک نہیں کہ مغربی اقوام میں ایسے لوگ ضرور ہونگے جو کہ اس طریقہ پر کاربند ہوتے ہونگے لیکن میری رائے میں ایسے اشخاص کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہوسکتی اسلئے کہ اگر اس امر کی تحقیقات کی جائے کہ مرد و عورت عموماً کس عمر میں شادی کرتے ہیں تو اعداد سے ثابت ہوگا کہ سب سے

زائد تعداد اُن لوگوں کی ہے جو کہ بیس سال سے تیس سال کی عمر تک شادی کرتے ہیں[۹۱] کسی سرد ملک کے باشندہ کے لئے یہ بالکل زمانہ شباب ہوتا ہے جبکہ جوانی کی آنکھیں نظر تأمشکل سے سوائے ظاہری دلاویزی کے اور کسی باطنی خوبی کی جویاں نہ ہوسکتی ہیں خصوصاً جبکہ شادی کی دقتیں یورپ میں روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہیں لیڈیاں انگریزی محاورہ میں شوہر کے شکار کرنے کے لئے طرح طرح کی رجھانے والی ترکیبوں اور عشوہ و ناز کی پوری بارٹری سے کام لیتی ہیں اور قول و قرار نکاح بے تکلفی کا ربط و ضبط بلکہ تعارف بھی زیادہ تر ایسے موقعوں پر کیا جاتا ہے جیسے کہ ناچ کے جلسے ہیں جہاں کہ شام مین کے بخارات دماغ پر حاوی ہوتے ہیں اور جسم کی نیم عریانی دل و دماغ دونوں کو مسخر کرنے کے لئے ہر لحظہ مستعد رہتی ہے ۔ علاوہ بریں کورٹ شپ کے زمانہ میں فریقین یعنی مرد و عورت ایک دوسرے کی نظروں میں اپنے تئیں اچھا اور عیوب سے پاک دکھلانے کی کوشش کرتے ہیں اور چونکہ دنیا میں میرے نزدیک مشکل ترین کام انسان کو پہچاننا ہے ممکن نہیں کہ تھوڑے سے عرصہ کے تفحص میں وہ سچی حالت کے دریافت کرنے میں کامیاب ہوں اگر بفرض محال ہم مان بھی لیں کہ مرد و زن دونوں ظاہری دلکشی کو نظر انداز کرکے باطنی خوبیوں کے متلاشی ہونگے۔

اِس بحث کے متعلق مندرجہ ذیل سطور بھی قابل غور ہیں :-

ڈارون نے اپنی کتاب موسومہ "نسل انسان" کے صفحہ ۵۵۴ پر ایک جنگلی بطخ کا حال لکھا ہے جسنے کہ اپنے دو سال کے نر جوڑے کو جس سے بچے ہوئے تھے چھوڑ کر

[۹۱] مہذب ملکوں میں عورتوں کی اوسط عمر شادی کرنے کی ساڑھے تیئیس سال ہے۔ اخبار ابزرور لاہور مطبوعہ ۳۰ نومبر ۱۹۰۲ء۔

ایک نئے قسم کے پانی کے جانور سے جو اُسکے ساتھ چھوڑ دیا گیا تھا تعشق شروع کیا۔ ابتداً وہ نیا جانور اُسکی محبت کا جواب نہیں دیتا تھا حالانکہ وہ اپنے قدیم ہمدم کو بالکل بھول گئی تھی لیکن دوسرے موسم میں اُس نے اِس نرکی سرد مہری پر فتح حاصل کی اور اُس سے سات آٹھ بچے ہوئے۔ اس قصہ کو بیان کرتے ہوئے موسیو لٹورنو اپنی کتاب "دی ایولیوشن آف میرج اینڈ آف دی فیملی" کے صفحات ۲۸ و ۲۹ میں لکھتے ہیں :-

"جنگلی بط کا یہ واقعہ بلا کسی تبدل کے بطور انسانی واقعہ کے بیان کیا جا سکتا ہے اور لاکھوں بار ثابت کرتا ہے کہ دل یا جس شے کو کہ ہم اِس نام سے تعبیر کرتے ہیں ایک متغیر ہونے والی چیز ہے عفت و عصمت اتفاقیہ ملاقات سے بھی دل پر گہرے اثر کو ہمیشہ نہیں روک سکتی۔ نئی اور انوکھی شے پریشان کرنیوالا اور آرام دل میں خلل انداز ہونے کا اثر رکھتی ہے اور بے اعتنائی اور سرد مہری شاذ ہی کسی ایسے شخص کی مستقل و ثابت قدم مطلب براری و حصول مدعا کی کوششوں کے مقابلہ میں قائم رہسکتی ہے جو کہ اِس گرم جوشی سے عاشق ہوا ہو اور اپنی دُھن کا پکا ہو کہ باوجود دلشکنی کے ہمت نہ ہارے"۔

دوسرے جو شادیاں کہ بذریعہ کورٹ شپ ہوتی ہیں وہ کہانتک دیرپا ہوتی ہیں اسکی حقیقت تعداد طلاق کی روزافزوں ترقی سے عیاں ہے۔ مثلاً یورپ کے بعض ملکوں میں اگر کثرتِ طلاق ۱۸۵۱-۵۵ء میں ایکسو فرض کرلیجائے تو زمانہ مابعد میں مندرجۂ ذیل حساب سے اسمیں زیادتی ہوئی ہے[۵۱] :-

	فرانس (علیحدگیاں)	بلجیم (طلاق)	ہالینڈ (طلاق)	سوئیڈن (طلاق)
۱۸۵۱-۵۵ء	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰

۵۱ "دی ایولیوشن آف میرج اینڈ آف دی فیملی" مصنفہ موسیو لٹورنو۔

سنہ	فرانس (علیحدگیاں)	بلجیم (طلاق)	ہالینڈ (طلاق)	سویڈن (طلاق)
سنہ ۱۸۵۶-۶۰ء	۱۲۸	۱۴۰	۱۰۰	۹۸
سنہ ۱۸۶۱-۶۵ء	۱۵۰	۱۴۰	۱۱۲	۲۰۹
سنہ ۱۸۶۶-۷۰ء	۱۹۰	۱۹۰	۱۱۵	۱۱۳
سنہ ۱۸۷۱-۷۵ء	۱۶۳	۲۸۰	۱۳۹	۱۳۲
سنہ ۱۸۷۶-۸۰ء	۲۲۵	۴۲۰	۱۵۱	۱۶۱

بعد کے اعداد مجھے دستیاب نہو سکے لیکن یہ معلوم ہے کہ امریکہ میں سنہ ۱۹۰۳ء میں [۵۱] چھ لاکھ طلاقیں ہوئیں اور انگلستان میں اس مسئلہ کی کیفیت کا مفصلہ ذیل اقتباس سے پتہ لگتا ہے جو کہ اخبار گارڈین سے کلکتہ کے اخبار اسٹیٹسمین مورخہ، جون سنہ ۱۹۱۰ء میں نقل کیا گیا تھا اس مضمون میں امریکہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے :-

ممالک متحدہ امریکہ میں جو آسانیاں طلاق کے لئے ہیں اُنکا اندازہ اُن اعداد سے ہوتا ہے جو لنڈن کے اخبارات میں حال میں شائع ہوئے ہیں۔ یہ اعداد خوفناک ہیں۔ جو بیس سال کے عرصہ میں ممالک متحدہ امریکہ میں سات لاکھ طلاقیں [۵۲] عدالتوں سے منظور ہوئیں . . . . ساتھ ہی یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نیو پورٹ جزیرہ روڈ اور اسٹو فالز واقعہ جنوبی ڈکوٹا میں نکاح کا منقطع کرنا باقاعدہ اور فائدہ مند کاروبار کی طرح ہو گیا ہے اور اسوجہ سے وہاں ایک جماعت کثیر لوگوں کی صرف اس غرض سے آتی ہے . . . . لیکن اس امر کو داخل شمار کرنے کے بعد بھی

---

[۵۱] کثرت طلاق سے قوم کو جو خطرہ ہے اسپر امریکہ کے پادری زور سے تقریریں کر رہے ہیں۔ ممالک متحدہ امریکہ کے عیسائیوں نیں گذشتہ سال چھ لاکھ طلاقیں ہوئیں۔ اخبار کریسنٹ لورپول مطبوعہ ۱۹ نومبر سنہ ۱۹۰۴ء

[۵۲] غالباً ستر لاکھ۔ دیکھو اقتباس مندرجہ بالا اخبار کریسنٹ سے۔

یہ واقعہ موجود رہتا ہے کہ ایک مہذب عیسائی ملک میں تقریباً ساٹھ ہزار دچھولاکھ بقول خیال کریسٹ اشخاص سالانہ قید نکاح سے رہا ہوتے ہیں گویا کہ وہ حالت موجودہ میں معاہدۂ نکاح کی ناپائیداری کے شاہد ہیں۔ ان میں سے بہت سے بلکہ شاید زیادہ تریں اشخاص دوبارہ نکاح کرتے ہیں اور اسطرح اس ابتدائی کچھوت کو پھیلاتے ہیں۔ تعلقات خاندانی اور دوستیوں پر اسکا اثر پڑتا ہے جسکی وجہ سے یہ تخمینہ کرنا مشکل ہے کہ صرف ایک سال میں اُن قوانین کے بُرے استعمال سے جنکو اُس فعل سے جسے پریزیڈنٹ رُوسولٹ نے قومی خودکشی سے تعبیر کیا ہے نہایت قریبی اور گہرا تعلق ہے کسقدر وسیع حصہ ملک متاثر ہوتا ہے۔ جزائر برطانیہ میں اس بُرائی نے ابھی اس حد تک ترقی نہیں کی ہے . . . . لیکن انگلستان اور ویلز کے متعلق جو اعداد ۱۹۱۰ء تک شائع ہوئے ہیں اُن سے جو واقفیت حاصل ہوتی ہے وہ اسقدر مفید و کارآمد ہے کہ اُسکا کچھ ذکر کرنا اس موقع پر مناسب ہے۔ قانون طلاق ۱۸۵۷ء میں پاس ہوا تھا۔ اُس سال سے پانچ سال بعد تک فسخ نکاح کی درخواستوں کی تعداد کی سالانہ اوسط ۲۰۴٫۵ تھی۔ یہ پنج سالہ اوسط برابر بڑھتی رہی یہانتک کہ ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۰ء تک کی مدت میں یہ تعداد ۶۹۶٫۲ تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ حالانکہ آبادی اُسوقت سے ۱۶۱ فیصدی زیادہ ہوئی ہے طلاق کی درخواستوں کی تعداد سہ گونہ سے زیادہ ہوگئی ہے . . . . ان اعداد میں عدالتوں کے ذریعہ سے زن و شوہر میں علیحدگیاں (یعنی بلا طلاق علیحدہ رہنا) شامل نہیں ہیں . . . . یہ اعداد خوفناک حالت خانگی خرابی کی ظاہر کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ گو اعداد طلاق وحشتناک ہیں لیکن ان سے اُن تباہ کنندہ نتائج کا پھر بھی پورے طور پر اندازہ نہیں ہو سکتا جو کہ ازدواج کی بے وقعتی سے پیدا ہوتے ہیں . . . . جبکہ عدالت کے ذریعہ سے نکاح میں ترمیم کردی جائے یا وہ قانونی تراش خراش کے نیچے آجائے تو اُس خاندان کی زندگی کے

تمام اعلیٰ پہلو مُرجھا جاتے ہیں ہمارا یقین ہے کہ اس مصیبت کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے اور اس بُرائی کا اثر خاندان متعلقہ میں تیسری چوتھی پشت تک پہونچتا ہے۔۔۔۔ اسکا علاج صرف یہی ہے کہ پیشوایان مذہبی پختہ کوشش اس امر کی کریں کہ ازدواج کی متبرک خصوصیت کی وقعت زیادہ ہو اسلئے کہ اس زمانہ کے بیہودہ مشاغل کی وجہ سے اس خصوصیت کے نظر انداز ہونے کا نہایت خوف ہے۔

اخبار مصباح الشرق مصر مطبوعہ مئی ۱۸۹۸ء رقمطراز ہے کہ:۔

مہذب ملکوں میں طلاق کی بڑی کثرت ہوتی جاتی ہے۔۔۔۔ شمار کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ شکاگو میں بحساب اوسط ہر آٹھویں زوجین میں سے ایک کے مابین طلاق واقع ہوتی ہے اور ایسی عورتوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے جو پانچ بار مطلقہ ہو چکی ہیں۔

۔یہ مانا کہ جو تمام اعداد اوپر بیان کئے گئے ہیں وہ بلحاظ آبادی کم ہی سہی لیکن جبکہ ہم جانتے ہیں کہ مذہب عیسوی کی رو سے نکاح کوئی عرفی معاہدہ نہیں ہے بلکہ اُسکی نسبت یہ حکم ہے کہ "جسے خدا نے ملایا انسان کو نہ چاہیئے کہ اُسے علیحدہ کرے" گویا کہ مذہباً طلاق جائز ہی نہیں ہے تب اعداد متذکرہ کی اہمیت محسوس ہوتی ہے اور خداوند کریم کی عجیب قدرت نظر آتی ہے کہ وہی مغربی اقوام جو کہ اسلامی احکام طلاق کا پہلے مضحکہ اُڑایا کرتی تھیں آج خود محض چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنے ہاں کے احکام مذہبی کی خلاف ورزی عملی در آمد کر رہی ہیں!

کورٹ شپ کے ذریعہ سے شادی عملی طور پر کسقدر خراب ثابت ہو رہی ہے اسپر مسٹر مرڈتھ مشہور ناولسٹ کے ایک مضمون کا اقتباس گذشتہ سال اخبار پایونیر میں شائع ہوا تھا جسمیں اُنہوں نے رائے ظاہر کی تھی کہ بنظر بر حالات زمانہ اب نکاح ایک میعاد مقررہ

کے لئے ہوا کرے تو آسانی ہو - اس مدت کے منقضی ہونے پر فریقین چاہیں تو تجدید معاہدہ کریں یا علیحدہ ہو جائیں اور جو اولاد ہو اسکی پرورش و پرداخت کا انتظام گورنمنٹ کے متعلق ہو !! اس تجویز کے پڑھنے کے بعد مطلق شبہ نہیں رہتا کہ ہوا کا رخ کس طرف ہے - کورٹ شپ کی شادی پر یہ نوحہ نہیں ہے تو کیا ہے ؟

برخلاف اسکے جو تجسس و تفحص اور چھان بین جس جانفشانی و احتیاط سے لڑکے اور لڑکی کے حالات دریافت کرنے میں ہمارے ہاں کی جاتی ہے وہ محتاج بیان نہیں ہاں اگر بدقسمتی سے بعض والدین ضروری امور متعلقہ کو چھوڑ کر صرف ظاہری اقتدار اور روپیہ پیسہ کو سب چیزوں پر ترجیح دیں تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جہاں قومی تباہی کی اور باتیں ہم میں اسوقت موجود ہیں اُن ہی میں سے ایک یہ بھی ہے اور اسکی اصلاح ہونی چاہیئے ورنہ اصل طریقہ فی نفسہ برا نہیں - لڑکے کے حالات تو لڑکی والے آسانی سے دریافت کر سکتے ہیں لیکن لڑکی کے متعلق بیشتر امور کی واقفیت حاصل کرنے کے لئے مجھے مولوی سید ممتاز علی صاحب سے اس بارہ میں اتفاق ہے کہ لڑکے کی طرف کی مستورات کو اس امر کا موقع دینا چاہیئے کہ اُن کے سامنے لڑکی کسیقدر آزادی کے ساتھ چلے پھرے اور وہ اُسکے ہاں وقتاً فوقتاً چندروز رہکر اُسکے سلیقہ و تمیز وغیرہ کو دیکھیں - دوسرے ایک بڑی بات یہ ہے کہ چونکہ ہمارے ہاں لڑکی کی عمر شادی کے وقت مغربی اقوام کی طرح زیادہ نہیں ہوتی اور لڑکی کا دماغ بھی عموماً عاشقانہ مضامین سے مبرا ہوتا ہے اسلئے اُسکے ہاں حضرت عشق ایک نئے انداز سے شادی کے بعد ہی جنم لیتے ہیں اور اُنکا جوش و اثر ایسا ہوتا ہے کہ اگر شوہر معمولی انسانیت کا برتاؤ بھی بی بی کے ساتھ کرے تو وہ دل و جان سے اُسکی شیدا ہوتی ہے اور اُسکی خوشی کو عین اپنی

خوشی تصور کرتی ہے۔ نیز چونکہ میاں بی بی کے جیسے تعلقات ہیں اُنکی وجہ سے ایک دوسرے کی طبیعت کے خلاف جو باتیں ہوں وہ بہت جلد معلوم ہو جاتی ہیں مرد اگر چاہے تو نرمی اور خوبی کے ساتھ بی بی کے مزاج کو اپنے مزاج کے مطابق ڈھال سکتا ہے اور وہ بخوشی تمام ایسا کرنے میں اپنی سعادت سمجھتی ہے۔ اس قسم کے میاں بی بی میں جو محبت رفتہ رفتہ پیدا ہوگی وہ عملی طور پر زیادہ پختہ اور قیام پذیر ہوگی اسلئے کہ دونوں ایک دوسرے کے عیوب سے آگاہ ہو کر اصلاح کی کوشش کے ساتھ ہی ایک دوسرے کی محبت کا دم بھرتے رہیں گے بلکہ یوں کہئے کہ رفتہ رفتہ اُن میں اُنس و محبت زیادہ ہو کر ایک نہایت مضبوط و دیرپا اور گہرا تعشق پیدا ہو جائیگا جو کہ میری رائے میں کورٹ شپ کی کسی حالت میں نہیں پیدا ہو سکتا جسمیں عموماً جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں ابتداً ایک قسم کے جوش کی حالت میں بعض اوقات تو گندم نما جو فروشی کی اسلئے دھن رہتی ہے کہ ایک فریق کے معائب دوسرے پر ظاہر نہ ہوں تاکہ کھیل نہ بگڑے اور کبھی معائب بالکل نظر ہی نہیں آتے اور تمام محاسن ہی محاسن دکھلائی دیتے ہیں۔ اس بارہ میں ایک لائق ترکی خاتون فاطمہ خانم کے مندرجہ ذیل خیالات[۵۱] بھی قابل غور ہیں:-

ہمارے طریقہ کے نکاح میں اسّی بلکہ نوے فیصدی کے حساب سے محبت و اتفاق کے بارہ میں عمدہ نتائج حاصل ہوتے ہیں اور یورپ میں باوجودیکہ کل نکاح محبت و عشق پر مبنی ہوتے ہیں میاں بی بی میں پورا اتفاق نہیں ہوتا اکثر آدمی عشق اور جوش کی وجہ سے نکاح کر لیتے ہیں اور برس چھ مہینے بعد جب اُنکا جوش کم ہو جاتا ہے اُن کا عشق غبار کی طرح اُڑ جاتا ہے گویا کہ وہ نام کو بھی نہ تھا اکثر اسی وجہ سے ایک دوسرے سے علیحدہ ہونا پڑتا ہے اور پھر ایک مجبور ہوتا ہے کہ تنہائی میں زندگی بسر کرے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میرے نزدیک جب مرد و عورت میں

[۵۱] نسا المسلمین مصنفہ فاطمہ خانم صفحات ۷۰ و ۷۱ و ۷۲۔

عشق اور محبت ہو تو وہ ایک دوسرے کے اخلاق آداب طبیعت اور صفات کا اندازہ پورا کر ہی نہیں سکتے اور نہ اُسکی قدر کر سکتے ہیں۔ پس اس کا اندازہ کرنا خاندان کے بزرگو نکے ذمہ ہے۔

جو کچھہ کہ میں نے آزادانہ شادی کے بارہ میں عرض کیا ہے اسکے پڑہنے کے بعد میری راے سے اگر حامیان آزادی کی پوری تشفی نہ ہو (گو مجھے امید ہے کہ ہو جائیگی) اور میرے ساتھہ وہ پورا پورا اتفاق نکریں تب بھی کم از کم اتنا تو اُنہیں ضرور ماننا پڑے گا کہ اس مسئلہ کا دوسرا پہلو جو میں نے دکہلایا ہے وہ بھی نہایت قابل غور ہے اور ہر چمکتی ہوئی شے سونا یا ہیرا نہیں ہو سکتی۔

جواب اعتراض ششم

پردہ کوئی مذہبی رسم ہے یا نہیں اسکے متعلق آگے چلکر میں بالکل علیحدہ بحث کرونگا اور انشاءاللہ تعالی ثابت کردونگا کہ پردہ مروجہ ہندوستان تعلیم قرآنی کے منشا کے قطعی طور پر مطابق ہے خلاف نہیں۔ مجھے نہایت ہی افسوس ہوتا ہے جبکہ ایک مسلمان بیدھڑک بلا سوچے سمجھے کہہ اُٹھتا ہے کہ پردہ مذہبی رسم نہیں ہے اور جبکہ فاتحان عرب نے قدیم عیسائی قوموں اور اہل فارس سے ٹکر کہائی تب اُن سے اِسے اخذ کیا۔ لیکن اگر اُسوقت کے عیسائیوں یا اہل فارس کا یہ رواج خلاف تعلیم اسلامی نہ تھا۔ اور مفید بھی تہا تو وہ کسی طرح قابل اعتراض نہیں ہو سکتا اسکا مفید ہوتا تو بلا شبہ ثابت ہے اسلئے کہ خود بقول مسٹر سید امیر علی صاحب ولید ثانی کے زمانہ حکومت میں دوسری صدی ہجری میں پردہ کی ابتدا ہوئی اور اسکا باعث ولید کی عیاشی اور اُسوقت کی سوسائٹی کی بد اطواری کی وجہ سے مستورات کی عصمت کی حفاظت کرنا تھا۔

دوسرے اسلامی ممالک میں اسکا کیا حال ہے اسکے متعلق بھی اکثر حضرات نہایت غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ "ترکوں کی معاشرت" کے مطالعہ سے علاوہ دیگر امور کے ایک بات یہ بھی معلوم ہو جائیگی کہ ٹرکی میں مرد و زن کا میل جول و خلا ملا جیسا کہ عموماً خیال کیا جاتا ہے مطلق نہیں ہے حتی کہ ایک ترک کبھی اپنے ہی خاندان کی عورتوں کے ساتھ باہر پھرتا چلتا نظر نہ آئیگا اور آٹھ دس برس کی عمر کے بعد اُسکی لڑکی تک اُسکے ہمراہ نہ دیکھیئے گا۔ ملاقات کے موقعوں پر[۱۵] مرد مردوں سے مکان کے مردانہ حصہ میں اور عورتیں عورتوں سے زنانہ مکانات میں ملتی ہیں۔ پُرانی وضع کے ترکوں میں مستورات خرید و فروخت کے لئے مطلق باہر نہیں جاتیں۔ ہاں باغوں میں تفریح و سیر کے لئے اُن کا جانا ضرور ثابت ہوتا ہے لیکن یہ باغ محض اُن کے لئے مخصوص ہوتے ہیں مرد وہاں نہیں جاتے اور وہ برقع

[۱۵] اسکے مقابلہ میں مولوی سید ممتاز علی صاحب کی یہ تجویز خالی از دلچسپی نہیں جو کہ "حقوق نسواں" کے صفحہ ... پر وہ پیش کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ "جو صاحب ہماری رائے سے اتفاق رکھتے ہوں جس شہر میں جتنے ہوں وہ اپنی ایک خاص جمعیت بغرض اصلاح حالت مستورات اہل ہند بنائیں اور اُنکی مجالس میں اُن کے ہمراہ اُن کی بیبیاں بھی شامل ہوا کریں جو حسب مرضی اُن صاحبان کے لباس شرعی میں ملبوس ہوں یا کسی ایسے لباس میں جو وہ اِس موقع کے لئے قرار دیں۔ یہ فی الحال سب سے اعلیٰ درجہ کی اصلاح متصور ہوگی۔ (لفظ فی الحال قابل لحاظ ہے) اس سے اُتر کر ایک اوسط درجہ کی اصلاح ہونی چاہیئے وہ یہ ہوگی کہ مرد بضرورت درستی صحت مستورات کو نقاب یا برقع پہنا کر اپنے ہمراہ ہوا خوری کے لئے باہر لے جانیکا دستور قائم کریں اور خرید و فروخت کے ایسے معاملات میں بھی جو خاص عورتوں کی پسند کے بموجب ہوتے ہیں اور خدمتگاروں کو بیسیوں پھیرے کرنے پڑتے ہیں مستورات کو برقع اوڑھکر اپنے کسی عزیز کے ہمراہ بازار جانے میں کچھ عیب نہیں ہونا چاہیئے یہ امر خاصکر عورتوں کو اپنے لباس کے لئے پارچہ خریدنے میں ...... و نیز دیگر ضروری اشیائے خانہ داری کی خرید میں بہت مفید ہوگا"

پہنکر گاڑیوں پر جاتی ہیں۔ یہی کیفیت زنانہ حماموں کی ہے۔ پیدل پھرنے والیاں زیادہ تر اُسی طبقہ کی معلوم ہوتی ہیں جو کہ ہندوستان میں بھی مجبوراً باہر نکلتی ہیں اگر فرق ہے تو اسقدر کہ یہاں سب برقع پہنکر نہیں نکلتیں اور وہاں برقع پوش ہوتی ہیں جسکی وجہ سے بعض حضرات جو قسطنطنیہ گئے اُنہوں نے سبکو برقع پوش دیکھکر یہ فرض کر لیا کہ وہ ضرور مرفہ الحال ہونگی اسلیئے کہ ہندوستان میں باہر نکلنے والی غریب عورتیں عموماً برقع استعمال نہیں کرتیں علاوہ بریں اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم فرض بھی کرلیں کہ قسطنطنیہ میں ہر طبقہ کی عورتیں باہر نکلتی ہیں تو اولاً تو یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ وہ برقع پوش ہوتی ہیں۔ دوم یہ امر نظر انداز نکرنا چاہیئے کہ محض قسطنطنیہ سے پوری ترکی عملداری مراد نہیں ہوسکتی اور بطور نظیر کے ہندوستان کے لئے ہم صرف قسطنطنیہ کو پیش نہیں کرسکتے اسلیئے کہ وہاں "نئی روشنی" کے خیالات بھی اسی طرح اپنا جلوہ دکھا رہے ہیں جیسا کہ یہاں رونما ہیں پس معاملہ زیر بحث کے لئے "نئی روشنی" کے دلدادہ حضرات کا کوئی فعل رواج کے نام سے نہیں پکارا جاسکتا اور نہ ہمارے خلاف وہ پیش کیا جاسکتا ہے ترکی عملداری کے دو چار بڑے بڑے شہروں کے سوا اور شہروں میں مطلق آزادانہ خیالات کا دخل نہیں ہے۔ اور سوائے دہقانوں اور مفلس ترین لوگوں کے صرف ترقی یافتہ روشن خیالات کی مستورات بڑے بڑے شہروں میں کبھی بازار یا دکانوں پر خرید و فروخت کے لئے جاتی ہیں۔ تیسرے ترکی میں احکام شرع نافذ ہیں انکی وجہ سے جس طبقہ کی عورتیں باہر نکلیں حدود شرعی کے خوف سے مرد و عورت ایک دوسرے سے بچیں گے لہ چوتھے اگر خدانخواستہ ترکی میں آج برقع وغیرہ کی رسم اُٹھ جائے اور مغربی طرز معاشرت ترکوں

لہ ابھی تک خداوند کریم کے فضل سے اسبارہ میں وہاں سخت احتیاط کی جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل حکم سلطانی؛

میں رائج ہوجائے تو نہایت سخت غلطی ہو کہ ترکوں کا کوئی فعل جو احکام خدا و رسول کے خلاف ہو اسکی ہم تقلید کریں۔

مصر کا رواج بھی میری رائے کے خلاف نہیں وہاں آزادی نسواں کا نہ ہونا صرف اس امر سے ثابت ہے کہ ایک جماعت پردہ کے خلاف وہاں بھی موجود ہے اگر آزادی ہوتی تو اس نئی جماعت کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ پھر جو کچھ کہ اس بارہ میں نئے خیالات پر کسیقدر عمل زور آمد کرنے سے نتائج بد پیدا ہو رہے ہیں انہیں بہت جلد اہل مصر محسوس بھی کرنے لگے ہیں اور عام طور پر لوگ انہیں اچھی نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ مخالفت کرتے ہیں۔

مندرجہ ذیل سطور جو کہ پردہ کے ایک بڑے مخالف یعنی مصنف تحریر المراۃ قاسم امین کے قلم سے نکلی ہیں نہایت بے بہا ہیں اور واقعات پر نہایت عمدہ روشنی ڈالتی ہیں۔[۵۱]

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۰۔ اسکا شاہد ہے کہ آزادی کا انسداد وہاں کیونکر کیا جاتا ہے:۔

"سب لوگ یہ جانتے ہیں کہ پردہ شرع شریف کا حکم ہے۔ اس حکم کے مطابق مسلمان عورتوں کا قدیم ازار و پیراہن (کرتہ) لباس تھا لیکن کچھ زمانہ سے لباس میں تغیر آچلا ہے جو ستر اسلامی کے خلاف ہے۔ ازار کی حالت بھی بالکل بدل گئی اور کرتوں کی آستینیں نکال ڈالی گئیں۔ جیب و گلے کا پیمانہ وسیع کر دیا گیا اگرچہ یہ تجدید عورتوں کو بوجہ ایک جدید وضع ہونے کے پسند آگئی لیکن لباس کی حالت بدل گئی اور غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طرز لباس بالکل بیہودہ ہے .... بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنی لڑکیوں کو باوجود اسکے کہ وہ بالغ ہو جاتی ہیں گھر سے باہر نکلجانے کی اجازت دیتے ہیں اور وہ چھوٹی لڑکیوں کی طرح غیر موزوں لباس میں بازاروں میں گشت لگاتی پھرتی ہیں لہذا یہ حکم دیا جاتا ہے کہ اب بغیر برقع کے بازار میں کوئی عورت نہ جائے اور اگر جائے تو اسکے والی کو ہدایت کی جائے کہ وہ اُسے روکیں۔ بصورت خلاف ورزی کے اُنکو قانونی سزا بھی دی جاسکتی ہے" اخبار وکیل امرتسر مطبوعہ ۲۱ مارچ ۱۹۰۲ء

[۵۱] اخبار البشیر اٹاوہ مورخہ ۴ جولائی ۱۹۰۲ء

گذشتہ چند سال کے عرصہ میں ہمارے ملک میں بے شمار جدید حادثات اور واقعات پیش آگئے اور ہمکو اپنے ملک کے اندر بہت سی مغربی قوموں کے ساتھ میل جول کرنے کی ضرورت واقع ہوئی اور اُن کے ہمارے درمیان جو تعلقات قائم ہوئے اُن کے ذریعہ سے ہمکو معلوم ہو گیا کہ وہ ہماری بہ نسبت زیادہ ترقی یافتہ اور زیادہ مہذب اور شایستہ ہیں اسلئے ہماری قوم کا ایک گروہ کثیر ظاہری اخلاق وعادات میں اُن کی تقلید کرنے لگا۔ خاصکر اُن امور میں جن سے شہوت کا اتباع اور قیود سے آزادی حاصل ہوتی ہے۔ پس اسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہماری قوم کے اکثر رئیسوں اور امیروں نے اپنی عورتوں کے معاملات میں ضرورت سے زیادہ تساہل کیا اور اُن کو پبلک سیرگاہوں کی ہوا کھانے اور تھیٹروں کے تماشے دیکھنے کی اجازت دی اسطرح اور بہت سی نالائق باتوں میں اُن کی تقلید کی۔ اس سے بھی کسیقدر عورتوں کے اخلاق میں فساد پیدا ہوا۔

پھر ایک اور موقع پر لکھتا ہے :-

ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ عورتوں کی بدکاری اور اُن کے فسق وفجور کے افسوسناک واقعات جسقدر آج کل سنے جاتے ہیں اتنے پہلے نہیں سنے جاتے تھے بلکہ درحقیقت گذشتہ ۲۰ سال کی نسبت آجکل بدکاری کی بہت زیادہ کثرت ہے اور اس کا باعث صرف پردہ کی تخفیف ہے پس پردہ کی قدیم حالت بہ نسبت موجودہ حالت کے جو عورتوں پر طاری ہوئی ہے عصمت وعفت کی زیادہ تر حفاظت کرنے والی ہو اسکے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض مردوں اور عورتوں کی فاسد طبیعتیں پردہ کی تخفیف کی وجہ سے باہمی تعارف اور میل جول اور فسق وفجور کی طرف زیادہ تر مائل ہو گئی ہیں بلکہ ہم اس پر اسقدر اور اضافہ کرتے ہیں کہ اگر ایسی ہی سرعت اور تیزی کے ساتھ پردہ کی تخفیف کی رفتار جاری رہی اور ہماری قوم کی حالت میں تعلیم وتربیت کے لحاظ سے کوئی ترقی نہ ہوئی تو نہایت مصیبت کا سامنا ہو گا اور فحش اور بدکاری کو

زیادہ ترقی ہوگی:-

اس اقتباس کو پڑھکر کوئی صاحب اس امر کی ذمہ داری کر سکتے ہیں کہ پردہ اُٹھ جانے کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت مصریوں کی طرح یا اُس سے بدتر ہوجائیگی اور تعلیم و تربیت کا جو اثر ممالک مغرب میں ہے یا ہماری ہندوستانی مسلمانوں پر ہے وہ معلوم ہی ہے

ایرانی مستورات کے پردہ کی کیفیت ذیل کے اقتباس[۵۱] سے معلوم ہوتی ہے :-

جب ہم غور کرتے ہیں کہ سوائے محارم کے عورت کو صرف ایک ہی مرد جو کہ اُسکا شوہر ہے دیکھنے کا حق رکھتا ہے تو آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ مردوں اور مستورات میں تقریباً کوئی سوشل تعلقات نہیں ہیں۔ کوئی جینٹلمین اپنی بی بی کے ہمراہ باہر دکھلائی نہیں دیتا۔ وہ اُسکے ساتھ نہ گھوڑے کی سواری کر سکتا ہے نہ گاڑی پر جا سکتا ہے اور نہ پیدل پھر سکتا ہے . . . . مرد اپنے ہمراہ احباب کے ہمراہ اور عورت اپنے ملنے جلنے والی عورتوں کے ساتھ وقت صرف کرتی ہے۔

باہر نکلنے والی ایرانی عورتیں کسی طرح پردہ پروری کرتی ہیں وہ اخبار مارننگ پوسٹ لنڈن کے نامہ نگار مسٹر ولفرڈ اسپاروے کے ان الفاظ[۵۲] سے ظاہر ہے :-

ایرانی عورت باہر جانے سے پہلے اولاً لمبی جرابیں پہنتی ہے۔ اِسکے بعد اپنے تئیں ایک چادر نما ریشمی برقع میں لپیٹتی ہے جو کہ سیاہ یا گہرے نیلے رنگ کا ہوتا ہے اور سر پر ٹوپی کی طرح جما ہوا چہرے اور پورے جسم کو گھٹنوں کے نیچے تک چھپائے رہتا ہے۔ اس برقع کے اوپر پیشانی سے ایک سپید کپڑا بندھا ہوتا ہے جسے روبند کہتے ہیں اور جسمیں دونوں آنکھوں اور سانس

---

[۵۱] مس الا۔ سی۔ سائیکس مصنفہ "تھرو پرشیا اون اے سائیڈ سیڈل" کا لکچر بتاریخ ۱۱ دسمبر سنہ ۱۹۰۲ء بمقام لنڈن سوسائٹی آف آرٹس کے انڈین سکشن کے روبرو "ایران کی خانگی زندگی پر" (اخبار محمدن مدراس مورخہ ۸ جنوری سنہ ۱۹۰۳ء)

[۵۲] اخبار محمدن مدراس مطبوعہ ۲۷ جنوری سنہ ۱۹۰۲ء

اپنے کے لئے جالی لگی ہوتی ہے۔ یہ روبند چہرے سے لیکر سینے کے اوپر سے کر تک لٹکتا رہتا ہے . . . . . اس پوشاک میں عورت ایسے پورے طور پر چھپ جاتی ہے کہ شوہر کے لئے اپنی بی بی کو پہچاننا مطلقاً ناممکن ہے۔

اسیطرح روسی تاتاری مسلمانوں کے رواج کا پتہ پروفیسر ویمبری کے اُس مضمون سے لگتا ہے جو کہ اُنہوں نے فروری ۱۹۰۵ء کے رسالہ نائنٹینتھ سنچری میں "تاتاریوں کی بیداری" کے عنوان سے لکھا ہے۔ اس مضمون میں محمد فتح غلمانی ایک روسی مسلمان کی تصنیف موسومہ "سفرنامہ کریمیا" کا ذکر کیا ہے جسمیں محمد فتح غلمانی اور ایک روسی لیڈی کی گفتگو رسم ورواج وعقائد اسلام کے متعلق درج ہے۔ اثنائے گفتگو میں مصنف ایک موقع پر لیڈی مذکور سے کہتا ہے :-

گو جہالت اور کاہلی خلاف احکام مذہب اسلام ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری اس زمانہ کی مستورات خلاف ورزی ان احکام کے عمل درآمد کرتی ہیں۔ باوجود اسکے باعتبار آرام وآسایش زندگی اور بیفکری خوشی اور قناعت کے ہماری جاہل مستورات کی حالت تمہاری مہذب تعلیم یافتہ اور آزاد لیکن غریب عورتوں سے بہتر ہے۔ مسلمانوں میں ناکتخدا اور بیوہ مستورات شاذونادر پائی جاتی ہیں اور اس سے بھی شاذ کوئی واقعہ ایسا ہوتا ہے کہ عورت شوہر سے نااتفاقی کی وجہ سے خودکشی کرے۔ ہماری مسلمان لڑکیاں اور بیبیاں تلاش معاش کے لئے مجبور نہیں ہوتیں اور اسلئے ڈاکخانوں اور تارگھروں کے مرد ملازمین کے نازیبا اور کریہ مذاق کا نشانہ نہیں بنتیں۔ بجائے اسکے کہ تھیٹروں۔ موسیقی خانوں۔ ہوٹلوں کی ملازمت اور بہت سے دیگر ناپاک طرق زندگانی اختیار کرنے کی کوشش کریں ہماری مستورات امن وامان خاموشی اور قناعت کے ساتھ اپنے گھروں میں زندگی بسر کرتی ہیں اپنے بچوں کو تعلیم وتربیت دیتی ہیں اور لطف زندگانی اٹھاتی ہیں

تمھیں یہ سنکر تعجب ہوگا کہ اگر ہم اپنی مستورات کو وہ آزادی دینا بھی چاہیں جو کہ یورپ کی عورتوں کو حاصل ہے تو وہ اُسے منظور نکرینگی۔ لہذا یہ الزام جو ہم پر عائد کیا جاتا ہے کہ ہم اپنی مستورات پر ظلم اور اُن سے بدسلوکی کرتے ہیں بے بنیاد اور بیجا ہے۔

رہا عرب تو اُسکے متعلق جہانتک میں نے دریافت حال کیا ہے اُسکا نتیجہ بھی یہی ہے کہ وہاں بھی مرد و عورت میں آزادانہ میل جول نہیں جسکے کہ حامیان آزادی یہاں مشتاق ہیں بلکہ میرے ایک عنایت فرما مولوی غلام محمد صاحب وکیل ندوۃ العلما نے تو مجھکو یہ کہنے کی اجازت دی ہے کہ عرب میں صرف اُسی طبقہ کی مستورات عموماً باہر نکلتی ہیں جس طبقہ کی کہ ہندوستان میں۔ مولوی صاحب موصوف کم و بیش ایک سال عرب کے مقدس ملک میں بسر کر چکے ہیں انکا بیان ہے کہ بعض طبقوں کی عورتیں یہاں ڈولی پالکی اور گاڑی کا استعمال کرتی ہیں ویسا ہی عرب میں بھی رواج ہے حتیٰ کہ ڈولیاں بھی وہاں رائج ہیں اور جو مفلس و غریب عورتیں مثل خوادہ فروشوں وغیرہ مستورات کے مجبوراً باہر نکلتی ہیں وہ اس حیثیت سے کہ علاوہ برقع کے پیروں میں موزے اور ہاتھوں میں دستانے یا کپڑا لپٹا رہتا ہے گویا کہ آپ اُن کے جسم کا کوئی حصہ نہیں دیکھ سکتے۔ اس صورت میں وہاں کا پردہ ہندوستان کے پردہ سے بھی زیادہ سخت و شدید ہے[۵۱]۔

رہی یہ بات کہ قرون اولیٰ میں عورتیں لڑائیوں میں شریک ہوتی تھیں مجکو اسکے صحیح ماننے میں مطلق عذر نہیں لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ وہ منہ کھولے پھرتی تھیں اور مردوں سے آزادانہ ملتی جلتی تھیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ فاتحان عرب جب لڑائی کو جاتے تھے تو اپنے اہل و عیال کو ہمراہ لے جاتے تھے لیکن عورتوں کا گروہ علیحدہ پیچھے پیچھے رہتا تھا وہ بطور سپاہیوں کے مردوں کے شانہ بشانہ نہیں چلتی تھیں اور نہ اسلئے ہمراہ جاتی تھیں

۵۱ اس مضمون کے لکھے جانے کے بعد روزانہ پیسہ اخبار مورخہ ۹ جون ۱۹۰۵ء میری نظر سے گذرا جس میں ڈاکٹر نور حسین صابر اپنے سفر حجاز کی ڈائری میں لکھتے ہیں مدینہ منورہ میں مستورات بازاروں میں پھرتی نظر نہیں [illegible]

کہ دشمن سے لڑینگی۔ جنگ یرموک میں عرب کی مستورات جو لڑیں وہ ایک خاص مجبوری کا موقع تھا جبکہ بہت سے مسلمان پشت دکھا کر بھاگے آتے تھے اور اُن کی یہ حالت دیکھکر مجبوراً اپنے خیموں کی چوبوں سے خود اپنے ہی مردوں کو عورتوں نے مارکر اور طعنے دیکر لڑائی کے لئے موڑا تھا ایسی اضطرابی اور خاص حالتوں سے جو آزادی عورتوں کی ظاہر ہوتی ہے اُسے بطور نمونہ پیش کرنا ہرگز قابل وقعت نہیں ہوسکتا اور وکلائے آزادی کے مقدمہ کے نہایت سُست ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ خولہؓ بنت ازور جو اپنے بھائی حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کو رومیوں کی قید سے رہا کرنے کے لئے جس طریقہ و انداز سے عربی فوج کے ساتھ ہو کر محاصرہ دمشق کے زمانہ میں لڑیں اُس سے ظاہر ہے کہ پردہ کی کس قدر احتیاط کرتی تھیں۔ ترجمہ فتوح الشام واقدی رحمتہ اللہ علیہ مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنو کے صفحات ۵۹ و ۶۰ میں یہ عبارت اُن کے متعلق ہے :-

"پھر خالد ابن الولید رضی اللہ عنہ اشعار رجز پڑھتے ہوئے آگے آگے اپنے لشکر کے روانہ ہوئے کہ ناگاہ دیکھا اُنھوں نے ایک سوار کو کمیت گھوڑے بلند قامت کوتاہ گردن پر اور اُسکے ہاتھ میں ایک بڑا نیزہ تھا اور نہیں ظاہر ہوتی تھی اُس سے کوئی شے سوائے کنارہ آنکھوں کے اور سوار کاری اور ہوشیاری اور دانائی اُسکی شکل و وضع سے اور شجاعت اُسکی باگیں گھوڑے کی پھیرنے سے ظاہر ہوتی تھی اور ڈھیلا کر دیا تھا اُس نے گھوڑے کی باگ کو اور جھکا ہوا تھا وہ گھوڑے کی زین پر گویا اُسمیں چھپاں تھا اور لباس سیاہ پہنے تھا اپنی زرہ کے اوپر اور مضبوط باندھے تھا اپنی کمر کو ایک چادر سے اور ڈالے ہوئے تھا اُسکو سینہ کی طرف سے پشت تک اور سب کے آگے مثل شعلۂ آگ کے جاتا تھا پس جب خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے اس حال سے اُسکو دیکھا کہا کہ کاش میں جانتا اس امر کو کہ یہ سوار کون شخص ہے اور قسم ہے خدا کی

کہ یہ سوار بہادر ہے پہر پیچھے اُسکے روانہ ہوے ..... (پھر کسیقدر لڑائی ہونے کے بعد) خالد
بن الولید نے اُسکو پکارا اور کہا کہ خدا تجکو جزا ے خیر دیوے کون شخص ہے تو کہ صبر کیا تو نے
اپنی جان کو اللہ کی راہ میں اور ظاہر کیا تو نے اپنے غصے کو دشمنانِ خدا پر کہول تو ہماری آنکھی کے
واسطے اپنے ڈہاٹے کو اعراض کیا اُس سوار نے خالد بن الولید سے اور کچھہ کلام نہیں کیا اُس سے
اور چھپایا اپنے تئیں لوگوں کے بیچ میں پس پکارا اور کہا اُس سے اہل عرب نے ہر طرف سے کہ
اے نیکمرد سردار تیرا تجکو پکارتا ہے اور تجہسے کلام کرتا ہے اور تو اُن سے اعراض کرتا ہے چل اپنے
سردار کے پاس اور بیان کر اپنا نام اور حال اپنے سردار سے تاکہ زیادہ کریں وہ بزرگ داشت
تیری سو اُس سوار نے اُن کی بات کا بہی کچھہ جواب نہ دیا پس جب خالد بن الولید رضی اللہ عنہ
کو حال اُسکا نہ کہلا خود اُسکے پاس گئے اور کہا کہ افسوس ہے تجہسے کہ میرے اور مسلمانوں کے دل
تیرے تحقیق حال میں متعلق ہیں سو تو کون شخص ہے پس جب خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے
اُس سے اصرار کیا تب جواب دیا اُس سوار نے اپنے ڈہاٹے کے نیچے سے اُن کو عورت کی
زبان میں اور کہا اُس نے کہ اے سردار نہیں روگردانی کی میں نے تمسے براہ نافرمانی کے ولیکن بسبب
حیا و شرم کے کسواسطے کہ میں پردے کی بیٹھنے والیوں سے ہوں اور نہیں کیا میں نے اس کام کو
مگر رنجیدگی دل کے سبب سے پس خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم کون ہو انہوں نے کہا
میرا نام خولہ رضہ ہے اور میں اَزْوَر کی بیٹی ہوں اور ضرار رضہ جو قیدی ہیں میرے بہائی ہیں اور میں عورات عرب
قوم مذحج میں بیٹھی تھی کہ دفعتہً مجھکو خبر قید ضرار رضہ کی پہونچی پس سوار ہوئی میں اور کیا میں نے جو کیا"
• یہ واقعہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کا ماہ جمادی الاول سنہ ۱۲ھ سے پہلے کا ہے اور
جو کیفیت رسم پردہ کی اس سے ثابت ہوتی ہے وہ عیاں ہے حالانکہ مسٹر سید امیر علی
صاحب ہسٹری آف دی سارا سنز میں فرماتے ہیں کہ فاتحان عرب میں پردہ کی

ابتدا دوسری صدی ہجری میں ہوئی اور کامل طور پر سختی کے ساتھ پردہ چودھویں صدی ہجری میں قائم ہوا۔ چھٹی صدی ہجری میں بعض اسلامی ممالک مین پردہ کی کیا حالت تھی اُسکا پتہ ان سطور سے لگتا ہے جو سفرنامہ ابن جبیر اندلسی سے اخذ کیگئی ہیں:-

تنوڑ:- فاصلہ پر نیل کے شرقی کنارے شہر قنا ہے۔ صعید کے نادر شہروں میں محسوب ہوتا ہے۔ عمارتیں بہت خوش وضع اور پر فضا ہیں یہان عورتیں گھروں سے باہر نہیں نکلتی ہیں۔ گلی کوچوں میں ہمنے کوئی عورت نہیں دیکھی۔ یہی کیفیت مقام دشنہ کی عورتوں کی سنی جاتی ہے۔ (حالات ماہ محرم ۵۷۹ھ) اس ماہ مبارک میں راتدن مرد عورتیں عمرہ کو جاتی ہیں ..... کعبہ شریف کا دروازہ روزمرہ کھلتا ہے۔ انیسویں تاریخ خاص عورتون کی داخلے کے واسطے ہے اُس روز کوئی مرد داخل نہیں ہوتا (حالات ماہ رجب المرجب ۵۷۹ھ) محرم ۵۸۰ھ کو جمعرات کے دن شام کو امیر مسعود مالک ارمن کی لڑکی ..... اپنی خواصوں کے ساتھ محمل میں سوار ہو کر روضہ اقدس کی زیارت کو آئی اُسکی جلو میں حبشی اور صقلابی جوان ہاتھوں میں لوہے کی چھڑیاں لیے ہوئے آگے بھیڑ کو روکتے جاتے تھے اور قاری کچھ پڑھتے جاتے تھے۔ بعض خدام بآواز بلند اُسکے اوصاف بیان کرکے دعائیں دیتے جاتے تھے۔ مسجد مبارک کے دروازہ پر پہونچکر محمل سے اُتری اور ایک چادر کی آڑ میں جسکو خدام ہر طرف سے تانے ہوئے تھے آگے بڑھی پہلے روضہ اقدس کے سامنے حاضر ہوکر سلام کیا پھر روضۂ صغیرہ میں نماز پڑھی پھر اُس حوض میں جو منبر کے سامنے ہے دوگانہ ادا کیا۔ اسکے بعد غربی دیوار کی جانب جاکر مہبط جبرئیل علیہ السلام میں ٹھہر گئی اُس جگہ خدام پردے ڈالکر باہر کھڑے ہو گئے اور اُسکے احکام کی تعمیل کرتے رہے۔ ان تمام حالتوں میں وہ عورت چادر کی آڑ میں پھرتی رہی۔ (حالات مدینہ منورہ مقدسہ)

مسٹر سید امیر علی صاحب نے اپنی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ گذشتہ زمانہ میں گھوڑدوڑ

اور تماشوں میں مستورات شریک ہوتی تھیں لیکن اس امر کی مفصل کیفیت نہیں بیان فرمائی کہ وہ کس درجہ اور طبقہ کی مستورات تھیں اور اسکا تو ذکر کیا کہ وہ بلا نقاب یا برقع ایسے موقعوں پر جاتی تھیں اور مردوں کے ساتھ آزادانہ ملتی جلتی تھیں دوسرے اگر فرض بھی کر لیا جاے کہ وہ آزادانہ ہر قسم کے مجمعوں میں شریک ہوتی تھیں تو اسکے بعد اس امر کی تحقیقات کی ضرورت ہوگی کہ اُن کے اخلاق کیسے تھے اور اُنکی آزادی ترقی کا باعث تھی یا تنزل کا علاوہ بریں جو اعتراضات کہ ہمنے ٹرکی کی نظیر کے متعلق اوپر کئے ہیں وہ اِس موقعہ پر بھی عائد ہوتے ہیں اور اس قسم کی نظائر کا کوئی اثر ہماری بحث پر نہیں پڑتا حضرت رابعہ بصری رضی اللہ عنہا کے تقدس و تبحر میں کسی کو کلام نہیں آپکو اس امر کی تائید میں پیش کرسکتے ہیں کہ عورتوں کو تعلیم دیجاے لیکن آزادی کی تائید میں آپ پیش نہیں کیجاسکتیں اسلئے کہ یہ کہیں ثابت نہیں کہ آپ بلا برقع یا نقاب کے بلا تکلف مردوں سے خلا ملا فرماتی تھیں۔ ملکہ نور جہاں بھی اپنے زمانہ کی ایک تعلیم یافتہ خاتون تھیں لیکن اس سے انکا مردوں سے بے پردہ ملنا جلنا یا بلا برقع یا نقاب کے باہر نکلنا ثابت نہیں ہوتا بلکہ ایک واقعہ سے تو صاف پابندی پردہ ظاہر ہوتی ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ اُسوقت کے ایک شاعر ایک مرتبہ نور جہاں کے سلام کے لئے حاضر ہوئے نور جہاں نے کہلا بھیجا کہ آپنے میری تعریف میں کبھی کوئی شعر نہ کہا۔ شاعر نے جواب دیا کہ جس کسی کو کبھی دیکھا ہی نہ ہو اُسکی کیا تعریف کیجاے۔ نور جہاں نے جواب میں یہ شعر پڑھا ؎ .

در سخن پنہاں شدم چوں بوے گل در برگ گل	میل دیدن ہر کہ دارد در سخن بیند مرا

ف تاریخ ہندوستان مصنفہ الفنسٹن مترجمہ شمس العلما مولوی محمد ذکاء اللہ خان بہادر۔

جبکہ میں پیشتر ثابت کرچکا کہ پردہ کسی طرح ہمارے لئے مضر نہیں بلکہ عورتوں کی تعلیم و تربیت وغیرہ باوجود پردہ کے ہماری اور اُنکی ضروریات کے مطابق عمدہ طور پر انتظام پاسکتی ہے تو ظاہر ہے کہ وہ قومی بربادی کا کسی طرح باعث نہیں ہوسکتا اور مسلمانوں کی قومی تباہی و بربادی اور موجودہ خستہ حالی کے کچھ اور ہی اسباب ہیں بیچارہ پردہ اس بارہ میں بالکل بیگناہ ہے اس صورت میں بلا کافی غور و خوض کے اس مفید رسم کو خیرباد کہنا کسقدر کوتاہ اندیشی اور سخت غلطی ہوگی جس سے طرح طرح کے نقصانات کا خوف ہے جسکے برے نتائج کی نظیر دوسری قوموں میں ہماری نظروں کے سامنے موجود ہے اور جنکی تشریح اُن ہی قوموں کے افراد کی تحریر و تقریر کے حوالہ سے اس مضمون میں کی گئی ہے۔

احکام شرعی متعلق پردہ

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ احکام شرعی پردہ کے بارہ میں کیا ہیں اور بعض حضرات نے جو پردہ مروجہ ہندوستان کو خلاف شرع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ کسقدر بے سروپا ہے۔ میرے نزدیک آیات قرآنی و احادیث اس مسئلہ کے متعلق اس قدر صاف و صریح ہیں کہ ہمیں نہ تو تاویلوں کی کوئی ضرورت اور نہ زیادہ بحث سے غرض ہے قرآن شریف میں احکام پردہ دو سورتوں میں نازل ہوئے ہیں ایک تو سورۂ نور میں جو کہ اٹھارویں پارہ میں ہے اور دوسرے سورۂ احزاب کی اُن آیتوں میں جو کہ بائیسویں پارہ میں واقع ہوئی ہیں۔ اِن سورتوں کی نسبت یہ کہنا ضروری ہے کہ گو بلحاظ ترتیب قرآن پاک سورۂ نور سورہ احزاب سے پہلے ہے لیکن بلحاظ نزول آخرالذکر مقدم ہے۔ سورہ احزاب

چوتھے یا پانچویں سال ہجرت کے مدینہ منورہ میں نازل ہوئی غزوہ خندق اسی زمانہ میں واقع ہوا اور اسی کے نام سے اسکا نام احزاب[۵۱] ہوا۔ سورۂ نور بھی مدنی ہے اور بعد سورۂ احزاب کے پانچویں سال ہجرت کے نازل ہوئی۔ حضرت عایشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جو بہتان لگایا گیا تھا اور واقعہ افک کے نام سے مشہور ہے پانچویں سال ہجری میں پیش آیا تھا اور سورۂ نور اُسکے بعد کی ہے۔ پس آیات قرآنی پردہ کے بارہ میں مفصلہ ذیل ترتیب سے نازل ہوئی ہیں :-

سورۃ احزاب

الف - یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۝

الف - اے نبی کی بیبیوں تم کسی اور عورت جیسی نہیں ہو اگر تم اللہ سے ڈرتی رہو تو کلام میں نرمی نکرو کہ جسکے دل میں مرض ہو وہ طمع کرے اور معقول بات کہو اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہا کرو اور دکھاتی نہ پھرو جیسا کہ پہلے جاہلیت کے زمانہ میں دکھاتی پھرا کرتی تھیں اور نماز ادا کرو اور زکوۃ دیا کرو اور اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے گھر والو تم میں سے ناپاکی دور کرے اور تم کو خوب پاک کرے۔

[۵۱] احزاب کے معنی ہیں جماعتیں اور گروہ۔ چونکہ اس سورہ میں اُن جماعتوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے مدینہ طیبہ کو گھیر لیا تھا جنکی مدافعت کے لئے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر کے اردگرد خندق کھدوائے تھے اس لئے اس سورہ کا نام سورہ احزاب ہو گیا۔

ب ۔ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ط

ب ۔ اور جب نبی کی بیبیوں سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگو ۔ اسمیں تمہارے اور اُنکے لئے بہت پاکیزگی ہے ۔

ت ۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○

ت ۔ اے پیغمبر اپنی بیبیوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہدو کہ اپنی چادروں کے[۵۱] گھونگھٹ نکال لیا کریں اس سے غالباً یہ پہچان پڑیگی (کہ نیک بخت ہیں) اور کوئی چھیڑے گا نہیں ۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

سورۂ نور

ج ۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ص وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اِخْوَانِهِنَّ

۵۲

(اے پیغمبر) مسلمانوں سے کہو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں ۔ اسمیں اُنکی زیادہ صفائی ہے (لوگ) جو کچھ بھی کیا کرتے ہیں اللہ کو (سب) خبر ہے اور (اے پیغمبر) مسلمان عورتوں سے کہو کہ (وہ بھی) اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مقامات) کو ظاہر ہونے دیں مگر جو اُسمیں سے (چہرہ) وناچار کھلا رہتا ہو (تو اسکا ظاہر ہونا مضایقہ کی بات نہیں) اور اپنے سینوں پر دوپٹوں کے بکل مارے رہیں اور اپنی زینت (کے مقامات) کو کسی پر ظاہر ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے خاوند کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر[۵۲]

۵۱ تفسیر حقانی میں اسکا ترجمہ "وہ اپنے مونہوں پر نقاب ڈال لیا کریں" ہے ۔ ۵۲ یہ مولوی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ ہے تفسیر حقانی میں "نگاہ بند رکھا کریں"

اَوْ بَنِیْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ص وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ - - - - - - -

یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی (میل جول کی) عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال[۱۵] (یعنی لونڈی غلاموں) پر یا (دُگھر کے لگے ہوئے (ایسے) خدمتگار مردوں پر (کہ عورتوں سے کچھ) غرض (و مطلب) نہیں رکھتے (جیسے خواجہ سرا یا بڑے بوڑھے) یا لڑکوں پر جو عورتوں کے پردے (کی بات) سے آگاہ نہیں اور (چلنے میں) اپنے پاؤں ایسے زور سے نہ رکھیں کہ (لوگوں کو) انکے اندرونی زیور کی خبر ہو اور مسلمانو تم سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ تم (آخر کار) فلاح پاؤ

الف کا منشا تو صاف ہے کہ جیسے زمانۂ جاہلیت میں مستورات آزادانہ بلا پابندی پردہ باہر پھرا کرتی تھیں اُسکی ممانعت ہوگئی اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد پردہ فرض ہوا تاہم بضرورت شرعیہ جیسے حج و عمرہ وغیرہ ہیں اور نیز قضائے حاجت کے لئے ازواج مطہرات و دیگر نساء المسلمین چادروں میں لپٹی ہوئی شب کے وقت آبادی کے باہر جایا کرتی تھیں اسلئے کہ اُسوقت مدینہ منورہ میں بیت الخلانہ تھے اس حکم کے متعلق بلحاظ عبارت کلام پاک بعض صاحبوں کا خیال ہے کہ یہ محض اُمہات المومنین کے لئے مخصوص تھا عام مستورات اسمیں شامل نہیں ہیں لیکن بہت سے بزرگوں کی راے ہے کہ اس حکم میں عام مستورات داخل ہیں اور یہی صحیح بھی معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ قرآن شریف میں ایسی نظیریں موجود ہیں کہ گو خطاب خاص شخص سے کیا گیا ہو تاہم اُس سے مراد عام ہوتی ہے مثلاً سورۂ بنی اسرائیل میں خداوند تعالیٰ گو صرف آنحضرت صلعم کو اس طرح مخاطب فرماتا ہے وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا[۱۶] لیکن اسمیں عام

۱۵؎ تفسیر حقانی میں اسکا ترجمہ "اپنی مملوک (لونڈی)" کیا گیا ہے ۱۶؎ نہ ٹھیرا اللہ کیساتھ دوسرا حاکم پھر بیٹھ رہیگا تو الزام پاکر بیکس ہو کر

امت داخل ہے [۵۱] ۔ دوسرے خود اس آیت زیر بحث میں نماز و زکوۃ کی جو ہدایت کی گئی ہے وہ بھی امہات المومنین تک محدود نہیں ہوسکتی ظاہر ہے کہ عام مستورات کے لئے بھی یہی حکم ہے ۔ بہرحال اس حکم سے عام بیبیوں کے لئے گھر میں رہنا اور باہر نہ نکلنا بعض بزرگوں کے نزدیک واجب ہے اور اسکے مستحب ہونے سے تو مشکل سے انکار کیا جاسکتا ہے اسلئے کہ آنحضرت صلعم کے اہل بیت سے ہر مسلمان کو محض سچی محبت و ادب ہی ملحوظ نہ رکھنا چاہیئے بلکہ اُن کے طریقہ کی سچی پیروی کرنا لازم ہے ۔ عقل سلیم بھی یہی چاہتی ہے کہ جس صورت میں کہ ایسی عفت و تقدس مآب مستورات کے پاک و صاف رکھنے کے لئے جیسی کہ ازواج مطہرات تھیں خداوند جل و علا نے اُن کا مکانوں میں رہنا اور باہر نہ نکلنا مناسب و ضروری سمجھا تو عام عورتوں کے لئے تو بدرجۂ اولیٰ اُسکی اشد ضرورت ہونی چاہیئے ۔

ب ۔ متذکرہ بالا حکم کے بعد بھی گو اُمہات المومنین بلا ضرورت جسکی اوپر تشریح ہوئی ہے باہر نجاتی تھیں تاہم آنحضرت صلعم کی خدمت بابرکت میں لوگ حاضر ہوتے تھے تو پورا پورا پردہ بوجہ قلت مکانیت وغیرہ ممکن نہوتا تھا ۔ چنانچہ روایت ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح ہونے پر حضرت فخر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت ولیمہ کی تو جس کمرے میں لوگ کھانا کھانے کے لئے جمع ہوئے تھے اُسی کے ایک گوشہ میں دیوار کی جانب [۵۲] منہ کئے ہوئے حضرت زینب بیٹھی رہیں ۔ ضرور ہے کہ اس قسم کے موقعے اور بھی پیش آئے ہونگے کہ لوگوں کی حاضری کے وقت ازواج مطہرات

[۵۱] بیضاوی جلد اول [۵۲] تفسیر حسینی جلد ثانی صفحہ ۲۰۵ ۔

کو اس طرح تکلیف اور کمی پردہ کے ساتھ بیٹھنا پڑتا تھا اور غالباً یہی سبب تھا جیسا کہ بخاری شریف میں بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کئی بار آنحضرت صلعم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے پاس نیک و بد سب طرح کے آدمی آتے ہیں اگر اُمہات المومنین کو پردہ کا حکم ہو جائے تو بہتر ہے پس آیت حجاب نازل ہوئی۔

اسی آیت کے متعلق حضرت عایشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے [۵۷]:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں رات کو ایک کشادہ میدان میں رفع ضرورت کے لئے جاتی تھیں اور حضرت عمرؓ رسول اللہ صلعم سے کہا کرتے تھے کہ اپنی عورتوں کو چھپایئے مگر رسول اللہ صلعم اسکا کچھہ خیال نہ فرماتے تھے ایک روز رات کو عشا کے وقت جناب رسالت مآب کی بی بی حضرت سودہؓ بنت زمعہ نکلیں آپ لانبے قد کی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے دیکھکر آواز دی کہ اے سودہؓ ہمنے تمہیں پہچان لیا اس سے آپکی آرزو تھی کہ حجاب نازل ہو پس اللہ تعالےٰ نے حجاب نازل کیا۔

اسی قسم کی ایک حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے جسمیں آیت حجاب کا ذکر نہیں ہے لیکن اتنا اور زیادہ ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت سودہؓ کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تو آپ نے فرمایا" قد اذن لکن ان تخرجن فی حوائجکن یعنی "تمہارے لئے اجازت ہے کہ اپنی ضرورتوں کیلئے باہر نکلا کرو" لیکن بخاری شریف میں ایک روایت کے ذریعہ سے " حوائجکن" کی تشریح یہ کی گئی ہے کہ اس لفظ سے صرف قضائے حاجت مراد ہے۔ اسیطرح امام نووی صاحب فرماتے ہیں " قال الہشام المراد لحاجتہن الخروج للغائط لا لکل حاجۃ" یعنی "ہشامؒ نے کہا ہے کہ اُن کی حاجتوں

---

[۵۷] رسالہ الحجاب صفحہ ۷، منقول از بخاری شریف باب خروج النساء الی البراز۔

سے مراد قضائے حاجت کے لئے نکلنا ہے ہر ایک ضرورت کے لئے خروج مراد نہیں"
" آیت حجاب کا اطلاق بھی سب مسلمانوں کی عورتوں پر ہے جیسا کہ سند رجہ ذیل عبارت[۵۱]
سے صاف ظاہر ہے۔

در خبر است کہ بعد از نزول آیت حجاب حکم شد تا ہمہ زناں پردہ نشین شدند پدران
و برادراں و خویشاں گفتند یا رسول اللہ چوں حکم شد کہ زناں پردہ نشین شوند مارا نیز از پس حجاب
با ایشاں گفت و شنید باید کرد۔

اسپر حکم ہوا کہ محارم اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں "مگر
اس حکم میں بھی اور عورتیں شریک ہیں۔ اُن کے لئے بھی یہی حکم ہے کہ پردے میں رہا کریں
اور بجز محرموں کے اور کوئی نہ جایا کرے اور یہ بھی آواز دیکر" جناب حجت الاسلام حضرت
امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ بھی اس آیت سے عام مراد لیتے ہیں۔

ت۔ اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب تک گھروں میں پاخانے نہ بنے تھے
ازواج مطہرات و نیز دیگر نساء المسلمین قضائے حاجت کے لئے باہر نکلا کرتی تھیں
منافقین اُن سے راہ میں چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے اور جب اُن سے شکایت کی جاتی
تھی تو کہتے تھے کہ ہمنے لونڈی جانکر چھیڑا تھا پہچانا نہیں کہ یہ شریف زادیاں ہیں۔ اسپر
یہ حکم نازل ہوا کہ نبی صلعم کی بیبیاں و بیٹیاں اور مسلمانوں کی عورتیں جب بضرورت
باہر نکلیں تو چادر اوڑھکر اور چہرہ چھپا کر تا کہ معلوم ہو جائے کہ لونڈیاں نہیں ہیں کیونکہ
اُسوقت کی رسم کے مطابق آزاد عورتیں تو سر چھپاتی اور چادر میں لپٹی ہوتی تھیں اور
لونڈیوں کا سر کھلا رہتا تھا چنانچہ اس آیت کے شانِ نزول کے بارہ میں تفسیر حسینی

---

۵۱ تفسیر حسینی جلد دوم صفحہ ۲۰۵۔

(جلد دوم صفحہ ۲۰۷) میں یہ روایت ہے :-

دراں وقت حرائر را علامت آں بود کہ سر پوشیدہ در راہ رفتندے وجواری سر برہنہ بودندے چوں آں بدکاراں (اشارہ ہے چھیڑنے والوں کی طرف) از مہ پوشیدگاں حاشی مینمودند لاجرم آیت آمد۔

اس آیت میں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ ازواج مطہرات کے علاوہ عام نساء المسلمین سے خطاب کیا گیا ہے جس سے کہ حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمتہ اور ان دیگر بزرگوں کی اس رائے کی پورے طور پر تصدیق ہوتی ہے کہ پچھلی آیات میں بھی عام مستورات داخل ہیں صرف ازواج مطہرات ہی تک ان کا اطلاق محدود نہیں ہے۔

اس آیت کے بارہ میں ان حضرات کی عبارت پر مجھے سخت تعجب ہے جو کہتے ہیں کہ اس سے عورتوں کے لئے منہ چھپانا ثابت نہیں ہوتا۔ "جلابیب، جمع ہے جلباب کی جسکے معنی ہیں "بڑا کپڑا اوڑھنا وغیرہ کہ جس سے تمام بدن سر سے پاؤں تک ڈھک جائے"[۹۵] اور اس آیت کے مختلف ترجمے یہ ہیں :-

مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی - - اپنی چادروں کے گھونگٹ نکال لیا کریں۔

مولوی عبدالحق صاحب دہلوی - - اپنے موہنوں پر نقاب ڈال لیا کریں۔

مولوی شاہ ولی اللہ صاحب - - فرو گذارند بر خود چادرہائے خود

سعدی علیہ الرحمتہ - - فرو گذارند بر خود از چادرہائے خود

تفسیر حسینی - - - فرو گذارند بر رویہا، بدنہائے خویش چادرہائے خود را یعنی وجوہ و ابدان خود را پوشند۔

---

۹۵ تفسیر حقانی جلد ششم صفحہ ۹۰۔

مولوی رفیع الدین صاحب ۔ ۔ نزدیک کرلیں اوپر اپنے بڑی چادریں اپنی۔

" شاہ عبدالقادر صاحب ۔ ۔ نیچی لٹکالیں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں۔

اِن ترجموں کو دیکھکر کیونکر کسی صاحب کو یہ کہنے کی جرارت ہوسکتی ہے کہ اِس آیت سے منہ چھپانا مراد نہیں ہے اور نیز شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ سے کہاں اِسکی نفی نکلی جسکی بنا پر مولوی محمد احسان اللہ صاحب عباسی اپنی کتاب "الاسلام" کے صفحہ ۵۴۷ میں مولوی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ پر معترض ہیں اور کہتے ہیں کہ شمس العلما صاحب کو ممکن ہے کہ "دہوکا ہوا ہو مولوی عبدالقادر صاحب کے حاشیہ سے جسمیں لفظ گھونگھٹ کا استعمال کیا گیا ہے یا تفسیر حسینی میں جو عبارت ایں پوشیدن سر و روے و بدن است ہے اُس نے انکو مغالطہ دیا ہو" میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنے اوپر چادر لٹکانے سے خصوصاً جبکہ یہ چادر خمار یعنی دوپٹہ کے علاوہ ہے جس سے کہ سینہ چھپانیکا حکم ہے سوا اِسکے کیا مراد ہوسکتی ہے جیسا کہ تفسیر حسینی میں اس آیت کے متعلق شان نزول کی روایت سے صاف روشن ہے کہ عورت کا منہ چھپ جائے تفسیر ابو السعود (برحاشیہ تفسیر کبیر صفحہ ۱۰۸ جلد ششم) اور بیضاوی جلد دوم صفحہ ۱۸۶ میں مذکور ہے :-

" یدنین - ای یغطین بھا وجوھھن وابدانھن اذا برزن لداعیۃ من اللہ داعی" یعنی عورتیں جب کسی ضرورت کے لئے باہر نکلیں تو اُن کو منہ اور بدن چادروں سے چھپا لینا چاہیئے۔[۵۱]

ج - واضح رہے کہ اِس آیت میں بھی جملہ نسا والمسلمین مخاطب کی گئی ہیں جنہیں کہ

---

[۵۱] الحجاب صفحہ ۵۳ مصنفہ مولوی محمد یوسف صاحب۔

از واج مطہرات بھی داخل ہیں۔ جو حضرات کہ چہرہ کھولکر عورتوں کے باہر چلنے پھرنے کے جواز کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس آیت کے معنی بیان کرنے میں جس قدر غلطی کرتے ہیں وہ نہایت حیرت انگیز و قابل افسوس ہے۔ اس آیت میں حکم ہے کہ مسلمانوں کی عورتیں اپنی نظریں نیچی رکھیں اور زنا سے بچیں اور اپنی زینت کو ظاہر ہونے دیں مگر جو اُس سے چارو ناچار کھلا رہتا ہے اور پھر اسکے بعد ہی ارشاد ہوتا ہے کہ اپنی زینت کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا دیگر محارم پر جنکی تشریح کہ اس آیت میں کی گئی ہے وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ الخ میں صرف عام لفظ زینت کا آیا ہے جسمیں کہ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا[۵۱] سے جو زینت مستثنیٰ کی گئی تھی وہ بھی داخل ہے گویا کہ زینت ظاہری یا خلقی سوائے اُن محارم کے جنکی تخصیص بلفظ اِلَّا سے ہوتی ہے اور کسیکو نہ دکھائیں۔ اس آیت سے یہ کیونکر ثابت ہوا جیسا کہ مولوی سید ممتاز علی صاحب[۵۲] و مولوی احسان اللہ صاحب عباسی[۵۳] کی رائے ہے کہ زینت ظاہری کو ہر شخص کے روبرو دکھلانا جائز ہے۔ مجھے نہایت سخت تعجب ہے کہ اسقدر واضح حکم کے ہوتے ہوئے کیونکر اِن صاحبوں و نیز دیگر حضرات نے اس

[۵۱] مولوی نذیر احمد صاحب فرماتے ہیں:- مفسروں نے ما ظہر منہا کی کئی توجیہیں کی ہیں کوئی کہتا ہے منھ کی ٹکلیا اور ہاتھ کوئی کہتا ہے کپڑا کوئی کہتا ہے زیور جیسے انگوٹھی چھلا یا مہندی وغیرہ۔ ہم نے زینت کے مقامات کو اختیار کر لیا لیکن اصل بات یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے ما ظہر کا معیار جدا گانہ ہے ہر ایک عورت آپ اپنے لئے تجویز کرے کہ باس شرم و حیا کے ساتھ دنیا کے کاروبار کے لئے اُسے کون سی چیز بمجبوری کھلی رکھنی ضرور ہے۔

[۵۲] حقوق النسواں صفحہ ۶۴۔ [۵۳] الاسلام صفحہ ۷۵۲۔

قسم کی رائے قائم کی۔ اسی آیت میں مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُنَّ کا ترجمہ صاحب تفسیر حقانی نے "اپنی مملوک" کیا ہے اور اس سے صرف لونڈی مراد لی ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف لونڈیاں مراد ہیں غلام نہیں اس لئے کہ غلام اجنبی ہے نہ محرم ہے نہ شوہر اور شہوت رکھتا ہے اور اس سے نکاح بھی درست ہے جب غلام سے پردہ کرنا ضروری ہے تو ظاہر ہے کہ معمولی نوکر چاکر سے تو بے پردگی کسی طرح جائز ہی نہیں ہو سکتی۔ غرضکہ اس آیت سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ بحالت مجبوری باہر نکلنے کے موقع پر جو منہ چھپانے کا حکم تھا اُسمیں اگر کسی صاحب کو شک وشبہ رہا ہو تو وہ بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ نامحرم اشخاص عورت کا کوئی حصہ نہیں دیکھ سکتے۔

اس آیت کے بالکل ہی پہلے تدبیر منزل کے متعلق ایک اور قابل لحاظ حکم ہے جس میں خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[۵۱] یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَھْلِھَا ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْھَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْھَا حَتّٰی یُؤْذَنَ لَکُمْ ج وَاِنْ قِیْلَ لَکُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا ھُوَ اَزْکٰی لَکُمْ ط وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ○ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ فِیْھَا مَتَاعٌ لَّکُمْ ط وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَکْتُمُوْنَ ○ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ الخ۔

---

[۵۱] اے ایمان والو اپنے گھروں کے سوا اور کسیکے گھر میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ اجازت نہ لو اور وہاں کے لوگوں پر سلام نہ کر لیا کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم سمجھو۔ پھر اگر وہاں کسیکو نہ پاؤ تو اندر نہ جاؤ جب تک کہ تمکو اجازت نہ دیجائے اور اگر تمکو کہا جائے پھر جاؤ تو پھر آؤ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کیا کرتے ہو۔ تمپر کچھ گناہ نہیں کہ ایسے گھر میں جاؤ کہ جہاں کوئی نہیں بستا اسمیں تمہارا اسباب ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم دل میں مخفی رکھتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو۔ (اے پیغمبر) مسلمانوں سے کہو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں۔ الخ

اسکے جیساکہ بعض حضرات کی رائے ہے یہ معنی نہیں ہیں کہ آواز دیکر اور اجازت پاکر غیر واجنبی مرد مکانوں میں چلے جائیں اور عورتیں منہ کھولے ہوئے اُن کے سامنے آئیں۔ اسکی ممانعت بعد کی آیت سے صریح طور پر عورت کو یہ حکم دیکر کردی گئی کہ وہ اپنی زینت خواہ ظاہری ہو یا باطنی سوائے محارم کے اور کسی کو نہ دکھائے۔ مکانوں میں بلا اذن نہ جانے کا جو حکم ہے اسمیں مرد محرم بھی داخل ہے اسلئے کہ آگے چلکر اس امر کی یوں تشریح کردیگئی کہ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط یعنی "جب تمہارے لڑکے حدِ بلوغ کو پہونچیں تو جس طرح سے اگلے (یعنی ان سے بڑی عمر کے گھروں میں آنے کے لئے) اذن مانگا کرتے ہیں (اسی طرح) انکو بھی اذن مانگنا چاہیئے" اور چونکہ اس بارہ میں تو ہدایت پہلے ہی ہو چکی کہ مستورات کو مرد محرم کے سامنے بھی ایسے پردہ کے ساتھ رہنا چاہیئے کہ سوائے اُس حصہ جسم کے جسکا کام کاج میں مجبوراً کھلا رکھنا پڑتا ہے باقی سب جسم ڈھکا رہے اس جگہہ اطفال بالغ کے مکاں میں آنے کے ذکر کے ساتھ ہی یہ بھی صراحت کردی گئی کہ "اُن عمر رسیدہ عورتوں پر جنکو نکاح کی رغبت نہ رہے کچھ گناہ نہیں اگر وہ اپنے کپڑے (چادر وغیرہ) اُتار رکھا کریں نہ یہ کہ مقامات زینت کو کھول دیں اور اگر اس سے بھی بچیں تو ان کے لئے بہتر ہے" یہ کلام پاک کے ان الفاظ کا ترجمہ ہے وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاۗءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ۭ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ط

اللہ! اللہ! خدائے عز و جل کے احکام میں تو اسقدر تاکید اور ہمارے آزادی کے دلدادہ حضرات فرمائیں کہ کسی عورت کے محرم رشتہ دار کی موجودگی میں غیر مرد کا بلا تکلف

اُسکے پاس جانا اُس حالت میں جبکہ عورت کا چہرہ بہی کھلا ہو جائز ہے ؟!

متذکرہ بالا آیات قرآنی سے سوائے اسکے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا کہ ابتدائے اسلام میں زمانۂ جاہلیت کی طرح مستورات بلا نقاب یا برقع آزادانہ باہر نکلا کرتی تھیں اسکی ممانعت اولاً تو آیت وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ الخ سے ہوئی پھر آیت حجاب کے ذریعے اور زیادہ تاکید کی گئی لیکن چونکہ اُسوقت مکانوں میں بیت الخلا نہیں بنے تھے اسلئے مجبوراً مستورات قضائے حاجت کے لئے شب کے وقت باہر جایا کرتی تھیں چنانچہ مولوی نذیر احمد صاحب اپنے ایک نوٹ میں لکھتے ہیں :-

"پیغمبر صاحبؐ کے عہد میں مدینے کی ایسی حالت تھی جیسے ہمارے یہاں دیہات کی گھروں میں بیت الخلا نہیں تھے۔ شریف زادیاں قضائے حاجت کے لئے جھٹ پٹے کا وقت دیکھکر آبادی کے باہر چلی جاتی تھیں اور بدوضع لوگ کسیکو آتے جاتے دیکھ پاتے تو اُسکو چھیڑ بیٹھتے - اور اُن کو اولاہنا دیا جاتا تو جواب دیتے کہ ہمنے لونڈی سمجھا تھا۔ اس طرح کی چھیڑ چھاڑ کے انسداد کے لئے شروع میں یہ حکم دیا گیا کہ شریف زادیاں گھونگٹ نکال کر آیا جایا کریں - پھر تو اسلام کی ترقی کے ساتھ مدینہ بڑا شہر ہو گیا لوگوں نے گھروں میں بیت الخلا بنائے اور مستورات کو قضائے حاجت کے لئے بستی کے باہر جانے کی ضرورت باقی نہ رہی" اسکے بعد مکانوں میں بلا اذن جانا موقوف کر دیا گیا اور اس امر کی نہایت واضح طور پر تشریح کر دیگئی کہ سوائے محارم کے عورت کو اپنے جسم کا کوئی حصہ کسی کو نہ دکھلانا چاہیئے۔ زنا کی جس سختی کے ساتھ کہ اسلام میں ممانعت کی گئی ہے اور کسی مذہب میں اسقدر تشدد اس بارہ میں نہیں ہے اور یہی سبب ہے کہ جو امور اسکے مؤید یا اسکا باعث ہوتے ہیں یعنی مردوں اور عورتوں کی مجالست و

مخالطت حتی کہ ایک دوسرے کے دیکھنے بھالنے تک کی اسلام نے نفی کی ہے ۔ ہر غور کرنے والے شخص کے لیے محض وہ حدیث شریف جسمیں کہ مرد کو اجازت دیگئی ہے کہ نکاح کی غرض سے عورت کو ایک نظر دیکھ لے اس امر کے ثبوت کے لئے کافی ہے کیونکہ اگر بقول مخالفین پردہ عام طور پر منہ کھولکر عورتوں کو چلنے پھرنے کی اجازت ہوتی تو اس حدیث کی کوئی ضرورت نہ تھی اسلئے کہ ہر شخص جس عورت کو چاہتا دیکھ سکتا تھا پھر اجازت کے کیا معنی۔

کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ مبارک میں مستورات مساجد میں جایا کرتی تھیں۔ اس سے مجھے انکار نہیں لیکن غور طلب یہ امر ہے کہ باوجودیکہ یہ مسلمہ ہے کہ وہ کیسا زمانہ خیر و تقدس و برکت کا تھا لیکن صرف عشا و فجر کی نماز میں عورتیں شریک ہوتی تھیں اور وہ بھی اسطرح کہ اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی ہوتی تھیں اور اس حالت میں گھروں کو لوٹ جاتی تھیں کہ کوئی انکو نہیں پہچانتا تھا یہ واقعہ حضرت عایشہ رض سے صحیح بخاری میں بحوالہ عروہ رض بیان[له] کیا گیا ہے۔ اسی مضمون کی ایک اور حدیث بھی بخاری شریف میں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں فجر کی نماز سے اس حالت میں واپس ہوتی تھیں کہ آپس ہی میں ایک دوسرے کو نہیں پہچان سکتی تھیں۔ ساتھ ہی یہ کسقدر پر معنی امر ہے کہ جناب سرور کائنات کے اقتدا اور مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کی فضیلت پر عورتوں کے اپنے مکانوں میں نماز ادا کرنے کو ترجیح دی گئی ہے چنانچہ حضرت ختم المرسلین نے فرمایا ہے کہ اپنی عورتوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکو مگر یہ ضرور ہے کہ میلے کچیلے کپڑے پہنکر نکلیں اور اُن کے لئے گھروں میں نماز پڑھنا

له الحجاب صفحہ ۱۷ -

مسجد میں آنے سے بہتر ہے اور بجائے صحن کے مکان کے اندر کے حصہ میں اور بجائے باہر کی کوٹھری کے اندر کی کوٹھری میں نماز ادا کرنا افضل ہے[۵۱]۔ اسیطرح حضرت ام المومنین ام سلمہؓ سے روایت ہے[۵۲] کہ فرمایا آنحضرت صلعم نے کہ عورتوں کی بہتر مسجد انکی کوٹھریوں کے قعر ہیں۔ ضرور ہے کہ ان ہی احکام کی بنا پر حضرت فاروق اعظم عمر ابن الخطابؓ نے بعد کو عورتوں کے مسجد میں آنے کی ممانعت کردی اور جب عورتوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے شکایت کی تو ام المومنین نے فرمایا کہ اگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری اب جیسی حالت دیکھتے تو جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں ممنوع ہوئی تھیں تم بھی منع کی جاتیں[۵۳]۔ کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کی طرح حق شناس وکامل بزرگ جنکی ہر لحظہ یہ کوشش ہو کہ راہ حق سے سر مو قدم ادھر ادھر نہ جانے پائے جنہیں مجسم اسلام کہنا ہرگز بیجا نہیں۔ جنپر اسلام جسقدر فخر کرے تھوڑا ہے اور جنکی ذات پاک کا جو کچھ احسان مسلمانوں پر ہے اور قیامت تک رہیگا اُس سے اسلامی تاریخ سے ذرا بھی دلچسپی رکھنے والا بیخبر نہیں ہوسکتا میں کہتا ہوں کہ کیا یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ ایسے انسان سے ایسا فعل سرزد ہو جو کہ احکام الٰہی یا سنت رسول اللہ کے خلاف ہو ؟ ہرگز نہیں۔ میرے نزدیک یہ آسان ہے کہ آفتاب بجائے دن کے شب کو نکلنے لگے اور ماہتاب دن کے وقت نور افشاں ہو لیکن فاروق اعظمؓ کی ذات باکمال سے یہ مطلقاً محال ہے کہ

---

۵۱ مشکوۃ شریف اردو جلد اول صفحہ ۲۵۴ و لطائف رشیدیہ مصنفہ مولانا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی صفحات ۲۴ و ۲۵ ۵۲ عین الہدایہ ترجمہ ہدایہ جلد اول صفحہ ۴۵۰ ۵۳ عین الہدایہ جلد اول صفحہ ۴۵۰ ۔ اکسیر ہدایت ترجمہ کیمیائے سعادت صفحہ ۵۰ ۔ لطائف رشیدیہ صفحہ ۳۵۔

اگر احکام شریعت کے ذرا بھی خلاف ہوتا تو وہ مستورات کو مسجد میں آنے سے باز رکھتے۔

یہاں مفصلۂ ذیل احادیث واقوال بھی قابل لحاظ ہیں:۔

(۱) رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ عورتوں کے حق میں کونسا امر بہتر ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ یہ بہتر ہے کہ نامحرم مرد اُن کو نہ دیکھے اور کسی غیر مرد کو وہ نہ دیکھیں۔ آنحضرتؐ کو یہ بات پسند آئی اور حضرت فاطمہؓ کو گلے لگاکر فرمایا کہ تو میری جگر پارہ ہے (اکسیر ہدایت صفحہ ۱۴۹)۔

(۲) مشکوٰۃ شریف میں ابی السائبؓ نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ اُن کے مکان کے قریب ایک جوان رہتا تھا جسکی نئی شادی ہوئی تھی غزوہ خندق کے زمانہ میں وہ بھی مسلمانوں کی فوج کے ہمراہ تھا اور جناب رسالتمآبؐ سے اجازت لیکر روزانہ دوپہر کے وقت مکان جایا کرتا تھا ایک روز مکان گیا تو دیکھا کہ اسکی عورت چوکھٹ پر کھڑی ہے (الفاظ حدیث "امرائتہ بین البابین قائمۃ") جوان کو غیرت معلوم ہوئی اور نیزہ بڑھاکر عورت کو مارنا چاہا اُسنے کہا پہلے گھر میں داخل ہوکر دیکھہ تو لو کہ کس چیز نے مجھے باہر نکلنے پر مجبور کیا ہے۔ جوان گھر میں گیا اور ایک بڑے سانپ کو دیکھا الخ۔

شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی اشعتہ اللمعات میں فرماتے ہیں "جوان را غیرت گرفت کہ چرا بیروں آمدی" اِس سے ظاہر ہے کہ مستورات کا اُسوقت باہر نکلنا مذموم خیال کیا جاتا تھا۔ والحجاب صفحہ ۶۵)۔

(۳) عورت ستر ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو (مردوں کی نظروں میں) اُسکو شیطان اچھا کرکے دکھاتا ہے (مشکوٰۃ شریف اردو جلد ثانی صفحہ ۳۰۷)۔

اسمیں آنحضرت صلعم نے عورت کے سب بدن کو ستر فرمایا کسی عضو کا استثنا نہیں کیا اور خروج کو کسی قسم کی شرط کا پابند نہیں فرمایا۔ اُسکا نکلنا ہی شیطان کو موقع دیتا ہے۔ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں "وازینجاست کہ زن را عورت میگویند" گویا کہ عورت کا نام ہی اُسکے تمام اعضا کے ستر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

(۴) نہ اکیلا ہو مرد ساتھ عورت اجنبیہ کے (مشکوٰۃ شریف اردو جلد ثالث صفحہ ۴۷۳)۔

اس سے مرد و زن کی مخالطت و مجالست کی ممانعت ظاہر ہے۔

(۵) صحیح مسلم میں عقبہ ابن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورتوں پر داخل ہونے سے بچو (چونکہ اس سے مطلق اُنکے پاس جانے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اور دیور ہر وقت کا گھر میں آنے جانے والا قریبی رشتہ دار ہے اسلئے) ایک شخص کو وہم ہوا اور اُس نے پوچھا یا رسول اللہ آپ دیور کے بارہ میں ہمکو کیا کہتے ہیں (یعنی کیا وہ بھی نہ داخل ہو) آپ نے فرمایا کہ دیور تو موت ہے۔ امام نوویؒ اسکی تشریح میں فرماتے ہیں کہ "اس سے غرض یہ ہے کہ یہی قریبی رشتہ داری تو زیادہ تر خوف کا باعث ہے کیونکہ دیور عزیز و قریب ہونے کی وجہ سے عورت سے بغیر کسی روک ٹوک کے مخالطت و مجالست کر سکتا ہے برخلاف اسکے اغیار کی مخالطت و مجالست کو تو اُس عورت کے ذات محارم بھی جائز نہ رکھیں گے" اس سے صاف ظاہر ہے کہ ذوات محارم کے سوا دوسرے شخصوں کا عورتوں پر داخل ہونا مطلقاً ممنوع ہے۔ (الحجاب صفحات ۵۱ و ۵۹ ملخصاً)۔

یہ حدیث آیت "یغضضن من ابصارھن" کے بالکل مطابق ہے اس لئے کہ دیور نامحرم ہے۔ بعض حضرات[۵۱] نے دیور کو موت سے تشبیہ دئے جانے کا یہ نتیجہ نکالا

[۵۱] حقوق نسواں صفحات ۸۱ و ۸۲۔

کہ اُس سے بچنا دشوار ہے کیونکہ وہ ہر وقت کا پاس رہنے والا ہے اور پھر اس حدیث سے یہ معنی لئے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے دیور کو مستثنیٰ کر کے اُس سے پردہ نکرنیکی اجازت دی ہیں اِن صاحبوں کی طباعی کی ضرور دیتا ہوں لیکن افسوس ہے کہ نص قرآنی کے مقابلہ میں میں اِسے نہایت بُری قسم کی جسارت سمجھتا ہوں۔

(۶) صحیح بخاری کتاب التفسیر میں عروہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائیشہؓ نے فرمایا کہ بعد نزول حجاب ابی القعیس کے بھائی افلح نے میرے پاس آنے کی اجازت چاہی میں نے کہا کہ جب تک جناب صلعم سے پوچھہ نہ لونگی ہرگز آنے کی اجازت نہ دونگی کیونکہ مجھکو اُسکے بھائی نے دودہ نہیں پلایا ہے بلکہ ابو القعیس کی عورت نے پلایا ہے الخ۔ اس سے ظاہر ہے کہ سوا محارم کے (اور انکو بھی اجازت لیکر) ہر شخص کو عورتوں پر داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے اور اگر بقول مخالفین پردہ وجہ و کف ستر سے مستثنیٰ ہوتے تو حضرت عائشہؓ اذن دینے سے کیوں انکار کرتیں اپنی زینت چھپا کر اندر بلا لیتیں۔ (الحجاب صفحہ ۶۶)۔

(۷) حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور میمونہؓ حضرتؐ کی خدمت میں حاضر تھیں کہ عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا تشریف لائے آپ نے ہم سے فرمایا کہ اس سے پردہ اوڑھ میں ہو جاؤ۔ میمونہؓ نے عرض کیا کہ رسول اللہ کیا یہ نابینا نہیں ہے کہ نہ ہمکو دیکھے نہ پہچانے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ اندہا ہے تم تو اندہی نہیں ہو۔

یہ حدیث نہایت صاف ہے اور چونکہ آیہ کریمہ قل للمومنات یغضضن من ابصارھن نازل ہونے کے بعد کا یہ واقعہ ہے اسکے سمجھنے میں کسی قسم کی دقت نہیں ہے۔ اس صورت میں یہ کہنا کہ عبداللہ ابن ام مکتوم کا کوئی جزو بدن کھلا ہوگا جسکی بوجہ نابینا ہونے کے اُنہیں خبر نہوگی

سب حاشیہ صفحہ ۱۵۰۔ اکسیر ہدایت ترجمہ کیمیائے سعادت

اور اسلئے آنحضرت صلعم نے پردہ کا حکم دیا سراسر غلطی اور نہایت فاش غلطی ہے یا نہیں نہایت تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ جو لوگ اس وضع کے معنی لگاتے ہیں انہوں نے اس امر پر غور نہیں کیا کہ اگر نابینا موصوف کے ستر میں کسی قسم کا نقص تھا تو خود آنحضرت صلعم کے لئے اُسے دیکھنا کب جائز تھا اور اسکا سہل علاج تو یہ تھا کہ آپ نابینا کی پوشاک درست کر دیتے۔

(۸) حضرت معاذؓ نے اپنی عورت کو دیکھا کہ دریچہ سے جھانکتی ہے تو اُسے مارا۔ (اکسیر ہدایت صفحہ ۱۴۹)

(۹) حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم آپکے یہاں تشریف رکھتے تھے اور گھر میں ایک مخنث تھا اُس نے عبداللہ بن امیہ حضرت ام سلمہؓ کے بھائی سے کہا کہ اے عبداللہ اگر اللہ تعالیٰ کل طائف فتح کر دے تو میں تمہیں بنت غیلاں کو دکھاؤنگا اور اُسکے حسن کی تعریف کی۔ آنحضرت صلعم نے یہ سنکر مخنث سے پردہ کا حکم دیا۔ اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ اُسے عورتوں کے حالات سے واقفیت تھی (مشکوٰۃ شریف اُردو جلد ثانی صفحہ ۳۰۹ والحجاب صفحہ ۶۱)۔

(۱۰) عورتوں پر نماز جمعہ واجب نہیں مثل غلام اور لڑکے اور بیمار کے اور جنازے کے ساتھ جانا منع ہے (مشکوٰۃ شریف اُردو جلد اول صفحہ ۳۲۳ عین الہدایہ جلد اول صفحہ ۶۵۱ بخاری شریف باب اتباع النسا والجنائز)۔

(۱۱) عورت کو حج میں میل سبز و زرد کے درمیان دوڑنے کا حکم نہیں ہے اُسے چاہیئے کہ سلے ہوے کپڑے پہنے اپنی آواز بلند نکرے اور حجر اسود کو اُسوقت بوسہ دے جبکہ وہ مردوں کے ازدحام سے خالی ہو ورنہ دور سے تکبیر کہے اور اشارہ کرلے (عین الہدایہ جلد اول صفحہ ۱۰۳۱)۔ اس سے ظاہر ہے کہ حج ایسے متبرک موقع پر بھی مرد و عورت کی علیحدگی ملحوظ رکھی گئی ہے

مخالفین پردہ ایک حدیث آنحضرت صلعم کے حضرت عائشہ صدیقہ رضی کو حبشی بازیگروں کا تماشہ دکھلانے کے بارہ میں پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ آیت حجاب کے نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے۔ اسکی نسبت امام نووی رح تو کہتے ہیں کہ اسوقت تک حضرت عائشہ رض سن بلوغ کو نہیں پہونچی تھیں اور نہ پردہ کا حکم نازل ہوا تھا لیکن اگر ہم مان بھی لیں کہ آیت حجاب کے بعد کا یہ واقعہ ہے تب بھی کوئی حرج نہیں اسلئے کہ اکسیر ہدایت صفحہ ۹۴ کے حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت تک آیت قل للمومنات یغضضن من ابصارھن نازل نہیں ہوئی تھی جس سے مرد کو عورت کے اور عورت کو مرد کے دیکھنے کی ممانعت ہوگئی۔

بات یہ ہے کہ بعض احادیث نزول احکام پردہ کے ماقبل کی ایسی ملینگی جن سے کہ عورتوں کے بلا نقاب یا برقع باہر جانے کی طرف اشارہ پایا جاتا ہو لیکن ان آیات قرآنی کے بعد جنکی تشریح ہیں نے اس مضمون میں کی ہے اس قسم کی کوئی حدیث نہیں ملنے کی اور نہ ملنا ممکن ہے اسلئے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال احکام قرآنی کے خلاف نہیں ہو سکتے۔ مخالفین پردہ اس امر پر بھی زور دیتے ہیں کہ عورت کا چہرہ اور ہاتھ داخل ستر نہیں ہیں لیکن اسکے سمجھنے میں بھی وہ غلطی کرتے ہیں۔ فقہانے بعض بعض اشد ضرورت کے موقعوں پر انہیں مستثنیٰ کیا ہے اور وہ مواقع مجبوری کے ہیں جیسے شہادت کیلئے یا علاج کے لئے اس سے ہرگز یہ مراد نہیں ہے کہ خلاف احکام قرآنی عورتیں منھ کھولے پھرا کریں۔ اسیطرح اگر کسی عورت کی نظر اتفاقیہ مرد پر پڑ جائے یا کسی مرد کی نظر اتفاقیہ عورت کے چہرہ پر پڑے تو پہلی نظر بوجہ اتفاقی ہونے کے معاف ہے لیکن دوسری مرتبہ دیکھنا جائز نہیں[۵۱]۔ بیضاوی میں ہے کہ ہاتھ اور منھ کا استثنا

[۵۱] ابو داؤد رح نے بریدہ رض سے روایت کی ہے کہ حضور رسالت مآب نے جناب علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا

ظاہر ہے کہ صف نماز میں ہے نہ نظر میں کیونکہ آزاد عورت کا سارا بدن ستر ہے۔ سوا شوہر اور محرم کے کسی کو اُسکے عضو کی طرف دیکھنا حلال نہیں مگر ضرورت (جیسے معالجہ اور ادائے شہادت) کے وقت نظر جائز ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک روایت[۵] سے تو یہانتک اس بارہ میں احتیاط ثابت ہوتی ہے کہ اگر حالت مجبوری میں عورت باہر نکلے بھی تو اُسے صرف ایک آنکھ کھلی رکھنی چاہیئے اسلئے کہ چلنے کے وقت ایک آنکھ کھولنا کافی ہے۔

مندرجۂ بالا اقوال پڑھنے کے بعد ہمیں اُس حدیث کے سمجھنے میں مطلق وقت واقع نہیں ہوتی جسمیں ذکر ہے کہ ایک مرتبہ اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلعم کے روبرو باریک کپڑے پہنے ہوئے آئیں رسول مقبولؐ نے اپنا منہ اُنکی طرف سے پھیر لیا اور کہا کہ اے اسماءؓ جب لڑکی بالغ ہو جائے تو مناسب نہیں کہ اُسکا بدن سوائے اسکے اور اسکے (منہ اور ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے) نظر آئے۔ اسکے معنی یہ ہرگز نہیں ہو سکتے کہ عام طور پر عورتیں منہ اور ہاتھ دکھلاتی پھریں بلکہ احکام قرآنی کو مدنظر رکھکر ہم وثوق کے ساتھ کہسکتے ہیں کہ رسول کریمؐ کا منشا ضرور یہی تھا کہ بالغ عورت کے یہ اعضا محض بضرورت دیکھے جا سکتے ہیں اور نیز یہہ کہ صرف ذوات محارم انہیں دیکھ سکتے ہیں۔ گویا کہ جناب نے احکام شریعت اسماءؓ کو سنا دئے۔ اس حدیث سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ اسماءؓ اپنی بہن حضرت عائشہ صدیقہؓ سے عمر میں غالباً چھوٹی تھیں اور صغر سنی ہی سے آنحضرت صلعم کے سامنے ہوتی تہیں لیکن بالغ ہونے کے بعد ایک مرتبہ جب

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۹۔ کہ "اے علیؓ تو ایک نظر کو دوسری نظر کے تابع نکر کیونکہ تیرے لئے پہلی نظر ہے دوسری نہیں" یعنی پہلی نظر جو اتفاقی و بلاقصد ہو جائز ہے دوسری نہیں [۵] الحجاب صفحہ ۴۸۔

حضور سرور کائنات کے سامنے آئیں تو آپ نے منہ پھیر لیا گویا کہ انکو پردہ کی ہدایت کی اور باریک کپڑے پہننے کی بھی ممانعت فرمائی احکام قرآنی اسی امر کے متقاضی ہیں کہ آپ نے صرف اسی وجہ سے منہ نہیں پھیرا کہ اسماءؓ باریک کپڑے پہنے تھیں بلکہ اس سبب سے بھی کہ وہ سن بلوغ کو پہونچ چکی تھیں اور اسلئے انہیں پردہ کرنا چاہیئے تھا بخاری شریف کی ایک اور حدیث بھی اس امر کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے کہ اسماءؓ آنحضرت صلعم کے سامنے ہوتی تھیں اور وہ یہ ہے کہ ایک روز کھجور کی گٹھلیاں سر پر رکھے ہوے اسماءؓ آنحضرت صلعم کو راہ میں ملیں آپ اُسوقت ایک شتر پر سوار تھے اور چند صحابی بھی آپکے ہمراہ تھے آپ نے اسماءؓ کو بلایا اور اپنے پیچھے اونٹ پر سوار ہونے کے لئے کہا لیکن اسماءؓ خود کہتی ہیں کہ مجھے لوگوں کے ساتھ یوں جانے میں شرم آئی اور اپنے شوہر کا خیال آیا کیونکہ اسکی غیرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ رسول اللہ سمجھ گئے کہ مجھے شرم آتی ہے اور تشریف لیگئے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے یہ نتیجہ کیونکر نکلا کہ اسماءؓ کھلے منہ رسول خدا کو ملی تھیں اور اُن کا چہرہ چھپا نہ تھا۔ مولوی ممتاز علی صاحب[۹۱] اسے وہم ہی کیوں نہ کہیں لیکن کوئی تحقیق پسند طبیعت بلا مزید تحقیقات کے کبھی نہیں ماننے کی کہ اسماءؓ کا چہرہ پوشیدہ نہ تھا۔ یہ کہتے ہیں کیا قباحت ہے کہ آنحضرت صلعم نے محض قرائن سے پہچان لیا کہ یہ اسماءؓ ہیں جیسے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت سودہؓ کو باوجود چادر میں لپٹے ہونے کے بلند قامت ہونے کی وجہ سے پہچان لیا تھا۔ ہمارا ایمان ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ رسول خدا کا کوئی فعل خلاف احکام قرآنی ہو اور جبکہ حکم الٰہی صاف ہے کہ نامحرم سے پردہ کیا جاے تو ہم کیسے یقینی

[۹۱] حقوق نسواں صفحہ ۸۴۔

طور پر بلا ثبوت کے مان سکتے ہیں کہ اسماءؓ کا آنحضرت صلعم سے پردہ نہ تھا۔ اسماءؓ کا نکاح حضرت زبیرؓ سے ہوا تھا جو کہ آنحضرت صلعم کے پھوپی زاد بھائی تھے اور انکی مالی حالت کی یہ کیفیت تھی کہ خود بقول اسماءؓ ان کے پاس سوائے ایک اونٹ اور ایک گھوڑے کے اور کچھ مال و متاع نہ تھا اور اسماءؓ خود گھوڑے کو چرا لایا کرتی تھیں۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ان کا افلاس ہی اس امر کا باعث تھا کہ وہ گھوڑا چرانے کے لیے باہر نکلتی تھیں۔ ہمکو یہ ٹھیک نہیں معلوم کہ متذکرہ بالا واقعہ احکام پردہ کے نازل ہونے سے پیشتر کا ہے یا بعد کا لیکن اگر اس زمانہ میں یہ رواج تھا کہ عورتوں اور مردوں میں آزادانہ بلا برقع یا نقاب آمد و رفت تھی تو اسماءؓ کو رسول صلعم کے ساتھ اونٹ پر سوار ہونے میں شرم کی کونسی وجہ تھی اور اپنے شوہر کی غیرت کا خیال کیوں دل میں گذرا کیونکہ مطابق رواج کے تو یہ ایک معمولی بات ہونی چاہیئے تھی میں نے تو جہانتک تحقیقات کی اس سے یہی معلوم ہوا کہ عورتیں جب بیعت کے لئے بھی رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں تو چہرہ پر نقاب ڈالکر آتی تھیں۔ چنانچہ رسالہ الندوہ شاہجہانپور بابت جمادی الاول ۱۳۲۳ھ میں جو ایک مضمون "اخلاق عرب" کے عنوان سے شائع ہوا تھا اسمیں بحوالہ تاریخ طبری صفحہ ۱۶۴۳ لکھا ہے "کہ مکہ معظمہ جب فتح ہوا تو کثرت سے لوگ اسلام میں آتے جاتے تھے اور آنحضرت صلعم کے ہاتھ پر بیعت کرتے جاتے تھے جب عورتوں کی باری آئی تو ہندہ امیر معاویہ کی ماں نقاب ڈالکر آئی"۔ جبکہ بقول مخالفین پردہ چہرہ ستر میں داخل نہیں تو نقاب کی کیا ضرورت تھی؟ اسیطرح واقعہ افک یعنی اس بہتان کا ذکر کرتے ہوئے جو کہ حضرت عائشہؓ پر باندھا گیا تھا جسکی تفصیل امام بخاری و مسلم وغیرہ محدثین نے کی ہے اور جسکے بارہ میں آپکی

براءت کی آیت نازل ہوئی حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "آنحضرت صلعم جب باہر جاتے
تو جس بیوی کا نام قرعہ میں نکلتا تھا اُسکو ساتھ لے جاتے تھے چنانچہ ایک بار ایک
جہاد میں چلے اور میرا قرعہ میں نام نکلا تو مجھے ساتھ لے گئے۔ آیت حجاب نازل ہو چکی
تھی میں اونٹ پر ہودہ میں پردہ میں چلتی تھی"[۵۱]

بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو کہ پردۂ مروجۂ ہندوستان کو خلاف شرع ثابت کرنیکی
کوشش میں بلا سوچے سمجھے فخریہ بیان کرتے ہیں کہ "اس طرح کا سخت پردہ
جیسا کہ مسلمانوں میں آج کل رائج ہے خداوند تعالیٰ کے نزدیک صرف بدکار عورتوں کے
لئے محض بطور سزا کے تجویز ہوا ہے خداوند تعالیٰ ہر مسلمان کی بہو بیٹی کو ایسی سزا سے
محفوظ رکھے"[۵۲] اور اسکی تائید میں سورۂ نساء کی یہ آیت پیش کرتے ہیں :- وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ
الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا
فَاَمْسِکُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۝[۵۳]
مجھے نہایت افسوس ہے کہ اس وضع کے حضرات قرآن شریف اور اُسکے معنی سمجھنے کی کوشش
میں اتنی تکلیف بھی تو گوارا کرنا نہیں چاہتے جتنی کہ کسی انگریزی مدرسہ کا ایک طالب علم
کسی معمولی سے معمولی انگریزی کتاب کے معنی سمجھنے میں صرف کرتا ہے ورنہ ہماری حالت
دینی و دنیاوی دونوں پہلوؤں سے ایسی خراب و خستہ نہوتی جیسی کہ اسوقت ہے۔ سورۂ نساء
باعتبار نزول سورۂ احزاب کے بعد اور سورۂ نور کے پہلے کی ہے اور جسوقت کہ مندرجۂ بالا

---

۵۱ تفسیر حقانی جلد پنجم صفحہ ۲۲۲ ۵۲ حقوق نسواں صفحہ ۸۷ ۵۳ اور جو تمہاری عورتوں میں سے
بدکاری کریں تو اُنپر اپنے لوگوں میں سے چار گواہ لاؤ پھر اگر وہ گواہی دیدیں تو اُن کو گھر میں بند رکھو یہاں تک
کہ وہ مر جائیں یا اللہ اُن کے لئے کوئی راہ نکالے۔

آیت نازل ہوئی اُسوقت تک زنا کے لیے حد مقرر نہیں ہوئی تھی۔ ابتدائے اسلام کا
زمانہ تھا اسکے نازل ہونے سے پہلے جو عورت زنا کی مرتکب ہوتی تھی اُسے صرف ملامت
کرتے تھے اور توبہ کرنے سے پھر اُسکے ساتھ کسی قسم کی سختی یا تعرض نہیں کرتے تھے
اِس آیت میں حکم دیا گیا کہ زناکار عورتوں کو گھروں میں قید رکھو جب تک کہ اللہ تعالیٰ
اُن کے لیئے کوئی راہ نکالے یعنی کوئی قطعی حکم اُن کے بارہ میں نازل ہو یا یہ کہ وہ مرجائیں
مصنف حقوق نسواں نے اس آیت کے الفاظ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا
جسمیں خداوند کریم گویا دوسرے حکم کا وعدہ فرماتا ہے اپنے اقتباس میں تحریر نہیں کیے ہیں
ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ اُسوقت تک اس قسم کی عورتوں کا معاملہ گویا زیر تجویز تھا اور اسکے
عوض کے لیے اُنہیں مکانوں میں قید رکھنے سے محض یہ غرض تھی کہ وہ اپنے اقربا
واعزا کسی سے نہ مل سکیں حالانکہ پردۂ مروجۂ ہندوستان میں مستورات اپنے
رشتہ داروں وغیرہ سے مل سکتی ہیں۔ اس قسم کی تشبیہ و مقابلہ بالکل لایعنی و بے
سروپا ہے۔ متذکرہ بالا عارضی سزا کے تھوڑے ہی دن بعد سورۂ نور میں حد نازل
ہوئی اور یہی سزا اب تک زنا کے لیئے ہے نہ کہ سورۂ نساء والا حکم۔

سچ پوچھیے تو نظر بر واقعات و حالات زمانہ ہر سمجھدار اور معاملات پر نظر غائر ڈالنے
والے شخص کے نزدیک احکام یَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ و یَحْفَظْنَ فُرُوْجَھُنَّ پردۂ مروجۂ ہندوستان
کی تائید میں کافی و وافی ہیں لیکن جو اخلاقی کیفیت امریکہ و یورپ و آسٹریلیا کی
میں نے خود مغربی اشخاص کے اقوال سے اِس مضمون میں ثابت کی ہے اور نیز از روے
احکام قرآنی و احادیث وغیرہ پردہ کی ماہیت پر جو بحث کی ہے اُس سے اِس امر کے
مان لینے میں یقیناً کوئی عذر و شبہ نہ رہیگا کہ پردۂ مروجۂ ہندوستان مطلق شرع شریف

کے خلاف نہیں بلکہ بالکل موافق ہے اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیئے - ہاں اس امر کے
میں ضرور خلاف ہوں کہ اسقدر مبالغہ اسمین کیا جاے کہ لوگ سفر کرنا اسکی وجہ سے
چھوڑ دیں اور بیبیاں شوہروں کے ساتھہ وطن سے باہر نہ جائیں یا اس خیال سے
کہ بی بی کے پیر کا اندازہ لوگوں کو معلوم ہو جائیگا بازار سے کسی کے سامنے اسکے لئے
جوتا نہ خرید کیا جاے یا اگر ضرورت ہو تو اسکے معمولی کپڑے درزی کو سینے کے لئے
نہ دئے جائیں - یہ باتیں ضرور حد سے متجاوز اور فضول ہیں لیکن سفر ریل میں بذریعہ
برقع یا چادر اسوجہ سے اپنے آپ کو نہ چھپائیں کہ یورپین مرد وزن و دیگر اشخاص ہنستے[۵۱]
ہیں یا بقول مولوی محمد احسان اللہ صاحب عباسی عدالت میں کبھی مستورات کو جانیکا
اتفاق ہو تو "ڈولی کے اندر ٹوٹو بنکر" نہ جائیں[۵۲] ان خیالات کے میں سخت خلاف ہوں
یہ نہایت ہی خوفناک اصول ہے کہ چونکہ دوسرے مذہب کے لوگ ہنسینگے یا ٹوٹو بنائینگے
اسلئے ایک شرعی فعل سے احتراز کیا جاے اس سے تو یہ لازم آئیگا کہ چونکہ غیر مذہب کے
لوگ مسلمانوں کی نماز وغیرہ کے قائل نہیں ہیں اور وضو کرتے اور نماز پڑھتے دیکھکر
متعجب ہوتے اور بعض وقت ہنستے بھی ہیں اسلئے ان احکام شرعی کو بھی خیر باد
کہنا چاہیئے -

• بعض حضرات کا یہ خیال کہ اعتدال کے ساتھہ عورتیں کا برقع پوش ہوکر اپنے اعزا کے
ساتھ باہر نکلنا معیوب نہونا چاہیئے اور اسمین کوئی ہرج نہین عملاً ممکن نہیں - علاوہ شرعی
ممانعت کے جہانتک کہ میں آزادی کے دلدادہ حضرات کی نبض سے اس بارہ میں
واقف ہوں وہ ہرگز اس امر کو پسند نہیں کرنے کے کہ کسی برقع پوش عورت کے ہمراہ

:[۵۱] حقوق نسواں صفحہ ۹۴ - [۵۲] الاسلام صفحہ ۷۵۳ -

جیسے کہ اُن کے ہجیال "لولو" سے تشبیہ دیتے ہیں شام کے وقت بازار کی سیر کبھی کام کے لئے نکلیں۔ ضرور یہی وجہ ہے کہ کسی اسلامی ملک میں مرد و زن کا ایک ساتھ باہر نکلنا و پیدل چلنا پھرنا مطلقاً ثابت نہیں ہوتا۔ علاوہ بریں سود و شراب خواری و قمار بازی کی طرح آزادی کی تھوڑی سی چاٹ بھی ممکن نہیں کہ اعتدال کی درجہ پر قائم رہے اور اس حد سے متجاوز ہونے کے خراب نتائج کی پوری تشریح میں اس مضمون میں کر ہی چکا ہوں۔ مثال کے طور پر صرف مصر کی حالت ہمارے لئے کافی ہے۔ پہلے تو وہاں بعض حضرات نے موجودہ پردہ کو خلاف شرع ثابت کرنے کی کوشش کی بعض اشخاص آزادانہ روش کی عامل بھی بنے اور اُسکی بُرائیوں کو محسوس کیا جسکا ذکر میں کسی موقع پر بیشتر کر چکا ہوں لیکن اب یہ ہمت ہوتی جاتی ہے کہ بقول نواب محسن الملک صاحب ایک کتاب جو مصر سے اُن کے پاس آئی اُسمیں اُسکے مصنف نے "یہانتک لکھ مارا کہ اگر اسلام میں پردہ کا وجود ہے بھی تو بھی اُسکو مت مانو کیونکہ یہ تہذیب کے خلاف ہے۔" میرا خیال ہے کہ ہندوستان کے بہت سے حضرات جو پردہ موجودہ کو خلاف شرع ٹھیرانا چاہتے ہیں وہ درحقیقت اس مصری مصنف کے ہمخیال ہیں لیکن مصلحتِ وقت و زمانہ کی وجہ سے بیچاری شرع کی آڑ میں آکر مطلب براری کے خواہاں ہیں۔

سر سید احمد خاں مرحوم اور اُن کے لائق فرزند مسٹر سید محمود مرحوم کی لیاقت اور مسلمہ لیڈر قوم ہونے سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ سر سید کی نسبت تو میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ وہ نہایت سختی سے پردہ مروجہ ہندوستان کے مؤید تھے اور نواب محسن الملک صاحب کے بیان کے مطابق[۵۱] مدت العمر کبھی وہ اس بات کے بھی روادار

[۵۱] رپورٹ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس بمبئی صفحہ ۳۴۴۔

نہیں ہوئے کہ انکی بہو محمود بیگم کسی بڑے سے بڑے جلیل القدر انگریزی میم صاحبہ سے بھی مل سکیں۔ مسٹر سید محمود مرحوم کی رائے مندرجہ ذیل سطور سے معلوم ہوتی ہے:۔

جس خبط[۵۹] میں آج کل کے بعض نوجوان مبتلا ہیں کہ اپنے سے زیادہ قابل اپنی بیبیوں کا ہونا چاہتے ہیں اس خبط میں وہ (سید محمود مرحوم) کبھی نہیں پڑے نہ انہوں نے اس خبط میں اپنا متاع زندگی صرف کیا کہ مسلمانوں سے پردہ کی رسم چھڑادی جائے بلکہ وہ اسی سختی سے پردہ کے حامی تے جس سختی کے ساتھ دوسرے شریف مسلمان ہیں بلکہ اس حد تک انہوں نے اس معاملہ میں سختی کی کہ یوروپین لیڈیوں سے بھی اپنی بی بی کو ملانا پسند نہیں کیا:۔

اس ضمن میں ایک نہایت عالم و فاضل بزرگ علامہ حسین آفندی الجسر طرابلسی کی رائے کا اقتباس بھی بے موقع نہ ہوگا اسلئے کہ اس سے ایک اسلامی ملک کے عالم کے خیالات اور دیگر اسلامی ممالک کے رواج کا پتہ لگتا ہے۔ یہ اقتباس انکی کتاب حمیدیہ کے اردو ترجمہ سے کیا جاتا ہے جسکا نام سائنس اور اسلام ہے اور جسمیں لائق مصنف نے جملہ اسلامی مسائل پر ازروئے سائنس و بدلائل عقلی بحث کی ہے وھو ہذا:۔

سارا خرچ بخلاف عورت کے مرد ہی کے ذمہ شریعت نے اسلئے مقرر کیا ہے کہ مرد فطرتی طور پر بہ نسبت عورت کے جسمانی ساخت میں قوی ہونے کی وجہ سے تحصیل معاش پر زیادہ قادر ہے اور جو کچھ مشقتیں اسمیں درپیش ہونگی وہ بخوبی برداشت کرسکتا ہے ہاں عورت کے لئے یہ مناسب ہے کہ خانہ داری کے اندرونی انتظامات کی دیکھ بھال کرے بچوں کی غور و پرداخت میں مشغول ہو جیسا کہ مرد بیرونی مصلحتوں کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ اور اسطرح یہ عورت جو کہ مرغوب طبع اور مردوں کی منظور نظر ہے گھر سے باہر نکلنے پر بھی مجبور نہ ہوگی اور فتنوں سے محفوظ رہیگی۔[۶۰]

---

۵۹ اخبار البشیر اٹاوہ مطبوعہ ۱۲ مئی ۱۹۰۳ء۔

فتنہ اور اسباب حرامکاری کے انسداد کی غرض سے جو کہ شرعاً و عقلاً دونوں اعتبار سے قبیح ہے شریعت نے عورتوں کو پردے میں رہنے کا حکم دیا ہے اور یہ عورتوں کے اعلیٰ درجہ کے اوصاف میں سے ہے اور اُنکے لیئے بڑے افتخار کا باعث ہے جسقدر کہ اس وصف میں وہ کامل ہوں اتنا ہی زیادہ فخر کر سکتی ہیں . . . . پردہ سے مقصود یہ ہے کہ عورتوں کی حفاظت کی جائے اُنہیں ہر کس و ناکس نہ دیکھ سکے نہ یہ کہ جیسا بعض نادان خیال کرتے ہیں کہ عورت کے ساتھ بدگمانی کرنے کی وجہ سے پردہ کیا جاتا ہے . . . اور یہ خیال کرنا ہی بیجا ہے جیسا کہ بعض کم فہم خیال کرتے ہیں کہ عورتوں کو پردہ میں کہنا اُنہیں قید کرنے کے مثل ہے اُنپر بڑی تنگی کی جاتی ہے جس سے کہ اُنکی آزادی میں خلل پڑتا ہے اور وہ بالکل نیست و نابود ہوئی جاتی ہیں کیونکہ مسلمان عورت تو بچپن ہی سے پردہ میں رہا کرتی ہے پردہ ہی میں وہ جوان ہوتی ہے اپنی پیدائش ہی کے زمانہ سے وہ پردہ کے ساتھ مالوف ہو جاتی ہے گویا کہ وہ اُس کی فطرت میں داخل ہو جاتا ہے . . . . اسکو بھی ایسا ہی ضروری خیال کرتی ہے جیسا کہ اپنی اور طبعی عادات کو . . . . علاوہ بریں یہ سمجھکر کہ پردہ خدا کا حکم ہے اُسے خوشی سے قبول کرکے خداوند کریم کی عطا اور ثواب کی امیدوار بنجاتی ہے . . . . . حق تو یہ ہے کہ اس شریعت میں عورت کی بڑی حفاظت کی جاتی ہے بدکاروں اور بدمعاشوں کی نظروں سے خوب بچایا جاتا ہے اور یہ لحاظ کیا جاتا ہے کہ نادانوں کو عورت کی نسبت جسکے بارہ میں بڑی غیرت سے کام لیا جاتا ہے زبان درازی کا موقع نہ ملے . . . . . اگر تعصب کو چھوڑکر عقل سلیم سے پوچھا جائے تو وہ یہی حکم دیگی کہ بیشک عورت کے لیئے پردہ نہایت ہی عمدہ احکام میں سے ہے زن و شوہر دونوں کا اسمیں فائدہ ہے بلکہ یوں کہیئے کہ اسکا نفع تمام لوگوں کو پہونچتا ہے کیونکہ اسکی وجہ سے شہروں سے فساد دور رہتا ہے ۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ جن شہروں میں عورتیں پردے میں رہتی ہیں وہاں کے اہالیان پولیس کو حرامکاری کے لیئے

خاص خاص مقامات نہیں مقرر کرنا پڑتے جہانکہ بدکار لوگ ناجائز طور پر اپنی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے جمع ہوا کریں کیونکہ وہاں کے بے باک لوگوں کی خواہش نفسانی میں بھی عورتوں کے نہ دیکھنے کی وجہ سے چنداں جوش نہیں پیدا ہوتا جسکی وجہ سے باآبرو لوگ اپنی عورتوں کی نسبت مشکوک ہونے سے محفوظ رہتے ہیں بخلاف اُن شہروں کے جہانکہ عورتوں میں پردہ کی رسم نہیں ہے اور وہ بے حجاب پھرتی ہیں ظاہر ہے کہ وہاں کی میونسپلٹی کو حرامکاری کے لئے خاص خاص مقامات متعین کرنے کا اہتمام کرنا پڑتا ہے اور وہ بدکاروں کو اُن سے نہیں روک سکتی - خدا کی پناہ اس فعل شنیع کی یہانتک کثرت پائی جاتی ہے کہ وہاں کے بچوں کی تعداد پورا کرنے میں قریب قریب نصف کے حرام سے پیدا ہونے والے بچے شامل ہوتے ہیں - اور وہ لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم شریف عورتوں کی حفاظت کی غرض سے اس نامعقول امر کے اختیار کرنے پر مجبور ہیں - پس اگر اُن بدکاروں سے جنکی شہوتیں کہ عورتوں کو ننگا کھلا دیکھتے دیکھتے ترقی کر چکی ہیں اُنھیں خوف نہ ہوتا اور آبرو والے لوگ اپنی عورتوں کی عزت کو نہ ڈرتے ہوتے اور یہ اندیشہ اُن کو نہ لگا ہوتا کہ یہ لوگ عورتوں کے معاملہ میں ہماری کچھہ چلنے نہ دینگے تو وہ کبھی ایسے قابل نفرت امر کا ارتکاب نکرتے نفریں اور شرم ہے ایسوں پر جو کہ ملکی انتظام کے مدعی ہوں اور حیوانی حرکات اختیار کرکے اپنی عورتوں کی حفاظت کریں - کاش اگر وہ عورتوں کے پردہ کا انتظام کرتے تو پھر اُنھیں ایسے قابل ملامت فعل کے اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑتی - اب یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ عورتوں کا بے پردہ ہو کر نکلنا نہایت ہی ضرر کی بات ہے اور بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ عورتوں کے پردہ میں رہنے سے نقصان ہے تو بے پردگی میں اُس سے بڑھکر نقصان متصور ہے اور ظاہر ہے کہ جسمیں کم ضرر ہو اُسی کو اختیار کرنا عقلاً و نقلاً بہتر ہوا کرتا ہے

چہ جائیکہ کہ بے پردگی میں بکثرت نقصانات ہوں اور پردہ کرنے میں سراسر فائدے ہی فائدے ہوں کہ جسکو ہر عاقل مان لیگا۔

اب اس مضمون کی وہ منزل آگئی ہے جبکہ مجھے مولانا حالی کے اُن اشعار کی نسبت کچھ عرض کرنا چاہیئے جو کہ سرخی دیباچہ ہونے کی وجہ سے ان اوراق کی زینت کا باعث ہیں۔ میری تمام تحریر کا لب لباب یہ ہے کہ مغربی تہذیب وتمدن کے اختیار کرنے میں کورانہ تقلید کا میں سخت مخالف ہوں۔ میں پردۂ مروجہ ہندوستان کا حامی ہوں ہاں اس بارہ میں از حد مبالغہ کرنے کے خلاف ہوں جسکی تشریح کہ اوپر کر چکا ہوں۔ تعلیم نسوان کا میں نہایت سرگرمی وجوش کے ساتھ مؤید ہوں لیکن اُس حد تک جسکی تفصیل کہ میں نے پیشتر کی ہے۔ ساتھ ہی میرے نزدیک یہ بعید از عقل ہوگا کہ اس امر میں اپنے خیالات وافعال کو اس سلسلۂ اصول کا پابند کریں کہ دنیا میں کسی قوم کی ایسی نظیر نہیں ہے جسمیں فرقہ اناث نے فرقہ ذکور سے پہلے ترقی کی ہو اسلئے جس صورت میں کہ خود مسلمانان ہند کے مردوں کی تعلیمی حالت محتاج بیان نہیں تو عورتوں کی تعلیمی حالت پر مبالغہ کے ساتھ نوحہ خوانی جسکی وجہ سے ممکن ہے کہ مسلمانوں کی عام ترقی میں رکاوٹ پیدا ہو فضول بلکہ مضر ہے حامیان آزادی کے مجوزہ معیار کے مطابق تو سر سید احمد خاں مرحوم اور مسٹر سید محمود مرحوم کی والدہ بالکل تعلیم یافتہ نہ تھیں لیکن پھر بھی یہ دو دُرِّ شہوار ایسے پیدا ہوئے کہ تمام ہندوستان کو اُنپر فخر ہے علی ہذا القیاس راجہ رام موہن رائے۔ بابو سریندر ناتھ بنرجی۔ اور مسٹر دادا بھائی نوروجی سابق ممبر پارلیمنٹ کی مائیں یا تو نہایت قلیل واقفیت نوشت وخواند سے رکھتی تھیں یا بالکل ناخواندہ تھیں۔ مردوں میں تعلیم عام ہو جانے ہی سے عورتوں میں بھی تعلیم

نشو ونما پائیگی لیکن ہمارا فرض ہے کہ فرقہ اناث کی تعلیم و تربیت کے بارہ میں مغربی اقوام کی تقلید نکریں جس سے کہ جو خوبیاں مسلمان مستورات میں اب تک موجود ہیں وہ مفقود ہوجائیں۔

مغربی تہذیب میں بہت سی عمدہ باتیں ہیں جنہیں اختیار کرنے سے قومی ترقی کا مرجھایا ہوا درخت بہت کچھ تروتازگی پاسکتا ہے مثلاً پابندی اوقات۔ اتحاد۔ اولوالعزمی استقلال۔ ہمدردی۔ کسب کمال وغیرہ۔ اِن سب باتوں کی اسلام نے جس خوبی کے ساتھ تعلیم دی ہے وہ حضرات بالغ نظر سے مخفی نہیں لیکن موجودہ مسلمان اگر ممالک مغربی ہی کو ان کا سرچشمہ سمجھکر انہیں اختیار کرلیں تب بھی مجھے کوئی شکایت نہیں اور اُس سے فائدہ ہی فائدہ متصور ہے۔ لیکن آنکھیں بند کرکے ہر مغربی اُصول ورسم ورواج کو اختیار کرنا میں نہایت مذموم و مضر سمجھتا ہوں۔ میری آرزو یہ ہے کہ مسلمان مسلمان رہکر ترقی کریں۔ مادی ترقی بلا استحکام دینی میری رائے میں نہایت بری شے ہے اور مسلمانوں کا پختہ مسلمان رہنا ہی وہ جوہر ہے جو کہ اُنکی عظیم الشان نیشنلٹی ہے۔ جب تک کہ نیشنلٹی کا یہ مفہوم مسلمانوں کی مدنظر نہ رہے گا ممکن نہیں کہ اُنکی حالت میں سچی ترقی نمودار ہو پس حامیان آزادی و بہی خواہان قوم کی خدمت میں میری التجا ہے کہ اس قسم کی نیشنلٹی کو مرکز قرار دیکر قدم آگے بڑہائیں اور ایسے فعل کے مرتکب نہوں کہ اُسکی وجہ سے اسلامی خصوصیات سے ہاتھ دہو بیٹھیں۔ توہمات ونیز دیگر بدنما داغ جو ہمارے بعض رسم ورواج میں آجکل پائے جاتے ہیں اُنھیں ضرور دور کریں مثلاً طریقہ خیرات میں ترمیم کی ضرورت ہے لیکن اِسکے معنی یہ نہیں ہیں کہ خیرات بالکل موقوف کردی جاوے۔ اسراف بری شے ہے لیکن اِس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان بخل اختیار کرے۔ اگر بعض نادان قبر پرستی

کرنے لگے ہیں تو یہ نہیں چاہیئے کہ بزرگان دین کی عزت و عظمت دل سے دور کرکے مزارہائے مقدس پر فاتحہ کے لئے ہی حاضر نہ ہوں - یا سود لینا نماز نہ پڑھنا روزہ نہ رکھنا شراب سے پرہیز نکرنا ترقی کا تمغہ سمجھا جائے - اگر اسلامی خصوصیتوں کو چھوڑ کر مسلمانوں نے کسیقدر مادی ترقی کی بھی تو کوئی خوشی کی بات نہیں اسلئے کہ اُن میں اور دوسری قوموں کے افراد میں فرق ہی کیا رہا - محض اسلامی نام ہونے یا مسلمان کے گھر پیدا ہونے سے انسان مسلمان نہیں کہلا سکتا اُسے احکام اسلامی کا پابند ہونا چاہیئے یہ خیال کہ مغربی رسم ورواج و آزادی کا سیلاب ایسا زبردست ہے کہ اُسے روکنا ممکن نہیں اور اسلئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اُسکا ساتھہ دیں نہایت ہی اخلاقی کمزوری پر دلالت کرتا ہے - اگر اس قسم کے سیلاب کے ساتھہ مسلمان بھی بہنے پر مستعد ہوجائیں تو اُن میں اور معمولی حیوانات و نباتات و جمادات میں فرق ہی کیا رہا - اُن کا تو بوجہ اشرف المخلوقات ہونے کے یہ فرض ہونا چاہیئے کہ اس سیلاب کی راہ میں اس قسم کے حائلات قائم کریں اور ایسے بند باندھیں اور پل بنائیں کہ پانی بھی رواں رہے اور سیلاب سے بجائے نقصان کے مسلمانوں کا کشت زار تمدن جو کہ اسوقت خشک ہو رہا ہے دوبارہ سرسبز ہو اور لہلہانے لگے - ع زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز کا اصل مفہوم یہی ہے نہ یہہ کہ عقل ایسے اعلیٰ جوہر کو پس پشت ڈالکر جدہر ہوا کا رخ ہو اُسی طرف منہہ کرلیں - یہ فعل تو ایک ادنیٰ تنکے سے بھی سرزد ہوتا ہے پھر حضرت انسان اور ایک تنکے میں فرق ہی کیا رہا - اگر اس اصول کو پوری وسعت دیجائے تو اسکے یہ معنی ہونگے کہ چونکہ آج کل مینوشی و زنا وغیرہ کی عموماً کثرت و زیادتی ہے اسلئے ہمیں بھی اس سیلاب بداخلاقی کا ساتھہ دینا چاہیئے!! خدا کی پناہ -

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس امر کا مجھے بخوبی احساس ہے کہ بوجہ طوالت دلبحاظ حجم کتاب یہ تحریر دیباچہ کی موزونیت سے کسیقدر متجاوز ہو گئی ہے - جسوقت کہ میں نے اسکے لکھنے کا ارادہ کیا تھا اُسوقت مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ اسمیں اس قدر طوالت واقع ہو گی لیکن اگر نفس مضمون کی اہمیت پر نظر کی جاوے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس بارہ میں میں قابل معافی ہوں - خداوند کریم کا شکر ہے کہ ایک عرصہ سے جو آرزو میرے دل میں تھی وہ آج پوری ہوئی اور اُسکی درگاہ میں دعا ہے کہ وہ اس ناچیز تحریر میں اتنا اثر پیدا کردے کہ جو بھائی مسلمان نئی روشنی و مغربی تہذیب کے دلدادہ میدان آزادی میں قدم رکھنے سے بیشتر اس امر کے کم از کم عادی ہو جائیں کو رانہ تقلید کے شکار نہو کر پہلے اُسکے نتایج نیک و بد پر غور و فکر سے کام لیں اسلئے کہ میرا یقین بلکہ دعویٰ ہے کہ دل و دماغ سے اس طرح کام لینے سے وہ ضرور اُسی نتیجہ تک پہونچیں گے جس نتیجہ تک کہ میں پہونچا ہوں اور جسکی تصریح ان اوراق میں میں نے ٹوٹے پھوٹے طور پر باوجود اپنی علمی بے بضاعتی کے ہدیۂ ناظرین کرنے کی جرأت کی ہے ساتھ ہی میری یہ بھی دعا ہے کہ

"اے خداوند جل و علا ہم میں انسان پیدا کر - ضروریات زمانہ متقاضی ہیں کہ بڑے دل و گردے اور مضبوط طبیعت والے مستقل المزاج و راسخ الاعتقاد اور مستعد انسان ہم میں موجود ہوں ایسے انسان جنہیں کہ اشتیاق و آرزوے حصول عہدہ و منصب ہلاک نکر ڈالے ایسے انسان جنہیں وہ ذاتی فوائد جو کہ عہدہ و منصب کے ذریعہ سے بمنزلہ مال غنیمت ہوتے ہیں خرید نکر سکیں ایسے انسان جو صاحب رائے و مستحکم الرائے ہوں

ایسے انسان جنہیں کہ پاس عزت و حمیت ہو۔ ایسے انسان جو کہ کسی حالت
میں جھوٹ نہ بولیں[1]" آمین۔

محمد حسن خان

شملہ ۶ جون ۱۹۰۵ء

[1] آولیور وندل ہومز۔

تباظہیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ مصنف

گو کسی دوسری مغربی طاقت نے سلطنت عثمانیہ کے معاملات میں کبھی اسقدر حصہ نہیں لیا ہے جتنا کہ برطانیہ عظمیٰ نے تاہم مغربی یورپ کے کسی ملک میں ٹرکی کی نسبت اتنی سخت غلط فہمیاں نہیں ہیں جتنی کہ انگلستان میں۔ میرے انگریز شناساؤں نے بہت دفعہ مجھسے ٹرکی کے متعلق ترکی پہلو سے کوئی کتاب لکھنے کے لئے کہا اور دو طریقے اسکے لئے بتلائے ایک تو یہ کہ ایک جامع تصنیف تیار کی جائے اور دوسرا یہ کہ ایک چھوٹی ہلکی کتاب لکھوں۔ پہلی صلاح پر کاربند ہونا ممکن نہ تھا اسلئے کہ میں نے اپنے تئیں اس قابل نہ پایا کہ اس خاص مضمون پر کوئی اعلیٰ درجہ کی کتاب تصنیف کرتا۔ علاوہ بریں میں نے خیال کیا کہ ایک مختصر سادہ عبارت کی تصنیف کے بہت زیادہ پڑھنے والے ہونگے اور اس ذریعہ سے کسی حد تک میں اُن غلط خیالات کی تصحیح کر سکونگا جو انگلستان میں ترکوں کے بارہ میں رائج ہیں۔ لہٰذا یہ چھوٹی سی کتاب میں نے سفرنامہ کی شکل میں لکھنی شروع کی اور اب "روزنامچہ ترک" کے نام سے اسے شائع کرتا ہوں۔ اس ذریعہ سے ٹرکی کے متعلق میں بہت امور پر گفتگو کر سکتا ہوں۔ نکتہ چین حضرات اور جن باتوں پر چاہیں اظہار رائے کریں لیکن اس امر کی ناواقفیت کا الزام مجھپر نہ لگائیں کہ ایک لامعلوم شخص کی کسی قدر پھیکی سرگزشت پبلک کے لئے نہایت ہی قلیل دلچسپی کا باعث ہوا کرتی ہے۔

مستورات کے متعلق جو باب اس کتاب میں ہے اسکے بعض حصے میں نے اُن دو مضامین سے اخذ کئے ہیں جو کچھ عرصہ ہوا میں نے لنڈن کے دو ہفتہ وار اخبار کوئن اور لیڈی میں تحریر کئے تھے۔ ان اخباروں کے اڈیٹروں کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ازراہ مہربانی انہیں اس کتاب میں شامل کرنے کی بابت مجھے اجازت دی۔

خالد خلیل

یا فتاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۱

باب اوّل

میرا وطن ایشیاے کوچک مین

میں ایشیاے کوچک کے قدیم شہر انگورا میں پیدا ہوا تھا جو کہ بڑے بڑے ریشمی بالوں کی بلیوں اور بکریوں ہی کے لئے صرف مشہور نہیں ہے بلکہ اپنے تاریخی واقعات و آثار قدیمہ کی اہمیت کی وجہ سے بھی قابل لحاظ ہے۔ ساتھ ہی چونکہ میرے اوائل عمر کی قابل یاد باتیں اوس سے وابستہ ہیں اسلئے ظاہر ہے کہ ان غیر مسلسل صفحات کی ابتدا اوسی سے ہونی چاہئے جو عالم و فاضل اشخاص کہ ایشیاے کوچک کے آثار قدیمہ اور قدیم تاریخی حالات کے دریافت و تحقیقات میں سرگرم و مصروف رہے ہین اُنہوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ انگورا پرانے زمانہ میں اُن سلٹک[1] اقوام کی ایک خانہ بدوش شاخ کا خاص مرکز تھا جنہوں نے بالآخر ایشیاے کوچک مین بود و باش اختیار کی تھی۔ گو آگے چلکر مشرقی حملہ آوروں نے اس خطہ کو فتح کرلیا اور اُسپر قابض رہے لیکن آج تک یہ دیکھا جاتا ہی کہ ہمارے

---

[1] ان سے جنوب و مغربی یورپ کے ابتدائی زمانہ کے اصل باشندے یا اطالیہ۔ فرانس۔ اندلس اور برطانیہ کے قدیم باشندے مراد ہین۔ محمد حسن خان

صوبہ و دیگر صوبجات کے بہت سے باشندوں اور خصوصاً جنوبی و مشرقی ایشیاے کوچک کے لوگون کے اطوار و قوی میں فرق ہے - اس بیان سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ میں اپنے خاندان کی ابتدا و اصل کسی یورپ کی قوم سے ملانے کی کوشش کرتا ہوں گو میں جانتا ہوں کہ انگلستان مین بہت اشخاص کو اہل مشرق کے معاملات سے ہمدردی نہیں اور غالباً ایسی باتوں میں وہ تعصب سے بہی کام لیتے ہیں - میرے آبا و اجداد وسطِ ایشیا سے آئے تھے اور اولاً ایران کے شہر خراسان مین سکونت پذیر ہوئے - لیکن چونکہ اہل سنت جماعت تھے ایرانی مسلمانوں نے اُن پر ناقابل برداشت جور و ظلم کیا - مغربِ ایشیا کی تاریخ مین ان دونون فرقوں کی باہمی خون ریز خانہ جنگیوں کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جو کہ باہمی اختلاف کی وجہ سے پیش آئیں آخر الامر ڈیڑہ سو برس سے زیادہ ہوئے کہ میرے آبا و اجداد مجبور ہو کر خراسان سے ایشیاے کوچک چلے گئے جہانکہ بمقابلہ اہلِ ایران لوگ اُنکے ساتھ اچھی طرح پیش آئے - میرے پردادا درویشون کے ایک خاص فرقہ کے شیخ یعنی سردار تھے جو کہ "خلوتی" کہلاتا ہے جسکی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اِس جماعت کا ایک سخت قاعدہ یہ ہے کہ اپنے مسلک و طریقہ کو عوام الناس سے پوشیدہ رکھتے ہیں جس سے لاریب یہ مقصود ہے کہ ریا و دوروئی جاتی رہے - تاریخی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ اس فرقہ کے بانی تھے - ایشیاے کوچک میں بود و باش اختیار کرنے کے تھوڑے ہی دن بعد میرے پردادا کے معتقدین کی تعداد اسّی ہزار کے قریب ہوگئی اور قرب و جوار کے تمام صوبوں سے لوگ اُنکی قدمبوسی حاصل کرنے کے لئے آنے لگے - صرف اناطولیہ و شام ہی میں اُنکا نام عزت کے ساتھ نہیں لیا جاتا تھا

بلکہ اُس زمانہ میں مصر میں جو کتابیں تحریر ہوئی ہیں اُن میں بھی اُنکا ذکر موجود ہے - یہہ
نہ خیال کرنا چاہیئے کہ وہ ایک قسم کے مہدی تھے جس سے کہ اہل انگلستان
اسوجہ سے واقف ہیں کہ سوڈان میں بھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ درویشوں کے سردار
نے اس نام کو اختیار کیا تھا - گذشتہ زمانہ میں اس قسم کے متعدد مہدی مغربی ایشیا
اور شمالی افریقہ میں نمودار ہوئے ہیں جنہوں نے کہ دنیوی جاہ و جلال و شہرت
حاصل کرنے کے حوصلہ کو پورا کرنے کی غرض سے یہ متبرک نام اختیار کیا ہے -

باوجودیکہ میرے پردادا کے پیرو و مریدوں کی تعداد اسقدر زیادہ تھی تاہم صرف
چند خاص ہمراہیوں کے ساتھہ وہ گوشہ عزلت میں زندگی بسر کیا کرتے تھے -
اُس زمانہ کے ترکی سلطان نے بھی اُنکا حال سُنا اور ایک قاصد کے ذریعہ سے
کہلا بھیجا کہ میں آپکی خانقاہ کے لیئے قصبہ ترکش میں جو انگورا اور ساحل بحر اسود کے
ٹھیک درمیان میں واقع ہے چند اوقاف عطا کرنا چاہتا ہوں لیکن میرے پردادا
نے اس قسم کی دنیاوی امداد سے انکار کیا اور جو روایتیں کہ اونکی کرامات کی ہمارے
خاندان میں اکثر بیان کی جاتی تھیں - اُنمیں سے ایک کے مطابق تو یہ کہا جاتا ہے
کہ بادشاہ کے ایلچی کے سامنے ہی اُنہوں نے اپنا عصا دیوار پر مارا جسکے
لگتے ہی سونا چاندی پانی کی شکل میں بہنے لگا - اُس ایلچی سے جو کہ کچھ عرصہ بعد اُنکا
پختہ معتقد ہو گیا اُنہوں نے کہدیا کہ اس قسم کی دنیاوی چیزوں کی مجھکو کوئی ضرورت
نہیں ہے - ہمارے مکان میں ایک بڑی ہرن کی کھال بھی تھی جسپر میرے والد
نماز ادا کیا کرتے تھے - اسکی نسبت میں نے اکثر سنا تھا کہ یہ اُس ہرن کی کھال تھی
جسپر میرے پاک تارک الدنیا پردادا سوار ہو کر ہر جمعہ کو اپنے وطن واقعہ ایشیا سے کوچک

سے مکہ معظمہ جایا کرتے تھے کہ آنحضرت صلعم کے روضہ مبارک پر نماز جمعہ گذاریں۔ بچپن میں ان روایتوں کو میں بالکل صحیح سمجھتا تھا لیکن اب بھی میں اُن پر کوئی اعتراض یا نکتہ چینی نہیں کر سکتا۔ مشرقی مورخین جب عجیب و غریب واقعات بیان کیا کرتے ہیں تو اکثر یہ عربی مقولہ پیش کرتے ہیں کہ ذمہ داری برگردنِ راوی۔ علی ہٰذا القیاس مجھے بھی اُنکی تقلید لازم ہے۔ لیکن اس امر کا مجھے ہمیشہ نہایت افسوس رہا ہے کہ اُس کمال کے ساتھ وہ مفید مطلب و کارآمد عصا ہمکو ارث میں نہ ملا۔

میرے دادا اوائل عمر میں اس قسم کے مذہبی فرقوں کے بارہ میں اپنے والد کے ہم خیال نہ تھے اور اسلئے اُس بڑے تارک الدنیا شیخ کے ہاتھ پر اُنہوں نے بیعت نہ کی۔ اسپر شیخ نے اُن سے فرمایا کہ ہماری جماعت کے قواعد تمہارے خانقاہ میں رہنے کے مانع ہیں۔ لہذا میرے دادا وہاں سے علیحدہ ہو گئے اور ایک چھوٹے کارواں کے ساتھ ہو لئے جو شہر انگورا کی جانب روانہ ہو رہا تھا اور وہاں جا کر اُنہوں نے سکونت اختیار کی۔ بذریعہ شتر سواری یہ چار روز کا سفر تھا۔ اُن دنوں یہ شہر علم و کمال کا مرکز تھا اور وہاں حاجی بیرام نامی ایک بزرگ کا مشہور مزار ہے جسکی زیارت کے لئے ہزارہا آدمی ہر سال آتے ہیں۔ میرے دادا کسی سے اُس شہر میں واقف نہ تھے اور نہ اُنکا کوئی ذریعہ معاش ہی تھا۔ وہ بھی اس مزار پر گئے اور بعد فاتحہ مراقبہ کیا اسی حالت میں اُنہیں نیند آگئی اور خواب دیکھا کہ وہ بزرگ جنکا کہ مزار تھا نام پوچھتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ تم پڑھ سکتے ہو یا نہیں۔ دوسرے سوال کا جواب باصواب نہ پا کر اُن بزرگ نے میرے دادا کو تعلیم دی۔ بیدار ہو کر میرے دادا باہر آئے اور کئی طالبعلموں کو ایک مدرسے کے اندر جاتے دیکھا جو کہ مزار سے ملحق تھا

وہ بھی اُنکے پیچھے پیچھے چلے گئے اور ایک مدرس سے ہمکلام ہوئے جو کہ حال ہی میں وہاں مقرر ہوا تہا۔ اِن پُرانی وضع کی درسگاہوں میں مدرس کی نیکنامی بہت کچھ طالبعلموں کی تعداد پر منحصر ہوتی ہے لہذا اُس مدرس نے میرے دادا کو جنکا کہ اُسوقت زمانہ طفولیت تہا جماعت میں داخل کر لیا اور چند دیگر شاگردوں کے ساتھ ایک کمرہ میں جگہہ دی۔ اس مدرسہ میں اُنہوں نے ایک مدت دراز تک تعلیم پائی حتیٰ کہ وہ خود فقہ۔ فلسفہ و شرع محمدیہ کے عالم ہوگئے۔ زیادہ تر شہرت اُنہیں اُس سیلسلہ وعظ اور اُن تقریروں سے ہوئی جو اُنہوں نے مختلف مسجدوں میں تفاسیر قرآن پر کیں اور جنہیں سننے کے لیئے بکثرت لوگ جمع ہوتے تھے۔ بہت سے عالم و فاضل اشخاص جو تمام ایشیائی ٹرکی میں خود اس قسم کے علوم کی تحصیل میں مصروف تھے مشکل نکات کے حل مطالب کے لئے اُن سے درخواست کیا کرتے تھے۔ سلطان کا اعلیٰ افسر جو اُس شہر میں مقیم تہا اُنکی قدمبوسی کے لیئے حاضر ہوا کرتا تہا لیکن خود داداصاحب نے کبھی اپنی زندگی میں کسی سرکاری دفتر میں قدم نہ رکھا۔

سلطان محمود ثانی کے عہد حکومت میں جنہوں نے کہ ۱۸۰۸ع سے ۱۸۳۹ع تک سلطنت کی شاہی خاندان میں بمقام قسطنطنیہ ایک شادی پیش آئی جس میں تمام ملک کے ہر فرقہ و ہر درجہ کے سربرآوردہ اشخاص مدعو کئے گئے۔ سلطان کے خاص طبیب نے (جنکا پوتا آجکل سفارتِ عثمانیہ متعینہ لندن میں بطور مشیر کے ملازم ہے) جو میرے داداصاحب کے شاگرد رہ چکے تھے اُن کا نام مہمانوں کی فہرست میں نہ دیکھا اور سلطان سے اُنکی دعوت کے لیئے نہایت زور سے سفارش کی۔ فوراً ایک قاصد ایشیاے کوچک کی جانب روانہ ہوا اور میرے دادا کو دارالخلافتہ میں

ے آیا۔ اُس تقریب میں تمام مذہبی اراکین اور بڑے بڑے علما کو کھانے کی دعوت دیگئی۔ اِس موقعہ پر سلطان محمود نے اِن متقی و پرہیزگار اشخاص کی آزمایش کے لیئے ایک عجیب و غریب ترکیب نکالی۔ اثنائے طعام میں ملازمین ایسی بوتلیں لے آئے جو سرخ رنگ کے عرق سے پُر تھیں اور کئی پہرے والے شمشیر برہنہ ہاتھ میں لیئے ہوئے اُنکے پیچھے آئے اور دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔ مہمان ششدر و حیران رہ گئے اور اِس کارروائی کا مطلب نہ سمجھکر خاموشی و اضطراب کے ساتھ منتظر رہے کہ آگے کیا ہوتا ہے۔ اسکے بعد نہایت سنجیدگی و متانت کے ساتھ ظاہر کیا گیا کہ بوتلوں میں شراب ہے جسے سنکر مہمان اور بھی گھبرا گئے۔ شراب! وہ مکروہ بدمست و مدہوش کرنے والی چیز جسکا ایک قطرہ چھونا بھی مسلمانوں کے لیئے حرام ہے۔ وہ مضر شے جسے ہمارے رسول مقبول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم الخبائث فرمایا ہے! اس موقعہ پر اسقدر تشریح کر دینا ضرور ہے کہ سلطان محمود چاہتے تھے کہ اپنی سلطنت کی اصلاح کریں۔ اُن خوفناک مخالفوں یعنی ینی چری فوج کے دور کرنے کے بعد اونہوں نے بعض یوروپین طریقے ہی انتظام حکومت کے اختیار نہ کیئے بلکہ چند مغربی رسوم و اطوار بھی اور علاوہ اور باتوں کے اہلکاروں اور فوج کو یوروپین طرز کی پوشاک اور وردی پہننے کا حکم دیا۔ اس پالسی نے ایشیا کے پرہیزگار عمامہ پوش دماغوں میں پیشتر ہی سے بے چینی و بدگمانی پیدا کر دی تھی۔

الغرض جبکہ اُن مذہباً باہوش و عقل مجمع کے سامنے شراب لائی گئی تو ساتھ ہی یہ بھی گوش گذار کیا گیا کہ چونکہ سلطان سرزمین یورپ پر حکمراں ہیں اِسلیئے چاہتے ہیں کہ اپنے ملک کو فرنگیوں (مغربی یورپ کی جملہ قوم کو اس نام سے پکارتے ہیں) کے طور و طریق سیکھنے

زیادہ تر مطابق بنادیں اور اس بارہ میں اُنکی رعایا کی کسی قسم کی نارضامندی ممکن ہے
کہ جلد تر سلطنت کے زوال کا باعث ہوگی علاوہ بریں سلطان کی خواہش ہے کہ تنگ
خیالی و توہمات اور نئی چیزوں سے نفرت گو وہ فرنگیوں ہی سے کیوں نہ اخذ کی گئی
ہوں کافور ہو جانی چاہیئے۔ آخر میں یہ تنبیہ بھی کردیگئی کہ جو مہمان شراب پینے سے انکار
کرینگے اُن پر سلطانی حکم سے سرتابی و گردن کشی کا الزام لگایا جائیگا۔ اس خوفناک
حکم کو سنکر مہمانوں کے چہرے زرد ہو گئے اور منہ میں زبان نہ رہی کیونکہ یاد رکھنا چاہئے
کہ جس سلطان کا یہ فرمان تہا وہ وہ مطلق العنان بادشاہ تہا جسنے کہ ہیبت ناک
ینی شری فوج تک کا خاتمہ کردیا تہا۔ بہرحال میرے دادا تیزی سے اپنی جگہہ سے
کہڑے ہوئے اور کہا کہ کیا ہمارے فرمانروا کو فرنگیوں میں اور کوئی اوصاف حمیدہ
نہ مل سکے جو نقل کرنے کے قابل ہوں؟ اِسکے بعد اُنہوں نے بتایا کہ مینوشی
کی ممانعت کا حکم مذہب کے فرایض میں سے ہے اور جس حاکم سے وہ ملا ہے
سلطان محمود سے وہ بالاتر ہے۔ یہ کہکر وہ باہر جانے لگے اور ملازمین اور پہرہ
والوں کے درمیان سے دہکے دے دلاکر نکلنے کی کوشش کر رہے تھے
کہ سلطان جو یہ تماشہ پردہ کے پیچھے سے دیکھہ رہے تھے ایکبارگی مسکراتے ہوئے
باہر آئے اور اپنے سفید ریش و سبز عمامہ پوش مہمانوں کے دلوں سے خوف دور
کرنے کی غرض سے فرمایا کہ جو کچھہ ابھی پیش آیا وہ محض آزمایش کے لئے کیا گیا تہا تاکہ میں
دیکھوں کہ آپ لوگ جو کہ رعایا کے مذہبی امور میں ہادی اور رہنما ہیں کہانتک ثابت
قدم ہیں۔

اِسکے بعد میرے دادا کو سلطان نے باریابی عطا فرمائی اور فرمایا کہ شاہزادوں کو

جن میں عبدالمجید خاں بھی تھے جو بعدہٗ سلطان ہوئے زبان عربی کی تعلیم دین اور بایں وعدہٗ قسطنطنیہ میں سکونت اختیار کرنے کے لیے اصرار کیا کہ آیندہ اُنہیں عہدہٗ شیخ الاسلام عنایت کیا جائیگا - لیکن میرے دادا صاحب نے اس عزت افزائی سے یہ کہکر معافی چاہی کہ اُنکی دلی خواہش تھی کہ اپنی زندگانی کے باقی روز عزلت وکتب بینی میں بسر کریں - ساتھہ ہی وہ ایک عطیہ کے خواستگار ہوئے اور وہ یہ کہ جس مدرسہ میں کہ اُنہوں نے اتنے سال تعلیم پائی تھی اُسکے ناظم مقرر کئے جائیں اسلئے کہ وہ جگہہ اُسوقت خالی تھی اور اسکے متعلق جو اراضیات کہ منجانب گورنمنٹ ہبہ کیگئی تھین اُن سے بھی مستفیض ہوسکیں -

جب میرے دادا اپنے شہر کو واپس چلے گئے تو سلطان محمود نے جو اُنکی سیر چشمی و قناعت کو سمجھتے اور اُسکی عزت کرتے تھے اپنے ہاتھہ سے یہ قول پاک آنحضرت صلعم کا لکھکر کہ "خداوند کریم اُس عالم سے محبت کرتا ہے جو پرہیز گار متواضع منکسر المزاج اور عزلت پسند ہو" اوسے طلا کرایا اور اُنکے پاس تحفتہً بھیجا - آگے چلکر اُنہوں نے میرے دادا کی وہ درخواست بھی منظور فرمائی اور ہبہ نامہ میں یہ مزید فقرہ تحریر کیا گیا کہ اراضیات ہبہ شدہ بطور جائداد غیر منقولہ نسلاً بعد نسلاً اُنکے ورثاء کو وارثاً پہونچتی رہیں بشرطیکہ وہ حکام مناسب کے روبرو بیس سال کی عمر کو پہونچکر اُن مضامین میں امتحان دیکر کامیاب ثابت ہوں جن میں کہ خود میرے دادا صاحب کو ایسی لیاقت حاصل تھی - اسکے متعلق شاہی فرمان اعلیٰ ترین وصلی پر لکھے ہوئے جن پر سلطانی دستخط ہیں اب تک ہمارے خاندان میں موجود ہیں - یہ اراضیات مجھے اور میرے بھائیوں کو بحیثیت وارث ہونے کے ملیں لیکن باوجود تمام شرائط کے سلطان حال کے زمانہ میں

وہ ضبط ہو گئیں۔ ہم نے اُنکے واپس پانے کی غرض سے گورنمنٹ پر نالش کی اور مختلف عدالتوں میں پندرہ سال تک مقدمہ بازی میں اپنا تمام روپیہ خرچ کر دیا لیکن کامیابی کی کیونکر امید ہو سکتی تھی کیونکہ بقول ایک ترکی شاعر کے۔

"جبکہ خود حاکم مدعا علیہ ہو اور گواہ توڑ لئے جائیں

تو ایسی عدالت سے جبکی کہ خود اپنی غرض معاملہ سے وابستہ ہو

کیونکر انصاف کی امید ہو سکتی ہے؟"

جب میرے دادا کا بعمر بیاسی سال انتقال ہوا تو میرے والد کو تمام جائداد ترکہ میں ملی لیکن وہ دادا صاحب کی طرح عالم و لائق نہ تھے اُنکے ایک ہی بھائی یعنی میرے چچا کا حصہ بوجہ سرکاری ملازمت اختیار کرنے کے ضبط ہو گیا۔ میرے والد کو جادۂ اعتدال سے زیادہ خیرات کرنے کی عادت تھی اور اسطرح دوسروں کی مدد کرنے میں اُنھوں نے اپنی جائداد کے محاصل کا زیادہ حصہ اور نیز میری والدہ کی اپنی نج کی آمدنی کا کچھ حصہ خرچ کر ڈالا۔ آخرش اُنکی فیاضانہ فضولخرچی و اسراف نے اس حد تک ترقی کی کہ وہ کسی روز بلا متعدد اشخاص کے دسترخوان پر شریک ہوئے کھانا نہیں کھا سکتے تھے اور اس امر کا اُنہیں مطلق خیال نہ ہوتا تھا کہ مہمان مسکین و لاچار ہیں یا خوشحال۔ ایک مخمور سرکاری ملازم کے قاتلانہ حملہ سے اُنہوں نے وفات پائی اور سوا نے وقف شدہ جائداد کے کچھ نہ چھوڑا جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں گورنمنٹ نے ضبط کر لی۔ افلاس و احتیاج سے صرف اس وجہ سے ہماری جانبری ہوئی کہ میری والدہ کی جائداد کا بڑا حصہ صحیح و سالم رہ گیا تھا اور خوش قسمتی سے والد اُسے برباد نہ کر سکے تھے۔

میری عمر نو برس کی تھی جبکہ اُس بدست شراب سرکاری ملازم نے والد پر حملہ کیا تھا جو کہ اُنکے انتقال کا باعث ہوا اور یہ واقعہ اس طرح پیش آیا تھا کہ ایک روز شام کے وقت چند مستورات میری والدہ کی ملاقات کو آئیں۔ چونکہ ہمارے ہاں مشرقی ممالک میں رسم ہے کہ عورتیں نہایت احتیاط کے ساتھ مردوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھی جاتی ہیں۔ اس سے پیشتر کہ وہ مستورات مکاں میں داخل ہوں والد کو باہر چلا آنا پڑا۔ اُنھوں نے مجھ سے بھی ہمراہ چلنے کو کہا تاکہ محلہ کے چند احباب کے ساتھ شام کا وقت گذاریں اور جہاں ہم گئے وہیں اُس مدہوش شخص سے ملاقات ہوئی۔ میرے والد کو مینوشی اور شراب خواروں سے سخت نفرت تھی اور اسلئے اُس آدمی کے ساتھ جو از حد مخمور تھا اور شور وغل کرتا اور گا رہا تھا اُنہیں ایک ہی کمرے میں رہنا ناپسند و ناگوار خاطر ہوا۔ اسی وجہ سے دونوں میں کھٹ پٹ ہو گئی اور اُس نے میرے والد پر حملہ کیا اور اُنکی دراز سفید ریش کو پکڑ لیا۔ والد نے اُسے دھکا دیکر پیچھے ہٹا دیا لیکن ایسا کرنے میں اُنکا انگوٹھا اتفاقیہ اُسکے منھ میں چلا گیا اور اُس نے اُسے بُری طرح کاٹ کھایا۔ گو ایشیا سے گو جبکہ بعض قدیم تہذیبوں کا گہوارہ تھا تاہم موجودہ زمانہ کی معلومات سے جو بنی نوع آدم کو سہولتیں حاصل ہوئی ہیں اُن سے مستفید نہیں ہوا ہے۔ کوئی باقاعدہ تعلیم یافتہ جراح ہمارے شہر میں نہ تھا اور اس وجہ سے والد کے انگوٹھے کا مناسب علاج نہو سکا۔

اس قسم کے لوگ جو ہمارے ہاں تھے وہ عموماً صرف حجام ہوتے تھے اور علاوہ اپنے ذاتی پیشہ کے بوقت ضرورت فصد کھولنا بھی جانتے تھے۔ فصد کا رواج عام طور پر یورپ میں بھی تھا اور اب تک کثرت سے مشرق میں اسکا عمل درآمد

ہے۔ میرے وطن میں بہت ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ کبھی کبھی خون نکلوا دینے سے مادہ فاسد خارج ہو جاتا ہے اور اس باعث سے فصد لیا کرتے ہیں شروع موسم گرما اس کام کے لئے مناسب خیال کیا جاتا ہے یعنی تازہ پھلوں کے چلنے سے پہلے۔ یا تو نشتر سے یا جونکوں کے ذریعہ سے جو ہاتھ یا پیر میں لگائی جاتی ہیں فصد لی جاتی ہے۔ والد کا علاج دو شخصوں کے سپرد ہوا جنمیں ایک ضعیف حجام اور ایک فصاد تھا۔ اُنھوں نے اپنے تمام چیدہ چیدہ مرہم استعمال کئے۔ جن سے وہ انگوٹھا روز بروز بدتر ہوتا گیا دونوں علم جراحی میں ایک دوسرے کی تدبیر و لیاقت پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے اُس فصاد نے ہم سے بیان کیا کہ وہ ایک وقت فوجی سرجن تھا اور اُسکو فخر تھا کہ جنگ کریمیہ میں درجنوں زخمی سپاہیوں کے ہاتھ پیر اُس نے قطع کئے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے بدقسمتوں کے اُس مقام پر جانے کے لیے سہولت پیدا کر دی ہوگی جہاں کہ آخرش اُس نے میرے والد کو بھی رخصت کیا۔ باوجود اتنے تجربوں کے اُس نے میرے والد کا ہاتھ قطع نہ کیا جس سے ممکن ہے کہ زخم بڑھنے سے باز رہتا۔ والدہ نے اس امر کی کوشش کی کہ وہ مخمور سرکاری ملازم عدالت سے میرے والد کے قتل کا مجرم قرار دیا جائے لیکن وہ کامیاب نہ ہوئیں۔ اُسے صرف چند ماہ کی قید ہوئی اور پانچ سو پونڈ ہرجانہ ہمکو دلایا گیا

مجھے امید ہے کہ ناظرین مجھے معاف فرمائینگے اگر میں اس موقع پر اصل مضمون سے گریز کر کے ایک اور معاملہ کے متعلق کچھ تحریر کروں۔ میں نے اوپر اس امر پر کسیقدر زور دیا ہے کہ میرے وطن میں علم جراحی کی حالت اچھی نہیں ہے لیکن اس سے

میری یہ غرض نہیں ہے کہ ٹرکی علم طب میں بالکل پیچھے رہ گیا ہے نہیں بلکہ بعض اموریں تو اُس نے رہنمائی کی ہے۔ مثلاً چیچک سے محفوظ رہنے کے لیئے ٹیکہ لگانے کی ایجاد کا دعویٰ وہ کر سکتا ہے اور یہ امر قابل ذکر ہے کہ لیڈی میری وارٹلی مونٹیگیو نے یہ علاج ٹرکی میں سیکھ کر انگلستان میں جنر[۵۰] کے پہلے تجربہ سے سالہا سال پہلے جاری کیا۔ جس طرح کہ لیڈی میری نے یہ علاج ٹرکی میں دیکھا وہ یہ تھا کہ لنف (ٹیکا لگانے کا پانی) انسان کے جسم سے لیا جاتا تھا لیکن بموجب تاریخ جودت (جلد دوم صفحہ ۲۴۱ موجودہ کتب خانہ متعلقہ عجائب خانہ برطانیہ) اس طریقہ سے بھی ٹیکہ لگایا جاتا تھا جس سے اشارہ پایا جاتا ہے کہ بچھڑے سے بھی ٹیکہ کا پانی نکالا جاتا تھا۔ ایشیائے کوچک کے چرواہونکی قوم کا ایک ترکمان قسطنطنیہ آیا ہوا تھا جہانکہ اُس نے دیکھا کہ بچونکو بچوں ہی کے لنف سے ٹیکہ لگایا جاتا ہے۔ یہ دیکھکر اُس نے کہا کہ ہمارے ملک میں اُن اشخاص کی اُنگلیوں سے یہ شئے نکالی جاتی ہے جو گائے دوہتے ہیں۔ علاوہ بریں اُس تاریخ میں یہ بھی بیان ہے کہ لیڈی میری نے اس واقعہ کو سنا تھا لیکن اُنہوں نے اپنے[۵۱] خط میں اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔

[۵۰] انگلستان کا مشہور ڈاکٹر جس کا پورا نام اڈورڈ جنر ہے چیچک کے ٹیکہ کا موجد کہا جاتا ہے ۱۷۴۹ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۲۳ء میں فوت ہوا۔ محمد حسن خاں

[۵۱] یکم اپریل ۱۷۱۷ء کو لیڈی میری وارٹلی مونٹیگیو نے جو خط اڈریانوپل سے انگلستان لکھا تھا اُس میں یہ تحریر ہے:—

امراض کا ذکر کرتے ہوئے میں ایک ایسی چیز کا بیان کرونگی جسے پڑھکر آپ چاہیں گے کہ آپ بھی یہاں ہوتے۔ یہ چیچک جو ہمارے ملک میں اسقدر مہلک و عام ہے یہاں ایک خاص علاج کی ایجاد کے باعث سے بالکل بے ضرر ہے۔ ضعیف عورتوں کی ایک جماعت ہے جو کہ ہر سال موسم خزاں میں ستمبر کے مہینہ میں جبکہ گرمی کی شدت کم ہوجاتی ہے یہ علاج کرتی ہے۔ لوگ آپسمیں

کہا جاتا ہے کہ اہل سرکیشیا اور کوہ قاف کی بعض اقوام زمانہ قدیم میں ٹیکہ کے استعمال سے واقف نہیں۔ یہ لوگ خاصکر بردہ فروشی کرتے تھے اور کنیزکوں کی نہایت حفاظت کرتے تھے خصوصاً اس بارہ میں کہ کسی قسم کے داغ وغیرہ سے چہرہ خراب نہو جاوے تاکہ اُنکی خوبصورتی نہ جاتی رہے اور اس سبب سے اُنکی قیمت میں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲ - دریافت کرلیتے ہیں کہ ہر خاندان میں کسکو خواہش ہے کہ چیچک نکلے جب قبت اس قسم کے پندرہ یا سولہ خواہشمند ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں تو ایک ضعیفہ بہترین قسم کی چیچک کا مادہ ایک چھالیا کو اندر سے خالی کرکے اُس میں بھر کر لاتی ہے اور ہر شخص سے پوچھتی ہے کہ کون سی رگ کھلوانا چاہتے ہو اسکے بعد جو جس رگ کو چاہتا ہے وہ اوسے ایک بڑی سوئی سے چھیدتی ہے جس سے کہ معمولی خراش سے زیادہ درد نہیں ہوتا اور اُس میں اسقدر زہریلا مادہ بھر دیتی ہے جسقدر کہ اُسکی سوئی کے سرے پر آسکے اور پھر یہ چھوٹا سا زخم ایک خالی چھلکے کا ٹکڑا اوسپر رکھکر باندھ دیتی ہے - اس طرح وہ چار یا پانچ رگیں کھولتی ہے - بچے یا دیگر کم عمر مریض تمام دن کھیلتے رہتے ہیں اور آٹھویں روز تک اُنکی صحت بالکل درست رہتی ہے - اُس روز سے بخار کی ابتدا ہوتی ہے اور دو روز یا شاذ و نادر تین روز تک چارپائی سے نہیں اُٹھتے - شاذ بیس یا تیس دانوں سے زیادہ اُن کے چہروں پر نکلتے ہیں جنکا کبھی داغ باقی نہیں رہتا اور آٹھ روز میں ویسے ہی تندرست ہو جاتے ہیں جیسے کہ اس علاج سے پہلے تھے - کوئی مثال مریض کے ہلاک ہونے کی نہیں پائی جاتی اور چونکہ میرا ارادہ اپنے چھوٹے بچے پر آزمائش کرنیکا ہے آپکو اور بھی یقین ہو جائیگا کہ مجھے اس علاج کی جانب سے پورا اطمینان ہے مجھہ میں اسقدر حب الوطنی ضرور ہے کہ اس مفید و بکار آمد ایجاد کو انگلستان میں رواج دینے کی تکلیف گوارا کروں -

فرق نہ آئے۔ اس مرض کے قدیم ابتدائی حالات بہت کم معلوم ہیں لیکن یہ امر مسلمہ ہے کہ اُسکے آثار کی تشخیص قدیم عربی حکیم رازی نے سب سے پہلے نہایت وضاحت سے کی تھی۔ اس حکیم کے نام سے مشرقی علوم کے ماہر اور تاریخ علم طب کے واقفکار بخوبی واقف ہیں۔ اُسکی مصنفہ کتاب کا نام "کتاب الجدری والحصبہ" یعنی رسالہ چیچک و کسرہ ہے۔ شروع اٹھارہویں صدی عیسوی میں۔ ٹی۔ اسٹارک نامی ایک شخص نے لاطینی زبان سے انگریزی میں اس کا ترجمہ کیا تھا۔

ہمارے ہموطن اہل یورپ کی طرح کاروبار میں روپیہ لگانے کے عمدہ طریقہ سے واقف نہیں ہیں۔ جن لوگوں کے پاس خرچ سے زیادہ روپیہ ہوتا ہے اور جو ڈرتے ہیں کہ وہ چوری نہ ہوجائے تو اُسے وہ مکانوں کے گوشوں یا کھیتوں میں دفن کردیتے ہیں۔ لیکن اپنی والدہ کے پانچ سو پونڈ ہمنے اس طرح پوشیدہ نہ کئے۔ کسی نے یہ صلاح دی کہ بڑے بڑے بالوں والی بکریاں خرید لی جائیں جنکے پشم موسم بہار میں ہر سال کاٹنے سے ہمیں سالانہ آمدنی ہوگی۔ جنگ روس و روم کے تھوڑے ہی عرصہ بعد کا یہ واقعہ ہے اور چونکہ اُسوقت تجارت کی سرد بازاری تھی ریشمی بالوں والی بیش قیمت انگورا کی بکریاں ارزان مل سکتی تھیں۔ لہذا ہم نے تین سو خرید کرلیں۔ لیکن مصیبت کبھی تنہا نہیں آتی ایک سال نہ گذرا تھا کہ ہمارے صوبہ کے جانوروں کے بڑے حصہ میں ایک مرض نمودار ہوا اور تقریباً سب بکریاں ہماری مرگئیں۔ والدہ نے اپنی سادگی عقیدہ کی وجہ سے اِسے قسمت سے منسوب کیا اور نہیں اور اپنے آپکو اس طریقہ سے تسلی و تشفی دی۔

میری والدہ زن باشعور اور فطرتی طور پر نہایت سمجھدار ہیں لیکن ممالک مشرقی میں

مستورات کی پسماندہ حالت کی وجہ سے جسکا باعث وہ خارجی معاملات ہیں جو اُنہیں احاطہ کئے ہوئے ہیں اُنکی ذکاوت تعلیم و تربیت سے مستفیض نہیں ہوئی ہے۔ وہ تقدیر کی بڑی قائل ہیں اور جو کچھہ کہ ہمارے مذہبی تعلیم دینے والے کہتے ہیں اُسپر پورا یقین کرتی ہیں حالانکہ وہ خود بہت بڑے عالم نہیں ہین۔ وہ بالکل جاہل نہیں ہیں بلکہ برخلاف اسکے اپنے وقت میں ہمارے شہر کی سب سے زیادہ پڑہی لکھی عورتوں میں شمار ہوتی تہین دیگر خاتونوں کی بہ نسبت وہ اسقدر زیادہ پڑہی ہوئی تہیں کہ وہ سب ہمارے ہان اس غرض سے آیا کرتی تہیں کہ والدہ کو باواز بلند مذہبی قصص و اشعار پڑہتے سنین۔ یہی اُن کے پڑہنے کی خاص چیزیں ہیں۔ ہاں لکھہ وہ مطلق نہیں سکتیں جسکے لیے کسیقدر تشریح کی ضرورت ہے۔ گذشتہ زمانہ میں ٹرکی میں لڑکیوں کو لکھنا سیکھنے کی اجازت نہ تہی۔ اُسوقت ہمارے ہاں بعض عمدہ عمدہ شاعرہ گذری ہیں لیکن اِن میں سے کوئی بہی لکھہ نہ سکتی تہیں اور اپنا کلام لکھا دیتی تہیں۔ اِس قدیم ممانعت کا عام طور پر یہ سبب بیان کیا جاتا ہے (اُسکے متعلق کوئی قطعی قاعدہ نہ تھا بلکہ محض رواج تھا) کہ اگر ایک بار لڑکیوں نے لکھنا سیکھہ لیا تو سحر بازی میں وقت صرف کرینگی اور آخرش ساحرہ بن جائینگی۔ لیکن درحقیقت اصل سبب کچھہ اور ہی تھا۔ اِس امر کا خوف تہا جو کہ غالباً بے بنیاد نہ تہا کہ لکھنا سیکھہ کر وہ اس ہنر کا فوراً اس طرح استعمال کرنے لگیں گی کہ نوجوانوں کو تعشق نامے لکھین جنہین کہ وہ کسی دوسرے طور پر اسوجہ سے نامہ و پیام نہیں بہیج سکتین کہ شدت پردہ کی وجہ سے لڑکوں و لڑکیوں میں جیسے ہی کہ زمانہ طفلی گذر جاتا ہے تمام راہ و رسم موقوف ہوجاتی ہے۔ اِس عمل[ملہ] اور درحقیقت

ملہ اِسکے متعلق دیباچہ مترجم ملاحظہ ہو جس میں کہ اثبات پردہ پر مدلل عقلی و نقلی بحث کی گئی ہے۔ محمد حسن خاں۔

مضر مبالغت کی سختی تھوڑے دنوں بلکہ کچھ عرصہ سے کم ہوتی جاتی ہے۔ لیکن
میری والدہ کے اوائل عمر میں بڑے تشدد کے ساتھہ اسکا برتاؤ ہوتا تھا اور اسطرح
اُنکو لکھنا سیکھنے کی اجازت نہ دیگئی۔ مگر باوجود اپنی ناکمل تعلیم کے اُنہوں نے ہم سبکو
خوش رکھا اور اپنی پیدایشی فہم و فراست کی وجہ سے اپنے ہم چشموں میں ہمارا
ظاہری اقتدار قایم رکھا۔ میری والدہ کے خاندان کے سب لوگوں میں عملی بکار آمد
باتوں کا مادہ موجود ہے اور یہ وہ صفت ہے جو اُن لڑکوں میں صریح طور پر معدوم ہے
جن میں غیر قوموں کا خون شریک نہیں ہے۔ مجھے یقین کلی ہے کہ میری والدہ
کے آبا و اجداد کی رگوں میں کسیقدر یوروپین خون ضرور ملا ہوا ہے۔ وہ اُن سپاہیوں
کے خاندان سے ہیں جنکے متعلق مدتوں سلاطین عثمانیہ کی طرف سے صوبجات
و سرحدات بوسینا و ہرزگو وینا کی حفاظت و نگرانی سپرد تھی۔ اُوس زمانہ میں
ترک لڑائی میں جن لوگوں کو گرفتار کرتے تھے اُنہیں حلقہ بگوش کیا کرتے تھے
بالکل اُسی طرح جیسے کہ اُنکے دشمن جب اُنکے ملک پر حملہ کرتے تھے تو ترکوں
کو دایمی اسیری کے لیئے پکڑ لے جاتے تھے۔ ہنگری اور آسٹریا میں اب بھی ایسے
اسیروں کی قومیت و گذشتہ تعلقات کا پتہ اُنکی اولاد کر ترکی ناموں سے لگتا ہے
لیکن جن لوگوں کو کہ ترک گرفتار کرتے تھے اُنکو عموماً ترکی نام اختیار کرنے پڑتے
تھے اور اس لئے ترکی میں یوروپین خون کی موجودگی صرف اُن قیدیوں کی
اولاد کی شکل صورت و ذاتی خصائل کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ میری والدہ
کے اُن لشکری مورثوں نے بلاشک یورپ کے قیدیوں میں شادی بیاہ کیا تھا
پیشتر جبکہ میں اپنے آبا و اجداد کی ایشیائی اصل و بنیاد کا ذکر کر رہا تھا تو اُنسے

کسی یوروپین نسل سے ہونے کے ادعا یا خواہش سے بینے انکار کیا تھا لیکن جو کچھ کہ میں نے اپنی والدہ کے متعلق ابھی کہا ہے اُس سے میرے بیان کی تردید نہیں ہوتی اسلئے کہ ہمارے ہاں جب کسی کے حسب و نسب پر غور کیا جاتا ہے تو صرف اُسکے باپ کی نسل پر نظر کی جاتی ہے۔

میری والدہ اپنے شہر کے مکان اور نیز دیہات کے موسم گرما والے مکان میں نہایت خاموشی سے زندگی بسر کرتی ہیں اور لوگوں سے راہ و رسم نہیں رکھتیں۔ شہر میں ایک بازار ہمارے مکان سے چند منٹ کے فاصلہ پر واقع ہے جسے اُنہوں نے اپنی زندگی میں ایک مرتبہ بھی نہیں دیکھا ہے۔ لیکن پانچ سال ہوئے کہ وہ حج کے لئے مکہ معظمہ گئی تھیں۔

باب دوم

مدرسہ و حرم سراء

پیغمبر آخر الزمان احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ اصلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ اسکا یہ منشا ہے کہ اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ بہشت نصیب ہو تو اُسے لازم ہے کہ اپنی والدہ کی اطاعت و عزت کرے۔ اپنے بچپن سے مجھے اس نصیحت پر کاربند ہونے کی تعلیم ہوئی تھی۔ لیکن مجھے خوف ہے کہ بجائے بہشت کے کوئی دوسرا مقام

میرے لئے تجویز نہوا ہوا اسلئے کہ جب میں بالکل چھوٹا تھا تو اکثر والدہ کو نہایت تکلیف دیا کرتا تھا اور اُنکو نہایت حیران و پریشان کرتا تھا - وجہ اسکی یہ تھی کہ والد کے انتقال کے بعد مردانہ نگرانی سے میں بالکل بری تھا اور اپنے اوقات کا اچھا یا برُا استعمال جیسا دل چاہتا تھا کرتا تھا میں بیفکر اور لاپروا بچہ تھا اور مدرسے جانے کی میرے دل پر بیحد دہشت و ہیبت تھی - موسم گرما میں رہنے کا جو ہمارا مکان تھا وہاں بکثرت راج ہنس پلے ہوئے تھے - اونکی نگرانی میں اپنا وقت صرف کرنے سے مجھے عشق تھا جسکی وجہ سے بہ نظر حقارت میرا نام ہنس کی نگہبانی کرنے والا رکھا گیا جسکے معنی ترکی محاورہ میں احمق کے ہیں - جو مکان ہمارا شہر میں تھا وہاں میں نے کبوتر پالے تھے لیکن اسکے لئے میں کسقدر قابل معافی ہوں اسلئے کہ ایسے خوبصورت کبوتر میں نے اور کہیں نہیں دیکھے - یہ نہایت چھوٹے اور صاف سفید رنگ کے تھے - تعجب خیز بلند پروازی اُن میں تھی جسکی وجہ سے گھنٹوں نظر سے غائب ہوجاتے تھے - بعض وقت وہ یکبارگی جھپٹ کر بلندی سے نیچے آتے اور چکر لگاکر فوراً مثل تیر پھر اوپر چلے جاتے تھے - اس خاص نسل کے کبوتروں کو جوا حد ہوشیار و تربیت پذیر ہوتے ہیں لوگ اکثر قسطنطنیہ لے گئے ہیں لیکن اُس شہر کی آب و ہوا موافق نہونے کی وجہ سے وہ وہاں زندہ نہیں رہتے -

جس زمانہ میں کہ میں اپنا وقت اس طرح ان بے زبان ساتھیوں کے ہمراہ ضایع کررہا تھا میرے بڑے بھائی اور چچیرے بھائیوں نے نوشت و خواند کی لیاقت حاصل کرلی تھی جو میری سمجھ سے بالکل باہر تھی - جب والدہ نے دیکھا کہ مجھے مدرسہ جانے پر

مجبور نہیں کر سکتیں تو انہوں نے میرے والد کے ایک پرانے حبشی ملازم سے جو اُس زمانہ میں مع اپنی سفید رنگ بی بی اور گندم رنگ بچوں کے ہمارے مکان کے قریب رہتا تھا میرا ذکر کیا اور مدد چاہی۔ اِس شخص کو بچپن میں میرے دادا نے بطور غلام کے خرید کیا تھا اور چونکہ مسلمانوں میں غلام کو آزاد کرنا اعلیٰ ترین ثواب کا کام سمجھا جاتا ہے دادا صاحب نے اُسے جلد آزاد کر دیا اور کچھ جائداد دیکر اُسکی شادی کا انتظام بھی کیا۔ اِس ضعیف شخص کو والدہ کے ساتھ میری نافرمانی پسند نہ آئی اور اپنے ایک وعدہ کے مطابق جو اُس نے والدہ سے کر لیا تھا وہ ایک روز صبح ہمارے مکان پر آیا اور مجھ سے مُنہ بنا کر مدرسہ ساتھ چلنے کے لیئے کہا۔ میں نے یہ بہانہ کر کے معافی چاہی کہ جو کتابیں اور کاغذات کہ مجھے پیشتر دیئے گئے تھے انہیں چوہے کہا گئے ہیں اُس نے کہا کہ میں مدرسہ میں نئی کتابیں خرید دونگا۔ میں نے جواب دیا کہ یہ محض فضول و بیکار ہے اِس لیئے کہ میری سمجھ میں وہ نہیں آتیں۔ یہ سنکر وہ قد آور سیاہ فام شخص غصہ سے اپنے سفید دانت دکھا کر میری طرف بڑھا اور اپنے سخت ناملایم ہاتھ سے میرا کان پکڑ کر مجھے مدرسہ تک گھسیٹتا ہوا لے گیا جسے دیکھکر میرے بھائیوں نے شرارت سے خوب قہقہہ لگایا۔ سبق کے وقت میرے خیالات راج ہنس اور کبوتروں کی طرف پرواز کرتے تھے بہت مرتبہ اسی طریقہ سے مجھے جبراً مدرسہ لیگئے اور میرے اوستاد نے کئی مہینہ کی کوشش کے بعد بہت کچھ سزاے جسمانی کے ذریعہ سے سبق سے قدرے دلچسپی پیدا کرنے پر مجھے مجبور کیا۔

کم و بیش ایک سال کے بعد مجھے ایک اعلیٰ مدرسہ میں جانا پڑا جہاں سیکڑوں لڑکے متعدد اوستاد اور ایک سنگدل و بیرحم ہیڈ ماسٹر تھا۔ اُن دنوں مدرسہ کے

لڑکوں کو سزا دینے کا طریقہ خاصکر بید کے ذریعے سے تہا - میں نے کوئی اوستاد ایسا دیکہا نہ سُنا جو سزا سے بید دینے کی خدمت اوس ہیڈ ماسٹر سے زیادہ ایمانداری بیرحمی اور دلجمعی سے ادا کرتا ہو - گو جہانتک میری ذات سے تعلق ہے میں بہت لڑکوں سے اس بارہ میں اچہا رہا اس لیئے کہ دو برس مدرسہ جانے کے زمانہ میں صرف تین مرتبہ مجھے سزا ملی - اس سزا کا معمولی طریقہ یہ تہا کہ پیر کے تلوؤں پر بید مارتے تہے - اور اپنے تین بار کے تجربہ میں میں نے اپنے تلوؤں پر پچاس بید کہائے بیس بدچلنی کے لیئے اور پندرہ کند ذہنی اور حساب نہ سیکہہ سکنے کے قصور میں - کئی بار میں نے اور بہی طفلانہ شرارتیں کی تہیں جنکے لیئے مجھے ضرور سزا ملی ہوتی اگر میں نے احتیاط و پیشبندی سے ہیڈ ماسٹر اور اُنکے ملازمین کی آنکھ بچا کر اُنہیں نکیا ہوتا - لیکن جس قصور پر مجھے پندرہ بید مارے گئے تہے اُس مرتبہ نماز کے درمیان بے ادبی کرتے مجھے دیکھ لیا تہا - ہیڈ ماسٹر کا قاعدہ تہا کہ ہر روز سہ پہر کے وقت تمام لڑکوں کو نماز کے لیئے ایک بڑے کمرے میں لے جاتے تہے اور خود نماز پڑہاتے تہے - مسلمانوں میں نماز کے موقع پر سجدہ کرتے وقت پیشانی فرش پر رکہدیتے ہیں اور اللہ تعالی کی تعریف بار بار کرتے ہیں - نماز کے وقت ہر شخص کو لازم ہے کہ اپنے خیالات تمام دنیاوی چیزوں سے علیحدہ کرے اور خداوند کریم کی طرف رجوع کرے ظہر کی پوری نماز میں پندرہ منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوتے اور ایک سجدہ میں صرف ایک منٹ تقریباً لگتا ہے - ایک روز جب کہ پوری جماعت سجدہ میں تھی میں جلدی سے اُٹھا اور جتنے لڑکے میرے قریب تہے اُنکی ٹوپیاں اوتار کر ایک جگہہ جمع کردیں اور پہر سجدہ میں چلا گیا - جب سلام پہیر اگیا تو معلوم ہوا کہ کئی لڑکے

ننگے سر تھے۔ اس ارتکاب گناہ کی اطلاع اُستاد کو دیگئی اسلئے کہ مسلمان کبھی ننگے سر نماز نہیں پڑہتے اور نہایت شد و مد سے تحقیقات شروع ہوئی۔ ایک لڑکا جو میرا دوست تھا ماسٹر کے سامنے سوالات کا جواب دینے گیا تو اُس مذاق کو یاد کرکے ہنسی ضبط نکر سکا۔ ماسٹر نے فوراً اپنے ملازم کو حکم دیا کہ اُسے نیچے کھینچکر ماریں۔ یہ دیکھکر کہ میرا دوست رو رہا تھا میں ماسٹر کے پاس گیا اور قسم کھائی کہ یہ لڑکا بیگناہ ہے۔ اسپر اُنہوں نے پوچھا کہ تم کیونکر جانتے ہو۔ میں نے کہا کہ نماز میں وہ میرے پاس ہی تھا اور اُس نے اگر ایسا کیا ہوتا تو ضرور میں نے اُسے دیکھا ہوتا۔ یہ سنکر کئی لڑکے کھڑے ہوگئے۔ اور اُستاد سے کہا کہ وہ لڑکا میرے قریب نہ تھا اور اسطرح یک زبان ہوکر میرے بیان کی تردید کی۔ اسپر دو ملازموں کو حکم ہوا کہ مجھے کھینچکر نیچے ڈالیں اور زور سے میرے پیر پکڑیں۔ اسکے بعد اُستاد نے بیس بید میرے تلووں پر مارے جنکے صدمہ سے کئی دن میں لنگڑاتا رہا۔ یہ آخری سزا تھی جو مجھے مدرسہ میں ملی۔

غالباً یہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا اگر میں کچھہ ذکر اُن طریقوں کا کروں جو مدارس میں جسمانی سزا کے لئے اب تک صوبجات میں بعض اُستاد استعمال کرتے ہیں گو انہیں بعض نہایت ہی پُرانی قسم کے ہیں۔ قدیم مدرسوں میں دو طرح کی سزا سے بید کا رواج تھا ایک لڑکیوں اور دوسری لڑکوں کے واسطے لڑکیوں کو کف دست پر سزا دیجاتی تھی۔ ہر مدرسہ میں ایک آلہ سزا ہوتا تھا جسے فلکہ کہتے تھے۔ یہ ایک لانبی موٹی لکڑی تھی جسمیں ایک پھندا لگا ہوتا تھا۔ لڑکے کی کلائیاں اس پھندے کے ذریعہ سے اُس لکڑی سے باندھ دیجاتی تھیں اور لکڑی کے دونوں سرے ایک شخص پکڑکر کھڑا ہوتا تھا تب اُستاد (اسوقت اُستانیاں نہ تھیں) سامنے کھڑا ہوکر ایک پتلی سخت قمچی سے

سزا دیتا تھا۔ عموماً پانچ سے دس ضربیں تک لگائی جاتی تہیں۔ کاہلی۔ بہت بات چیت۔ اور شرارت خاص جرم تھے جنکے لئے یہ سزا دی جاتی تھی۔ جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں لڑکوں کو پیر کے تلووں پر سزا دی جاتی تھی بعض وقت جوتا پہنے ہوئے اور کبھی بلا اُنکے بڑے قصوروں کے لیئے اور بعض موقعوں پر بلا موزہ کے۔ لڑکے زمیں پر لٹہائے جاتے تھے اور دو شخص اُنکے پیر اونچے پکڑتے تھے جنپر اُستاد ایک موٹی چھڑی سے ضرب لگاتا تہا۔ صرف نہایت ہی بڑے قصور کی سزا میں دس سے زیادہ ضربیں لگائی جاتی تہیں اور ننگے پیروں پر عموماً اُس حالت میں جبکہ اُستاد کو معلوم ہوتا تہا کہ مجرم نے چوٹ کم لگنے کی غرض سے جوتے یا موزے کے اندر کوئی شے رکھلی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا تہا کہ لڑکے سزا کے خوف سے بطور پیشبندی اپنے موزوں میں رومال اور بہیڑ کی کہال کے ٹکڑے چہپا رکھتے تہے۔ مجھے یاد ہے کہ پہلی مرتبہ مجھے سزا دیگئی تو میں مطلق نہیں رویا اس خیال سے کہ اتنے لڑکوں کے سامنے رونا نہایت بزدلی کا کام ہے۔ لیکن ایک لڑکا جو میرے قریب بیٹھا ہوا تہا کہنے لگا کہ تم بڑے احمق ہو روتے کیوں نہیں۔ اسکے بعد اُس نے کہا کہ جب کبھی اُسے معلوم ہوتا تہا کہ سزا ملنے والی ہے تو وہ فوراً کوئی ملایم شے اپنے موزوں میں رکھ لیتا تہا اور بوقت سزا جسقدر زور سے ہوسکتا تہا چلاتا اور رحم کی درخواست کرتا تہا۔ اس ترکیب سے اُستاد تعداد ضرب میں تخفیف کر دیتا تھا۔

پُرانے زمانہ کے اُن مدارس میں جہاں لڑکے و لڑکیاں یکجا تعلیم پاتے تھے ایک اور طریقہ بچوں کو درست کرنیکا مستعمل تہا جسکی نسبت مجھے اقرار ہے کہ وہ وحشیانہ و سخت تھا۔ ان بچوں کے مدارس میں صرف ایک بڑا کمرہ ہوتا تھا جسکے دو حصے تھے۔ چھوٹے

حصہ میں اُستاد بیٹھتا تھا اور دو دو تین تین بچوں کو ایک ایک مرتبہ سبق سننے کے لیے بلاتا تھا۔ علیحدہ علیحدہ کلاس یا جماعتیں نہ تھیں۔ بڑے حصہ میں لڑکیاں پڑھتی تھیں اور لڑکے کمرہ کے بیچ کے حصہ میں ہوتے تھے۔ گو بچے آگے پیچھے بیچ ہوتے تھے لیکن اُنہیں زمین پر بیٹھنا پڑتا تھا اور ہر لڑکا و لڑکی اپنی چٹائی یا بھیڑ کی کھال اپنے مکاں سے بیٹھنے کے لیے لاتی تھی۔ اُستاد کے پاس ہی دیوار سے ایک لمبی قمچی لٹکتی رہتی تھی جسکا طول ہمیشہ کمرہ کے طول وعرض کے مطابق ہوتا تھا یعنی ایسا کہ وہ کمرہ کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک پہنچ سکے جب کبھی اُستاد دیکھتا کہ کوئی شاگرد شرارت کرتا اور اپنا کام نہیں کرتا ہے تو وہ اکثر اُسے اپنے پاس بلانے کی تکلیف نہیں گوارا کرتا تھا بلکہ صرف وہ لمبی بھاری چھڑی اوتار کر اور اُسکا موٹا سرا پکڑ کے پتلی جانب سے بچہ کے جسم کے کسی حصہ پر یعنی سر۔ شانے یا پشت پر جہانتک کہ چھڑی پہونچ سکتی تھی ضرب لگاتا تھا۔ بعض وقت جبکہ اسطرح کام نہیں نکلتا تھا تو بچوں کی پسلیوں میں اُسے چبھوتا تھا۔ میرے زمانہ کے تمام ابتدائی مدارس میں یہ سزا بالکل عام تھی اور ہمارے صوبہ ہی تک محدود نہ تھی بلکہ تمام ملک میں رائج تھی۔ مجھے یاد نہیں کہ بچپن میں مجھے بھی یہ سزا ملی تھی یا نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ میں اس سے محفوظ رہا تھا اسلئے کہ اس قسم کے مدرسوں کے اُستاد متمول اشخاص کے بچوں کے ساتھ اس وجہ سے رعایت کرتے تھے کہ والدین ناراض نہوں اور اُنہیں اچھی طرح فیس ملنے کا موقع باقی رہے۔

۱۔ تلووں پر سزا کے بید دینے کی رسم انگلستان میں خصوصیت کے ساتھ وحشیانہ

تصور کی جاتی ہے لیکن ٹرکی میں اب بھی اُسکے اچھے نتائج پر اعتبار کیا جاتا ہے۔ ہماری زبان میں عام مثال ہے کہ "قمچی ایک آسمانی نعمت ہے" جسکا یہ مطلب ہے کہ گردن کش اشخاص میں مار کے ذریعہ سے نیک کام کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس امر کی خوبیوں یا بُرائیوں کے متعلق کوئی بحث کروں میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ جو سزا واجباً و مناسب طور پر دی جاے اُس سے اکثر حیرت انگیز و عجیب و غریب اصلاح و درستی آوارہ طبیعت میں واقع ہوتی ہے۔ بد معاشوں کی سست و مجہول مادہ حق شناسی کو جگا دیتی ہے اور بے لگام لڑکوں کو رام کرتی ہے۔ لیکن اس میں شک ہے کہ بچوں کو مدرسہ میں سبق یاد کرنے کی ترغیب دینے میں زیادہ موثر ہے۔

خیر اس گفتگو کو یہاں چھوڑکر میں دوبارہ اپنے حالات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ ایک سال موسم گرما کے شروع ہوتے ہی میرے اعزا نے خیال کیا کہ میں اپنے وطن کے مدرسے میں کافی مدت صرف کر چکا ہوں۔ اُسوقت میری عمر چودہ برس کی تھی۔ والدہ نہایت اشتیاق سے اُس ساعت کی منتظر تھیں جبکہ تکمیل تعلیم کے لئے مجھے قسطنطنیہ بھیج سکیں۔ الغرض میں نے مدرسہ چھوڑ دیا اور ہم موسم گرما گذارنے کے لیے اپنے دیہات کے مکان میں جا رہے۔

انگورا کی شہرت تمام ایشیاے کوچک میں وسیع اور مختلف الاقسام پھلوں کے باغوں کے لئے بالکل بجا و درست ہے تقریباً وہاں کے سب خاندانوں کے پاس شہر کے باہر چند میل کے فاصلہ پر اپنے اپنے باغ ہوتے ہیں اور بہت سوں کے مکان بھی ان باغوں میں موسم گرما میں رہنے کے لئے بنے ہوتے ہیں مختلف

جوانب سے تین ندیاں ٹھیک اس شہر کے نیچے آکر ملی ہیں جنکی گھاٹیاں پھل دار درختوں یا انگوری باغوں سے پُر ہیں۔ ماہ مئی کے شروع میں لوگ اپنا سازوسامان واسباب خانہ داری وغیرہ بیل گاڑیوں پر شہر کے مکانات سے باغوں کے بنگلوں میں لیجانے لگتے ہیں اور پانچ چھہ مہینے وہاں رہتے ہیں جس وقت تک کہ آخری بہار خزاں کے پھلوں کی ختم ہوجاتی ہے۔ مستورات اور بچے دیہات میں رہتے ہیں اور مرد زیادہ تر اپنے کام پر روزانہ تمازتِ آفتاب کی شدت سے پہلے ہی شہر جاتے اور شام کی ٹھنڈک میں قریب غروب آفتاب واپس آجاتے ہیں۔ دوپہر کے وقت صرف مضبوط و قوی دہقان چل پھر سکتے ہیں اسلئے کہ موسم گرما میں گرمی ایسی ہی سخت ہوتی ہے جیسی کہ جاڑوں میں سردی۔ سفر گھوڑوں۔ خچروں اور گدھوں پر کیا جاتا ہے۔

اور بچوں کی طرح موسم گرما کے شروع ہوتے ہی شہر سے دیہات جانے میں مجھے بھی ازحد خوشی ہوتی تھی لیکن اسکی وجہ زیادہ تر یہ نہ تھی کہ مجھے شہری زندگی سے نفرت تھی بلکہ اس مسرت کا باعث یہ تھا کہ کاغذ قلم کی ہیبت اور دق و پریشان کرنے والے استاد سے نجات ملتی تھی۔ علاوہ تفریح کے اُن ذریعوں کے جو عموماً دیہات میں حاصل ہوتے ہیں جیسا کہ اسپ سواری۔ شناوری۔ بندوق کا شکار اور مچھلی پکڑنا ہیں۔ (ہمارے ہاں مچھلی خاصکر اُس طریقہ سے پکڑی جاتی ہے جسے انگلستان میں دو مچھلیوں کو گدگدانا، کہتے ہیں اور یہ اسطرح ہوتا ہے کہ بند کے درختوں کے نیچے سوراخوں میں ہاتھ ڈالکر جہاں کہ مچھلیاں رہتی ہیں انہیں پکڑتے اور دریا کے کنارے پر پھینکتے جاتے ہیں) مینے ایک قابل سرزنش و ملامت طریقہ دل بہلانے

کا اختیار کیا کرتا تھا جس سے انگلستان کے لڑکے بھی ناواقف نہیں ہیں۔ اور وہ اپنے ہمسایوں کے باغوں میں دلیری سے پھل چرانے کے لیئے مداخلت بیجا کرنا تھا جس سے بیچاری والدہ کے دل کو سخت صدمہ پہونچتا تھا۔ لیکن یہ لوٹ مار میں محض اوس لطف کی وجہ سے کرتا تھا جو کہ اس قسم کے جرأت کے موقعوں پر گھبراہٹ و شرارت وغیرہ کے باعث سے آتا ہے نہ کہ پھل کھانے کی غرض سے اس لیئے کہ ہمارا ذاتی باغ اس بارہ میں سب سے بہتر تھا اور اُسکے پھلوں کی عمدگی پر سب رشک کرتے تھے۔

اُس موسم گرما میں میں نے کئی مہینے اپنے دیہات کے مکان میں گذرے اور جس سزا کا میں مستحق تھا اُس سے بالکل بچا رہا۔ آخر کار میں نے ایک ایسا جرم کیا جس سے میرے اعزا چشم پوشی نہیں کر سکتے تھے اور وہ یہ تھا کہ میں نے ایک دلفگار بیمار عشق کو اپنی معشوقہ کو جبراً بھگائے جانے میں مدد دی حالانکہ لڑکی کے رشتہ داروں نے اُس شخص کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ یہ واقعہ بیان کروں میں یہ کہنا مناسب سمجھتا ہوں کہ لڑکی کو بھگائے جا کر شادی کرنے کی عادت ترکون سے شروع نہیں ہوئی بلکہ ایشیائے کوچک میں اُن لوگوں نے اسے جاری کیا جو کہ کوہ قاف سے آکر وہاں آباد ہوئے اور کبھی کبھی سرکیشین النسل اشخاص اسپر عمل درآمد کرتے تھے۔ اہل سرکیشیا میں تقریباً تمام شادیاں اسی طریقہ سے ہوتی ہیں۔ والدین نکاح کے موافق ہوں یا خلاف مرد دولہن کو نکال لے جاتا ہے۔ یہ امید کیجاتی ہے کہ وہ اس قسم کے فعل سے اپنی جوانمردی ثابت کریگا اور اگر لڑکی والے اُسے مناسب اور لایق سمجھتے ہیں تو اس حرکت کے بعد بھی تمام انتظام میل ملاپ کے ساتھ

درست ہو جاتا ہے اور اگر اس طرح تصفیہ ہوا تو عزت کا معاملہ سمجھکر شر و فساد اور اکثر کشت و خون پر خاتمہ ہوتا ہے۔ ہم لوگ اس رسم پر نہایت نفرت سے نظر کرتے ہیں اور یہی وجہ تھی کہ متذکرہ بالا معاملہ میں میری شرکت کو ہر شخص نے نہایت سنگین جرم سے تعبیر کیا۔

جس لڑکی کے بھگا لے جانے میں ہمنے مدد کی تھی اُسکے خاندان کے لوگ اُسے واپس چھین لینے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے اسلئے کہ لڑکے کے اقربا اور احباب کی تعداد فریق ثانی کی بہ نسبت زیادہ تھی اور قانون کے ذریعے داد خواہی میں بڑی بھاری پریشانی و خرچ کا سامنا تھا۔ دولہن والے کسی طرح رتبہ میں دوسرے فریق سے بڑھ چڑھکر تھے لیکن نکاح کے باقاعدہ پیغام سے اُنہوں نے انکار کر دیا تھا۔ لڑکی کی ماں سرکیشین تھی اسلئے مجھے یقین ہے کہ لڑکی نے اپنی قوم کے خواص کا ضرور کچھ حصہ ارث میں پایا ہوگا۔ اُسکی خواہش تھی کہ اپنے عاشق کے ساتھ نکاح کرے لہذا کسی صورت سے اُسنے یہ کہلا بھیجا کہ مکان کے متصل جو باغ تھا اُس میں وقت معہودہ پر آؤنگی۔ اس بھگا لے جانے کی مہم میں تین شخص شریک تھے یعنی میں۔ لڑکی کا عاشق اور ایک طاقتور سرکیشین الاصل جوان جسکے پاس ہم دونوں سے بہتر گھوڑا تھا اور جسکو لڑکی کے اوڑا لے جانے کی خدمت سپرد تھی۔ ہم اپنے محلہ سے شام ہوتے ہی روانہ ہوئے اور ڈیڑھ گھنٹہ شاہراہ پر چلکر جب لڑکی کے دیہات والے مکان کے قریب پہونچے تو مڑکر ایک جانب کی راہ لی۔ اپنے گھوڑے درختوں سے باندھ دئے اور گھنے میوہ دار درختوں کے باغوں میں سے جہانتک خاموشی کے ساتھ ممکن ہوسکا دبک دبک کر چل رہے تھے کہ کسی کو ایک لمبے سفید فرغل میں پلٹے ہوئے حرکت

کرتے دیکھا - یہ وہی لڑکی تھی اور کانپ رہی تھی حالانکہ موسم گرما کی شام کا وقت تھا ہم اُسکے قریب پہونچے اور ہمارے قوی ساتھی نے اُسے اپنے شانوں پر اُٹھا لیا - اُس وقت میری نظر میں اُسکے عاشق کے چہرہ سے از حد حماقت عیاں تھی جسکی وجہ ممکن ہے کہ اُسکی اُس وقت کی خوشی اور تردد کا مجموعہ تھا - اب ہم اُس مقام پر واپس آئے جہاں ہمارے گھوڑے بندھے ہوئے تھے دولہن اُس قوی سر کیشین کے گھوڑے پر سوار کرا دی گئی اور اُس مرد کے شانوں کو مضبوطی سے پکڑے رہی - اسطور پر ہم روانہ ہوئے اور جب شارع عام پر پہونچے تو اپنی تیزی رفتار کم کر دی اسلئے کہ لڑکی سرپٹ گھوڑا دوڑانے کی تکلیف کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی دولہا اور میں متواتر پیچھے دیکھتے جاتے تھے مبادا کوئی لڑکی کے چھڑا لینے کی غرض سے ہمارا تعاقب کرتا ہو میں پتھر کلا تپنچہ اور لاٹھی سے مسلح تھا جسکی موٹھ پر نہایت ہیبت ناک طریقہ سے بہت سی کیلیں جڑی ہوئی تھیں - آخرش ہمنے لڑکی کو دولہا کے مکان پر پہونچا دیا جہاں کہ اُسکے اعزا نے لڑکی کی نہایت خاطر و مدارات کی اور دوسرے روز دونوں کا باقاعدہ نکاح ہوگیا -

اس معاملہ میں میری شرکت کا حال سنکر میری والدہ پر سخت غصہ اور صدمہ طاری ہوا لیکن میرا تو یہی خیال ہے کہ جو کچھ میں نے کیا تھا وہ بالکل درست تھا اور ایک مصیبت زدہ انسان کی مدد شادی کے بارہ میں کرنے سے میں نے ایک نیک کام کیا تھا خصوصاً جبکہ وہ شادی آگے چلکر اچھی ثابت ہوئی -

اس سال کا موسم خزاں ختم ہو چلا تھا کہ ہمنے دیہات سے شہر کے مکان میں اپنی سکونت منتقل کرنے کی تیاری کی میرے چچا صاحب جو کہ چندروزہ پارلیمنٹ

عثمانیہ کے منجانب ہمارے شہر کے قسطنطنیہ میں ممبر تھے اُس زمانہ میں وہاں سے واپس آگئے تھے اسلئے کہ موجودہ سلطان نے پارلیمنٹ بلا تعین وقت ملتوی کردی تھی اور اُنہوں نے تصفیہ کرلیا تھا کہ تھوڑے عرصہ تک انگورا میں رہیں گے۔ میری عادات وخصائل کا حال سنکر اُنہوں نے میری والدہ سے کہا کہ اسکا اسباب میرے مکان پر بھیجدو تا کہ یہ میرے بچوں کے ہمراہ رہے اور میری زیر نگرانی تعلیم پائے۔ میری والدہ جنکی نیک طبیعت کو میری بے شمار نافرمانیوں و بداعمالیوں کی وجہ سے سخت صدمہ پہونچا تھا بجائے اسکے کہ میرے مکان سے جانے سے خوش ہوتیں اس لئے کہ اُنکو کسیقدر اطمینان خاطر ہوتا میرا اسباب جاتے ہوئے دیکھکر رونے لگیں۔ جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں ہمارے خاندان میں چچا صاحب پہلے شخص تھے جنہوں نے سرکاری ملازمت اختیار کی تھی۔ تقریباً چالیس سال حلب۔ دمشق۔ قاہرہ۔ مدینہ منورہ مکہ معظمہ اور سلطنت عثمانیہ کے دیگر بڑے شہروں کی نصف مذہبی عدالتوں میں بطور جج مامور رہکر وہ عارضی طور پر سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ گو وہ ازحد ایماندار متقی و پرہیزگار تھے لیکن قسطنطنیہ کے سرکاری حلقوں کی بعض قدیم اخلاقی کمزوریوں اور ایسی عادتوں میں پڑ گئے تھے جیسی کہ کثرت ازدواج ہے۔ جب میں اُن کے مکان پر گیا تو اُسوقت اُنکی تین بیبیاں تھیں جو معہ اپنے کثیر التعداد بچوں اور متعدد زنانہ خدمتگاروں کے حرم سرا میں رہتی تھیں اور یہ مکان کے اُس حصہ کا نام ہے جس میں کہ مستورات رہا کرتی ہیں۔ اُنکی بیبیاں سرکیشین قوم کی تھیں۔ مختلف موقعوں پر اُنہوں نے تینوں کو خرید آزاد کیا اور اُن سے نکاح کیا تھا اور برخلاف دوسرے اشخاص کے اُنہیں ایک ہی مکان میں یکجا رکھا تھا۔ یہ بات اُتنی ہی تعجب خیز تھی جتنی کہ غیر معمولی تھی کہ کسطرح

بلا چون وچرا سب اُنکی حکم بردار و اطاعت شعار تہیں اور وہ حالانکہ بیحد سخت مزاج تھے تاہم بیبیوں کے ساتھ پورے انصاف و مہربانی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ممکن ہے کہ دل ہی دل میں ایک بی بی کو دوسری سے نفرت رہی ہو لیکن نگہداشت مراتب و پاس آداب اُنہیں ہمیشہ پوری طرح رہتا تھا۔ ان مختلف بیبیوں کے بچوں میں بہ نسبت ماؤں کے زیادہ تر رشک عیاں تھا۔ میرے چچا صاحب کی پہلی بی بی ایک سربرآوردہ خاندان کی لڑکی تہیں اسلیئے اُنکی زندگی میں وہ مسئلہ کثرت ازدواج سے فائدہ نہ اُٹھا سکے اور اُنکے انتقال کے بعد تینوں سرکیشین عورتوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کیا تھا۔

میں چچا صاحب کے حرم سرا میں تقریباً دو سال رہا۔ یہاں کی پرشور و ہنگامہ زندگی اور ہمارے ذاتی مکان کے طور و طریقہ میں نمایاں اختلاف تھا۔ ایک طرف اُن کے مختلف البطن بچے ایک دوسرے سے لڑا کرتے تھے اور دوسری جانب نوکروں میں علیحدہ جنگ رہا کرتی تھی۔ اُنکی ہر بی بی اپنے ہی حصہ مکان کی درستگی اور اپنے ہی بچوں کی آسایش کا خیال کرتی تھی۔ میں سب سے علیحدہ تھا اور اسوجہ سے نہایت افسردہ دل رہا کرتا تھا۔ بچوں کی جتنی لڑائیاں ہوا کرتی تہیں اُن میں میرے چچا کے سب لڑکے ملکر میرے خلاف ہوجاتے تھے اور اُنکے ساتھ اُنکی ماؤں کی بے انتہا محبت و پیار دیکھکر مجھے قدرتی طور پر رشک ہوتا تھا۔ میرے چچا صاحب گو میرے ساتھ بالکل اُسیطرح پیش آتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کے ساتھ تاہم وہ نہایت سخت تھے۔ ہمکو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔ میری تمام پہلی کہیل کود اور تفریح کی باتیں جاتی رہیں۔ یا تو ہر وقت ہمیں سبق سے سروکار رہتا تھا یا نماز سے جو کہ وہ خود دن میں

پانچ دفعہ ایک بڑے کمرے میں پڑھایا کرتے تھے - صبح کی نماز سے جو کہ طلوع آفتاب سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے ادا کی جاتی ہے مجھے بہ نسبت دوسری نمازوں کے زیادہ تکلیف ہوتی تھی اس لیئے کہ چچا صاحب روز علی الصباح اٹھکر حرم سرا اور مردانخانہ میں ہر کمرہ خواب کے دروازہ پر دستک دیکر ہر شخص کو اُٹھنے اور نماز صبح ادا کرنے پر مجبور کیا کرتے تھے - موسم سرما کی صبح کی سردی میں اُٹھکر وضو کرنے اور نماز پڑھنے کی میں اکثر ایسے الفاظ میں شکایت کیا کرتا تھا جو مشکل سے جایز تصور کیئے جا سکتے ہیں - اُن کثیر التعداد لڑکوں لڑکیوں اور ملازموں میں سے اگر کوئی بلا عذر مرض شدید نماز کے واسطے تیار ہونے سے قاصر رہتا تو میرے درشت مزاج چچا یقیناً اُسے چابک کی مار اور سزاے بید دیتے تھے - اُن کے بیٹوں کی طرح مجھے بھی کئی مرتبہ سزا ملی - اُن کے ہاں افسردہ خاطر رہنے کی وجہ سے میں نے خفیہ طور پر تماکو پینا شروع کیا جسکی ہمارے ملک میں لڑکوں کے لیئے سخت ممانعت ہے - میرے ایک چچیرے بھائی نے جو مجھسے سخت نفرت کرتا تھا ایک روز مجھے دیکھہ پایا اور اپنے والد سے میری شکایت کر دی کہ سائیس کے ساتھہ اصطبل میں میں سگرٹ پی رہا تھا اور سائیس میرے لیئے ہمیشہ سگرٹ خرید کر کے اپنے پاس رکھا کرتا اور میرے ساتھہ پیا کرتا تھا - چچا صاحب نے دو قد آور نوکر میرے پکڑنے کے لیئے بھیجے جو مجھے اُن کے سامنے لیگئے - حکم ہوا کہ میرا جوتا اور موزے اوتار دیں اور پیر او پنچے کر کے پکڑیں اور پھر خود میں بید میرے ننگے تلوؤں پر مارے جن سے اسقدر چوٹ لگی کہ میں بہت دیر تک تکلیف سے چلاتا رہا - بہر حال اُس سزا کا جو نتیجہ ہونا چاہیئے تھا وہ ہوا اسلئے کہ صرف گذشتہ دو سال سے اب میں نے تماکو پینا شروع کیا ہے -

علاوہ دیگر احکام کے ایک سخت ترین حکم میرے چچا صاحب کا یہ تھا کہ اُنکے بیٹے اور میں ہر شام کو نوشت وخواند کے لیئے مردانخانہ میں رہا کریں اور حرم سرا میں سونے کے لیئے اُسوقت تک داخل نہوں جب تک کہ نماز عشا نہ ادا کرلیں جو کہ قریب دس بجے کے ہوتی ہے - مجھے حرم سرا میں سوتے ہوئے چند مہینے گذر چکے تھے کہ ایک شب جبکہ ہم سب سونے کے لیئے اندر جانے کی تیاری کر رہے تھے چچا صاحب نے اُس سنجیدگی کے ساتھ جو اُنکے لیئے مخصوص تھی کہا کہ ٹھہر جاؤ اور فرمایا کہ چونکہ اب تم جواں ہو چلے ہو اسلیئے مناسب ہے کہ قواعد پردہ کی پابندی کرو - اِن قواعد کے مطابق کوئی مرد حرم سرا کی بیبیوں کے درمیان نہیں رہ سکتا جنھیں اور اُس میں شرعاً نکاح جائز ہو - الغرض میرے چچیرے بھائی سونے کے لیئے حرم سرا میں چلے گئے اور مجھے مردانخانہ میں چھوڑ دیا - جو کمرہ میرے لئے منتخب کیا گیا تھا میں اُس میں چلا گیا اور دیکھا کہ میری سب چیزیں وہاں پیشتر سے موجود تھیں - جو افسردہ دلی اور افسوس مجھے اُس شب کو ہوا ابھی تک نہایت اچھی طرح یاد ہے - میں اُسوقت پورے پندرہ سال کا بھی نہ تھا - دل چاہتا تھا کہ بھاگ کر اپنے مکان چلا جاؤں اور والدہ کی آغوش میں پناہ لوں لیکن اسکی مطلق امید نہ تھی اسلیئے کہ میں باقاعدہ طور پر اپنے چچا صاحب ہی کی زیر نگرانی سپرد کیا گیا تھا علاوہ بریں وہ اسقدر ذی اقتدار اور زبردست شخص تھے کہ اُنکی مخالفت ممکن نہ تھی اور اُنکی رائے ہمارے خاندانی معاملات میں سب سے برتر تھی - اپنی بے بسی پر غور کرکے اُس شب کو تنہائی میں میں بہت دیر تک روتا رہا - چچا صاحب کے حرم سرا سے میرے خارج کئے جانے کا یہ باعث تھا کہ اُنکی دو بیٹیاں تھیں جو میری ہم عمر تھیں اور بعض اشخاص

جس میں میری والدہ بھی شامل تھیں اُن دونوں میں سے ایک کے ساتھ میری شادی کرنیکے منصوبے باندھا کرتے تھے حالانکہ اُسوقت تاہل کی برکتوں کی عزت میرے نزدیک کچھہ نہ تھی اور نہ وہ لڑکی ہی میری جانب مطلق مائل تھی - یہ عجیب بات ہے کہ جب دو کم عمر نوجوانوں کی شادی کی کوئی تجویز ہوتی ہے اور نیز منسوب ہوجانے کے بعد بھی اُنکی علیحدگی مین بجاے اِسکے کہ کوئی کمی واقع ہو اور سختی برتی جاتی ہے -

اِس موقع پر جبکہ میں اپنے چچا صاحب کے حرم سرا کا ذکر کر رہا ہوں غالباً نامناسب ہوگا کہ رسم تعدد ازدواج کے متعلق کچھہ بیان کروں - انگریزی زبان میں اسلامی کثرتِ ازدواج پر بہت کچھہ خامہ فرسائی کی گئی لیکن اُسمیں سے تقریباً بالکل غلط اور ناقابلِ اعتبار ہے اسلیے کہ جو لوگ کہ مسلمان نہیں ہیں وہ اس رسم کے بلا وجہ اور نامناسب طور پر متعصبانہ مخالف ہیں - ایک سے زیادہ بی بی کا شوہر ہونا کوئی ترکی رواج نہیں بلکہ اسلامی قاعدہ ہے تمام مسلمان قوموں کی بہ نسبت ترکوں میں سب سے کم یہ رسم رائج ہے - اُن بے اصول حکام کے متعلق جو قسطنطنیہ میں ہیں اور ایک سے زیادہ بیبیاں رکھتے ہیں تحقیقات کرو تو معلوم ہوگا کہ بجائے عثمانی خون کے اُن کے رگ و ریشہ میں خارجی خون زیادہ دوڑتا ہے اسلامی کتابوں میں تعددازدواج کے جواز میں بہت سے وجوہ بیان کیے گئے ہیں - میں یہاں صرف ایک وجہ کا ذکر کروں گا جو کہ تاریخی ہے - رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے بعض قبائل عرب عورتوں کی تعداد روکنے کی غرض سے لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے - جب آفتابِ اسلام طلوع ہوا تو یہ وحشیانہ رسم جاتی رہی ظہورِ اسلام کے بعد عرب کے مسلمانوں اور وہاں کے دیگر باشندوں میں بہت ہی سخت مذہبی معرکہ آرائیاں ہوئیں جن میں ایک بڑی تعداد مردوں کی ضایع ہوگئی اور اسوجہ سے

بہت سی عورتیں بیوہ ہوگئیں یا ناکتخدا رہیں جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس زمانہ میں فاحشہ عورتوں کی تعداد میں خوفناک زیادتی ہوئی اور زنا اسلامی قانون کے مطابق گناہ کبیرہ ہے - ہر منصف مزاج اور غیر متعصب عیسائی تسلیم کریگا کہ آنحضرت صلعم نے اپنے پیرؤں کے لیے کتنی ہی سلیم اور عادلانہ اُصول قایم کئے جن سے امید کی جاسکتی تھی کہ آپ نے کثرتِ ازدواج کی اجازت نہ دی ہوتی - لیکن لوگوں کے خیالات کے مطابق جو زائد از ضرورت عورتیں تھیں اُنکا ایسے زمانہ میں کیا علاج کیا جاتا جبکہ اُنکی خدمات قوم کے لیئے عام طور پر فائدہ مند نہیں متصور کی جاتی تھیں - بداخلاقی کے گناہ کا کیونکر انسداد ہوسکتا تھا؟ اسی لیئے آپ نے کثرتِ ازدواج کی اجازت دی جو کہ دیگر قوموں میں عموماً رائج تھا اور دو تین بلکہ چار تک نکاح کرنے کی منظوری عطا فرمائی ہر شخص کی صحت - دولت اور منصفانہ برتاؤ و سلوک کی لیاقت و مادہ کے مطابق - قانون اسلامی کا ایک عام قاعدہ یہ ہے کہ تغیر و تبدل زمانہ کے ساتھ ساتھ قوانین بھی ترمیم[ف۱] ہونے چاہیئیں - لیکن قانونِ کثرت ازدواج تبدیل نہ کیا گیا - بعض فرمانرواؤں اور متمول اور با اثر اشخاص کے یہ رسم ہمیشہ پسند خاطر رہی ہے - لیکن سب سے زیادہ تعجب جو اس بارہ میں مجھے ہوتا ہے وہ بعض یورپین اشخاص کی بیجا اور ناشایستہ نکتہ چینیوں کو دیکھکر ہوتا ہے جو کہ وہ اس مسئلہ کے متعلق کرتے ہیں - کیا یورپ میں ایسے بہت سے اشخاص نہیں ہیں جنکے پاس علاوہ منکوحہ بی بی کے اور آشنا ہیں؟ یہ تو مشرقی مسلمانوں کی رسم تعدد ازدواج سے بدتر ہے

ف۱ اِن سے مذہبی قوانین مراد نہیں اسلئے کہ وہ منجانب اللہ ہیں اور بدیں وجہ اکمل ہیں اِن میں گنجائش ترمیم و ترقی نہیں - جو لوگ کہ مسئلہ کثرت ازدواج پر اپنی لاعلمی یا از کسی وجہ سے حرف لاتے ہیں اُنکو معلوم ہونا چاہیے کہ یورپ کے بعض اہل الرائے اقرار کرنے لگے ہیں کہ وہاں کی بداخلاقیوں کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ یہ اسلامی رسم جاری کی جائے - محمد حسن خاں

اس لیئے کہ آخر الذکر رسم کے مطابق ایک سے زیادہ نکاح کرنا قانوناً جایز ہے اور جو اولاد ایسے عقد سے ہو وہ حرامی نہیں برخلاف اسکے یورپ کی آشنائیوں کے بدقسمت بچے محجوب الارث ہوتے ہیں اور اُنکی ماؤں کی نسبت تو ہر وقت بدکاری کی زندگی میں پڑ جانیکا خدشہ رہتا ہے۔

باب سوم

حرم سرا اور مشرقی مستورات

انگلستان میں بہت ایسے لوگ ہیں جنکے خیالات حرم کے متعلق پراگندہ اور غلط ہیں اور اُن روایات پر مبنی ہیں جو کہ اُنھوں نے کثرت ازدواج کی نسبت سنی ہیں۔ اِن غلط فہمیوں کے رفع کرنے کی غرض سے میں اس باب میں مزید واقفیت اور اطلاع کے لیئے حرم سرا اور اُس میں زندگی بسر کرنے والیوں کے حالات اور نیز ٹرکی میں عام حالتِ نسواں کے بارہ میں کچھ تحریر کرونگا۔

گو لفظ حرم سے مغربی یورپ کے لوگ آشنا ہیں اور اُسے استعمال بھی کرتے ہیں لیکن انگلستان کے بہت کم اشخاص اُسکے اصلی معنی سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مشرق کے متعلق بہت سے معاملات مغربی ممالک میں بہت کم سمجھے جاتے ہیں بالکل اسیطرح

جیسا کہ مغربی حصۂ یورپ کے بعض رسوم و عادات مشرقی دلوں میں تعصب پیدا کرتے ہیں
جب کوئی انگریز لفظ حرم استعمال کرتا ہے تو اُسکا منشا اُن کثیر التعداد بیبیوں سے ہوتا ہے
جنکی نسبت فرض کر لیا جاتا ہے کہ ہمارے حصہ مشرق میں ایک مرد کے مکان میں بند رکھی
جاتی ہیں - علاوہ بریں وہ یہ بھی یقین رکھتا ہے کہ مشرق میں ہر مسلمان جتنی بیبیاں چاہے
نکاح میں لا سکتا ہے یہ خیال محض غلط ہی نہیں بلکہ نہایت بیجا و بے سر و پا ہے ہزاروں
ایسے لوگ ہیں جو اپنے تئیں نہایت خوش قسمت سمجھیں اگر ایک نکاح بھی کر سکیں اور ہزاروں
ایسے ہیں جنکی صرف ایک بی بی ہے اور چاہتے ہیں کہ اُس سے بھی نجات ملے تو خوش
ہوں - جو شخص کہ زیادہ نہیں بلکہ صرف دو بیبیاں صلح و آشتی کے ساتھ رکھ سکے اور دونوں
کی ضروریات کی کفالت کرے وہ ضرور بلا استثنا جوانمرد و باہمت شخص ہوگا - جس طرح کہ
مشرق میں تمام مرد ظالم نہیں ہیں اسیطرح تمام بیبیاں بھی سختی کے ساتھ تابعدار نہیں ہیں
مذہب قانون اور رواج کے مطابق بہت سے ایسے فرائض اور حقوق عورتوں کے مردوں کے
متعلق ہیں جنہیں اُنہیں ادا کرنا چاہیئے - ہر ایماندار شخص کو لازم ہے کہ اُن فرائض کو ادا
کرے لیکن درحقیقت ایسے لوگ مشکل سے ملینگے کہ فرائض شوہری ایک بی بی سے
زائد کے ساتھ پورے کر سکیں - یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سلطنت عثمانیہ کے بہت سے
حصوں میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ نہیں ہے اور صرف یہی ایک واقعہ اُس مہمل خیال کی ابطال کیلئے کافی ہے
جو کہ انگلستان میں ترکوں کے ایک سے زیادہ بیبیاں رکھنے کی نسبت عام طور پر پایا جاتا ہے حقیقت حال یہ ہے کہ تعدد
ازدواج کے خلاف کوئی قانون نہیں ہے ۵۷ لیکن شائستہ اور معقول اصحاب اسے اچھی
نظر سے نہیں دیکھتے - اگر کسی نے ایک شریف کی لڑکی سے ایک مرتبہ شادی کر لی
ہو تو دوسری بی بی گھر میں لانا کوئی آسان کام نہیں - فی زمانہ بہت سے اشخاص مغربی تعلیم

۵۷ اور ہونا بھی نہیں چاہیئے جبکہ مذہباً تعدد ازدواج کی اجازت ہے - محمد حسن خاں -

یافتہ ایسے ہیں جو صرف اس نیت سے شادی کرتے ہیں کہ اُنہیں تمام عمر کے لیئے ایک ہمدم اور ساتھی نصیب ہو اور خوب سمجھتے ہیں کہ اگر غلطی سے دوسرا نکاح کر لیا تو غالباً زندگی آرام کے ساتھ بسر نہ ہوگی۔

اس امر کی تشریح کے بعد یہ عام مروجہ خیال کس قدر مہمل ہے کہ حرم محض متعدد بیبیوں کا مجموعہ ہے اب میں یہ بتلاؤنگا کہ درحقیقت حرم کسے کہتے ہیں۔ اسلامی ملکوں میں پردہ کی رسم گہری جڑ پکڑے ہوئے ہے اور مذہباً اُسکا عمل درآمد ہے اور اس لئے ہر مکان مسکونہ دو علیحدہ علیحدہ حصوں میں منقسم ہوتا ہے۔ ٹرکی میں وہ حصہ مکان[۵۱] جہاں مستورات رہتی ہیں حرم کہلاتا ہے اور مردوں کے حصہ مکان کو سلام لق کہتے ہیں جو کہ عام ملاقات

---

[۵۱] اس جگہہ ناظرین کی دلچسپی کے لیئے اُن حالات کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جو ایک یوروپین لیڈی لوسی گارنٹ صاحبہ نے حال میں ترکی مکانات اور حرم سرا کے متعلق شایع کیے ہیں، وھو ہذا۔

"ترکوں کی نمایاں خصلتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ فطرتی طور پر عمدہ مقامات۔ سایہ دار موقعے سرد چشمے اور کھلے میدانوں کی قدر کرتے ہیں۔ خوشنما منظروں کا یہ شوق ہی اس امر کا باعث ہے کہ جہاں کہیں وہ بسے ہیں اُنہوں نے اپنے مکانوں کے لیئے خوبصورت ترین مقامات منتخب کیے ہیں جہاں سے نہایت دلکش اور شاندار منظر اچھی طرح دکھلائی دیتے ہوں۔ علاوہ اُن سات پہاڑیوں پر تقریباً حدف آپ ہی آپ آباد ہونے کے جن پر کہ مثل روما کے استنبول آباد ہے ترکوں نے باسفورس اور بحر روم کے سواحل پر بہت سے خوشنما موقعے اپنے قبضہ میں رکھے ہیں۔ سمرنا میں قلعہ قدیم کی شکستہ حال دیواروں کے نیچے کوہ پیگس کے ڈھلوان مقامات پر زدہ بسے ہوئے ہیں۔ بروسہ میں ترکی حصہ شہر کوہ المپس کی چڑھائی پر واقع ہے اور سلونیکا میں ترکی آبادی سے ایک عالیشان منظر پہاڑ پیمدان اور خلیج کا دکھلائی دیتا ہے۔

کے لئے مخصوص ہوتا ہے گو مکان کی تمام مستورات کو مجموعی طور پر حرم بھی کہتے ہیں تاہم اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ سب صاحب خانہ کی بیبیاں ہیں - ہر شخص کی زوجہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷ - صوبجات کے شہر نہیں ہر مکان حتی کہ غریب سے غریب اشخاص کے مکانات میں باغ نہیں تو صحن ضرور ہوتا ہے اور شہتوت اور دو ایک قسم کے اور درخت اسمیں ہوتے ہیں۔ مکانات ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے کاریگروں اور مزدوری پیشہ ترکوں کے مکانوں اور اسی درجہ کے دوسری قوموں کے لوگوں کے مکانوں میں صرف یہ فرق ہوتا ہے کہ اول الذکر کے مکانوں کی سڑک کی طرف کی کھڑکیوں میں جالیاں لگی ہوتی ہیں یہ مکان دو منزلہ ہوتے ہیں جن میں باہر کی جانب ایک زینہ ہوتا ہے ایک متوسط درجہ کے خاندان کا مکان ان سے بہت زیادہ وسیع ہوتا ہے - اسکے تین جانب عموماً باغ اور صحن ہوتا ہے چوتھی جانب کا حصہ سڑک پر نکلا ہوا ہوتا ہے اور اسی کے اوپر دوسری منزل ہوتی ہے۔ دیواریں اکثر گہرے سرخ رنگ کی ہوتی ہیں جو کہ سادہ بلا کسی رنگ کی کھڑکیوں اور جعفریوں کے مقابلہ میں جن سے کہ دو تہائی شیشے کھڑکیوں کے چھپے ہوتے ہیں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ اونچے اونچے سرو اور شہتوت اور ببول کے درخت اپنا وسیع سایہ مکان اور باغ پر ڈالتے ہیں اور اُن کے نیچے نہایت کثرت اور افراط سے گلاب اور چمبیلی نارنگی اور انار گل شبو گلنار سب ایک ساتھ - گندنا اور ولایتی بیگن - دیسی بیگن اور خربزہ گوبھی اور کدو کے شانہ بہ شانہ دیکھنے میں آتے ہیں - نیچے کی منزل میں دو کمرے سلاملق کے لئے ہوتے ہیں یعنی یہ حصہ مکان کا مردانہ ہوتا ہے جسمیں کہ صاحب خانہ اپنے ملنے والوں سے ملاقات کرتا ہے اور باقی حصہ میں باورچیخانہ اور نوکروں کی رہایش کے لئے انتظام ہوتا ہے اوپر کی منزل حرملق یعنی زنان خانہ کہلاتی ہے جسمیں کوئی مرد ملنے جلنے والے سواے خاندان کے نہایت قریبی رشتہ داروں کے نہیں داخل ہو سکتے ہیں۔

والدہ۔ ہمشیرہ۔ دختر اور نیز وہ عورتین جو شرعاً بلا نقاب اُسکے سامنے ہو سکتی ہوں۔ اُسکے حرم میں داخل ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۔ ایک متمول شخص کا مکان قنق کہلاتا ہے اور عموماً شہر ہو یا دیہات کسیقدر لنبا چوڑا اور بے ترتیبی کے ساتھ بنا ہوا ہوتا ہے۔ اکثر اُسکے بالکل دو علیحدہ حصے ہوتے ہیں۔ سلاملق وحرملق اور ان دونوں کے بیچ میں راستہ ہوتا ہے جسے مابین کہتے ہیں۔ حرملق یعنی زنانخانہ سلاملق یعنی مردانہ مکان سے زیادہ بڑا ہوتا ہے اور اُسمیں کل خاندان کی رہایش کے کمرے ہوتے ہیں مردانہ مکان میں صرف وہ کمرے ہوتے ہیں جنمیں آفندی یا پاشا اپنا معمولی کاروبار مہمان نوازی اور لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں۔ اس حصہ مکان میں جملہ ملازم مرد ہوتے ہیں۔

حرملق کا دروازہ ایک تو مردانخانہ میں سے ہوتا ہے اور دوسرا علیحدہ صحن اور باغ سے ہو کر۔ جیساکہ مشرقی مکانونمیں عام طور پر قاعدہ ہے سامنے کے دروازہ سے ایک بڑے ہال میں داخل ہوتے ہیں جسکی دونوں جانب اور کمرے ہوتے ہیں اور مقابل کئی کھڑکیاں ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک کمرہ قہوہ اُجاق کہلاتا ہے یعنی قہوہ کی انگیٹھی۔ یہاں ایک ضعیفہ ہمیشہ لکڑی کے کوئیلوں کی ایک انگیٹھی لئے ہوئے موجود رہتی ہے کہ حکم پاتے ہی بات کی بات میں قہوہ تیار کردے۔

تمام ترکی مکانات موسم گرما کے لحاظ سے بنائے جاتے ہیں اور گو موسم سرما ٹرکی کے شمالی حصہ میں خصوصاً اکثر سخت ہوتا ہے مکانوں کے بنانے میں اسکا تقریباً مطلق خیال نہیں کیا جاتا۔ دیواروں میں کثرت سے کھڑکیاں ہوتی ہیں اور مکاں کے گرم کرنیکا سامان نہایت ہی ناکافی ہوتا ہے۔ زیادہ تر تو صرف ایک انگیٹھی ہوا کرتی ہے اور وہ بھی اس شکل و صورت کی کہ ایک تانبے یا پیتل کے اُتھلے برتن میں لکڑی کے کوئیلے بہت سی راکھ میں چھپے ہوئے یا تو ایک نہایت خوشنما کام کئے ہوئے ظرف پر رکھے جاتے ہیں یا ایک لکڑی کی بھاری تپائی پر جسپر نہایت عمدہ روغن کیا ہوتا ہے

ہر خاندان میں مفصلۂ ذیل اشخاص کو حرم سرا میں داخل ہونے کی اجازت ہے :-
صاحب خانہ - اُسکے بیٹے - والد - خسر - اور نسبتی بھائی - بڑے بڑے شہروں مثل

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹ - یہ تپائی دو یا تین فٹ مربع اور قریب آٹھ انچ کے اونچی ہوتی ہے اور کمرے کے بیچ میں رکھی جاتی ہے - ایک اور کسیقدر عجیب شے گرمی پہونچانے کے لئے تنور ہے جسکا استعمال گو قسطنطنیہ اور ٹرکی کے یوروپین صوبجات میں اب نہیں رہا لیکن ایشائے کوچک میں تو یوروپین اشخاص کے مکانوں میں بھی یہ دیکھنے میں آتا ہے - اِسکی وضع یہ ہوتی ہے کہ ایک قسم کی مربع چار پلے کی چھوٹی میز لکڑی کی ہوتی ہے جس میں کہ پایوں سے چند انچ اوپر ایک تختہ ٹین سے ڈھکا ہوا لگا رہتا ہے - اِس تختہ پر بیچ میں ایک برتن کوئیلوں سے بھرا ہوا رکھا جاتا ہے جسکے چاروں طرف لوہے یا تانبے وغیرہ کی حفاظتی جالی لگی رہتی ہے - اس میز کے اوپر ایک بڑا اور دبیز لحاف ڈالدیا جاتا ہے جسے کہ بیبیاں تنور کی دو جانب بیٹھکر گھٹنوں پر کھینچ لیتی ہیں - لیکن امریکن ساخت کی انگیٹھیوں کا استعمال ہر سال زیادہ ہوتا جاتا ہے -

جس قسم کے مکان کا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے صوبجات کے ہر شہر میں وہ پایا جائیگا حتیٰ کہ دار الخلافہ اور اُسکے مضافات میں بھی اچھے زرہے - کہ ٹرکی خاندانوں کا ایسا ہی مکان ہوگا بشرطیکہ وہ خاص طور پر از حد متمول نہوں یا یوروپین فیشن کی نقل اُتارنے کا انہیں مرض نہو - تاہم قسطنطنیہ اور اُسکے نواح میں ایک بڑی تعداد نئے ترکی مکانوں کی ہے جو نہایت خوشنما اور مضبوط بنے ہیں اور ظاہری شکل وصورت میں یوروپین اشخاص کے مکانات سے اور کوئی فرق سوائے اِسکے نہیں پایا جاتا کہ اُنکی کھڑکیوں میں جالیاں اور جعفریاں لگی ہوتی ہیں -

جیسا کہ مشرقی قوموں میں عموماً قاعدہ ہے ترکوں میں بھی ایک شخص کے تمام زنانہ رشتہ داروں میں اُسکی والدہ کا سب سے زیادہ باعزت و باوقار درجہ ہوتا ہے - ترکی ماؤں کی طرح شفیق و نازبردار

قسطنطنیہ - سمرنا - اور اڈریانوپل میں روشن دماغ طبقہ کے لوگ اپنے دور کے رشتہ داروں
کو بھی اندر جانے کی اجازت دیسکتے ہیں - اور جو کہ یوروپین رسم ورواج اختیار کرتے ہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۰ - خاصکر بیٹوں کے ساتھ شاید کہیں ہی دوسری مائیں نہ ملیں گی - یہی وجہ ہو
کہ لڑکے اوائل عمر میں اپنی ماؤں کو نازبرداری میں اپنا غلام بنائے رہتے ہیں لیکن سن تمیز کو پہونچکر ایک
نوجوان ترک اُس تعلیم کا خیال کر کے کہ

جنت کہ سرائے جاودانی ست	زیر کفِ پائے مادران ست		

اپنی ماں کی اطاعت شعاری وغیرہ کے لحاظ سے خود غلام بن جاتا ہے - چونکہ سوائے اُن قریبی
رشتہ داروں کے جن سے کہ خون شریک ہے اور دوسری عورتوں سے ملنا جلنا ممنوع ہے
لہذا فرقہ اناث میں اُنکی ماں بہنیں ہی صرف اُنکی دوست ہوتی ہیں اور غالباً یہی باعث ہے
کہ ماں بیٹے اور بھائی بہن میں نہایت گہری محبت ہوتی ہے - حرم کی نسبت یہ جو کہا گیا ہے کہ
وہ زن ومرد کی خوشی کا امن ہے شاید غلط نہیں ہے اسلئے کہ زوجہ اور لڑکیاں مکان کے باہر
کسی قسم کی دلچسپی نہ رکھنے کی وجہ سے حتی الامکان کوشاں ہوتی ہیں کہ اپنے مرد رشتہ داروں میں
اپنے تئیں دلپذیر وخوشگوار بنائیں -

ایک ترکی خاندان کے مختلف افراد میں جو تعلقات ہوتے ہیں اور جسطرح کہ بڑوں کی چھوٹے
عزت کرتے ہیں وہ یوروپین اشخاص کی نظروں میں کسیقدر عجیب معلوم ہوتا ہے - اگر کسی شخص کی
ماں مستقل طور پر بیٹے کے ہمراہ ایک ہی مکان میں رہے جو کہ غیر معمولی بات نہیں ہے تو اُسکی بی بی
محض درجہ ثانی رکھتی ہے اور جملہ چیزوں میں اپنی خوشدامن کی رائے کو ماننا اُسکے لئے ضروری ہو
چونکہ مودبانہ آداب بجالانے کا عموماً یہ طریقہ ہے کہ ہاتھ کو بوسہ دیتے ہیں لہذا بی بی اپنے خاندان
کی تقریب کے موقع پر اور نیز تہواروں میں جیسے کہ عید الضحیٰ ہے اپنی خوشدامن اور نیز شوہر کے ہاتھ کو

اپنے گھر سے دوستوں کو بھی داخل کر سکتے ہیں۔ لیکن پُرانی وضع کے خاندانوں میں جو کہ آبادی کا سب سے بڑا حصہ ہیں صاحب خانہ کا کوئی مرد رشتہ دار تیرہ یا چودہ برس کی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱ - بوسہ دیتی ہے۔ جب تک کہ خوشدامن خود بہو کو نہ کہے وہ منیز پر کھانے کے وقت نہ تو اول الذکر کے سامنے ہوکر بیٹھ سکتی ہے نہ سب سے پہلے کھانے کی ابتدا کر سکتی ہے اور نہ اُسکے سامنے سگرٹ پی سکتی ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ اکثر ساس بہوؤں میں شکر رنجی اور بہت کچھ کشیدگی بھی ہوا کرتی ہے لیکن پھر بھی اِن مقررہ قواعد کی پابندی لازمی ہے۔ ایک ترکی خاندان کے جملہ امور میں اور عموماً سوشل معاملات میں فوقیت و ترجیح عمر پر منحصر ہے۔ مثلاً اگر کسی متاہل ترک کی حرم سرا میں اوسکی بہن بھی سکونت پذیر ہے تو ان دونوں بہاوجوں میں سے جو بڑی ہو گی اُسکو دوسرے پر فضیلت ہو گی اسیطرح اگر اُس شخص کے تین بچے ہیں جن میں سب سے بڑا اور سب سے چھوٹا تو بیٹا ہے اور منجھلی لڑکی ہے تو لڑکی تو ہر طرح بڑے بھائی کی اطاعت کریگی اور چھوٹا لڑکا بہن کی فرماں برداری کرے گا۔

اِس میں شک نہیں کہ ترکی حرم سرا میں روزانہ طرز زندگی عموماً کسیقدر ایک ہی وضع کا خالی از دلچسپی ہوتا ہے اور بعض باتوں میں ایک ترکی خاتون کی آزادی یوروپین مستورات کی بہ نسبت واقعی زیادہ محدود ہے لیکن اپنے مکان میں وہ اپنے وقت اور جائداد کی کلیتہً مالک اور مختار ہے - ہر روز کام کی ابتدا یوں ہوتی ہے کہ صبح سب سے پہلے خانم قہوہ اور سگرٹ پیتی ہے اور غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر شوہر کے لیئے قہوہ لاتی ہے۔ جب آفندی حرم لق سے باہر جاتا ہے تو اصل کام خانم کا شروع ہوتا ہے - اگر کسی روز کوئی خاص کام کرنا ہے مثلاً کپڑے دہونا استری کرنا مٹھائیاں مربے اچار بنانا ہیں تو خانم (اور خصوصاً صوبجات کی خواتین) گو کیسی ہی مرفہ حال کیوں نہو خود ہر چیز کی نگرانی کریگی یا خود بھی اُس میں حصہ لیگی چونکہ ترکی مستورات کے لیے عام طور پر

عمر کے بعد حرم سرا میں نہیں جانے پاتا اگر اُس سے اور دختر صاحب خانہ یا دوسری قابل نکاح لڑکیوں میں سے کسی سے شادی ہونا ممکن ہو۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲ - مکان کے باہر اسقدر قلیل التعداد دلچسپیاں ہیں کہ امورِ خانہ داری میں وہ قدرتی طور پر زیادہ مصروف رہتی ہیں - ایک متوسط درجہ کی کنواری لڑکی میں کوئی خوبی اور کمال اس قدر قابل قدر نہیں سمجھا جاتا جتنا کہ کھانا پکانے کپڑے دھونے اور سینے پرونے سے واقفیت بہت سا وقت دوپٹے تولیوں چادروں اور نیز دوسری چیزوں کے کاڑھنے وغیرہ میں بھی صرف کیا جاتا ہے۔

مثل دوسرے مشرقی لوگوں کے ترک دن میں دوبار کھانا کھاتے ہیں ایک تو دن کے گیارہ بجے سے ایک بجے تک کے درمیان اور دوسرا عموماً بعد غروب آفتاب - جب کھانا چن دیا جاتا ہے تو خانم کھانے کے کمرہ کی رہنمائی کرتی ہے - کچھہ نوکر ہاتھہ دُھلاتے ہیں دوسرے سلفچی لئے رہتے ہیں اور بعض کام کی ہوئی تولیاں پیش کرتے ہیں جو کہ ہاتھہ خشک کرنیکے بعد ہر کھانے والے کے پاس رہتی ہے - قسطنطنیہ کی اعلیٰ سوسائٹی میں مکان کے یوروپین ساز و ساماں کے ساتھہ یوروپین کا طور وطریقہ رواج پاگیا ہے لیکن عام طور پر ترک اتنک فرش پر بیٹھکر کھانا کھاتے ہیں اور اُنکے سامنے گول نیچی میزوں پر کشتیوں میں کھانا چنا جاتا ہے اور سوائے شوربے کے اور کسی شے کے لئے چمچے خواہ کانٹے استعمال نہیں کرتے عموماً قریب چھہ آدمیوں کے اس گول میز کے گرد بیٹھتے ہیں اور اگر مہمان زیادہ ہوں تو دو یا اس سے زیادہ میزیں استعمال کی جاتی ہیں - اگر خانم اپنے مہمانوں سے رتبہ میں زیادہ ہے تو سب سے پہلے وہی شوربے میں چمچہ ڈالتی ہے اور اگر نہیں تو نہایت خوش اخلاقی سے شایستگی کے ساتھہ سلام کرکے اُس خانم سے بسم اللہ کرنے کی درخواست کرتی ہے جو کہ اس فوقیت کی مستحق ہو۔

یہ پابندیاں متمول اشخاص میں زیادہ تر ہیں۔ ایسے خاندانوں میں حرم سرا اور مردانخانہ میں ایک گھومنے والی الماری کے ذریعے کاروبار عمل میں آتا ہے اور پارسل اور کھانیکے برتن منگائے یا بھیجے جاتے ہیں یہ الماری اُس دیوار میں ایک سوراخ کرکے لگائی جاتی ہے جوکہ مردانخانہ کو حرم سرا سے جدا کرتی ہے۔ عورتوں کو مردوں کی نظر سے بچانے کے لیے ایک اور ترکیب یہ کیجاتی ہے کہ حرم سرا کی کھڑکیوں میں جالی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳۔ جس طریقہ سے کہ قہوہ پلایا جاتا ہے وہ قدیم ترکی رسموں میں سے ایک نہایت ہی خوشنما رسم ہے۔ کئی کنیزکین۔ کمرے میں داخل ہوکر کمرے کے دوسرے سرے پر قطار باندھکر سینے پر دونوں ہاتھ رکھکر مودبانہ کھڑی ہوتی ہیں۔ ایک قالفہ یعنی سردار خادمہ قہوہ کا ساز و سامان ایک کشتی میں لیکر آتی اور کمرے کے بیچ میں کھڑی ہوتی ہے۔ اس کشتی پر ایک نہایت خوشنما کام کیا ہوا کپڑا پڑا ہوتا ہے۔ اِسکے بعد چھوکریوں میں سے ایک ایک کرکے آگے بڑھتی ہے۔ اور پیالی میں قہوہ ڈالکر اور چاندی کی تھالی میں رکھکر مہمان کے سامنے پیش کرتی ہے اور پھر دور واپس چلی جاتی ہے اور جب تک کہ خالی پیالی لینے کے لیئے نہ بلائی جائے وہیں کھڑی رہتی ہے۔

یہاں یہ کہنا بے موقع نہوگا کہ ایک مسلمان جنٹلمین کسی حالت میں اپنے خاندان کی مستورات کے ہمراہ باہر نہیں جاتا۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیاں جنکی عمر بارہ سال سے کم ہو اکثر اپنے باپ بھائی کے ساتھ پیدل یا گاڑی میں چلتی پھرتی اور اُنکے دوست احباب کے ہاں جاتی ہیں اور سلاملق میں بھی داخل ہوتی ہیں لیکن نقاب کے استعمال کی ابتدا ہونے ہی سے لڑکی کا شمار عورتوں میں ہونے لگتا ہے اور اُسوقت سے اُسپر حرم سرا کی جملہ پابندیاں لازمی ہوتی ہیں"

محمد حسن خاں۔

لگاتے ہیں جسکا یہ منشا ہوتا ہے کہ عورتیں تو باہر کی ہر شے اِس جالی کے پیچھے سے دیکھ سکتی ہیں لیکن کوئی مرد قریب کی سڑکوں - باغوں اور مکانوں سے اُنہیں نہیں دیکھ سکتا جسطرح کہ لڑکوں کو تیرہ چودہ برس کی عمر کے بعد سوائے اپنی اُن نہایت ہی قریبی رشتہ داروں کے جنکی بابت تصریح کی ہے دوسری مستورات کو دیکھنے کی اجازت نہیں اسیطرح اتنی ہی عمر سے متجاوز ہونے پر لڑکیاں بھی سوائے اپنی نہایت ہی قریبی عزیزوں کے مردوں کے سامنے بلا نقاب کے ہرگز نہیں آسکتیں - اور اگر وہ ایسی مدرسوں میں تعلیم پاتی رہی ہیں جہاں کہ لڑکے اور لڑکیاں دونوں شریک ہوں تو وہ وہاں سے علیحدہ کرلی جائینگی - اور اگر زنانہ مدرسوں میں جاتی ہوں تو وہاں جسطرح کہ اور کہیں بھی احتیاط سے منہ چھپا کر جانا لازم ہے - یہ ہرگز نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ انگلستان کی لیڈیوں کی طرح چہروں پر ہلکی نقابیں ڈالکر جاتی ہیں بلکہ عورت کو اس طرح جانا لازم ہے کہ از سرتا پا ایک لانبی فرغل میں جو کہ کسیقدر چادر سے مشابہ ہے لپٹی ہوئی ہو -

عورتوں کا اسطرح پردہ میں رکھنا کلیۃً عقائد اسلامی[۵۱] کے مطابق نہیں ہو سکتا - آنحضرت صلعم - کے زمانہ بابرکت میں اور پشتہا پشت بعد تک عورتیں میدانِ جنگ میں افواج کے ساتھ جایا کرتی تھیں مردوں کی ہمت افزائی کے لیئے جوش دلانے والے گیت اور راگ گاتی تھیں اور مجروحین کی تیمارداری کرتی تھیں - آج تک اس قسم کے قبائل میں جیسے کہ خانہ بدوش عرب ہیں اور سرکیشیا کے لوگوں میں ایسا مہمل سخت پردہ نہیں ہے جیسا کہ انتظام حرم سرا سے پیدا ہوتا ہے - تاہم وہ غیر مہذب پُرانی وضع کے لوگ ترقی یافتہ ترکوں کی بہ نسبت زیادہ تر سخت طور پر پابند مذہب ہیں میرے بعض ہموطنوں کے خیال کے مطابق جو کہ ان معاملات کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں اسقدر

---

۵۱ دیباچہ مترجم ملاحظہ ہو - محمد حسن خاں -

موٹے کپڑے سے عورتوں کے چہرے چھپانے کی رسم ترکوں نے عیسائی یونانیوں سے سیکھی اور میرا خیال ہے کہ زمانہ قدیم میں مرد کا خود مختارانہ رشک موجودہ رسم کا باعث ہوا جسکے بموجب عورتیں باہر جاتے وقت نقاب اور برقع پہنتی ہیں اور مکانوں میں بھی سخت پردہ کے ساتھ رکھی جاتی ہیں۔

بہت سے ترکی حرم سراؤں میں زندگی نہایت سادگی سے بسر کی جاتی ہے۔ اور اگر اُن خاندانوں کو خارج کر دیں جن میں اب تک ایک سے زیادہ بیبیاں ہیں تو نہایت آرام اور خوشی کے ساتھ۔ شوہر کو جو کامل اختیارات وحکومت حاصل ہے وہ زوجہ کے مسلمہ حقوق میں کسی طرح حارج نہیں ہوتی۔ دوسری جانب زوجہ کی اطاعت شعاری جسے مغربی یورپ کی ترقی یافتہ مستورات اسقدر حقارت سے دیکھتی ہیں اکثر شوہر کے دل میں اُسکے لئے محبت اور عزت زیادہ تر مستحکم کر دیتی ہے۔ جیسا کہ انگلستان میں بعض لوگوں کا خیال ہے بیبیاں شوہروں کی باندیاں نہیں ہوتیں[۵۱]۔ حرم سرا کی رہنے والیاں زیادہ ترین

---

[۵۱] اگر اسلام پر جھوٹا الزام لگانے والے اس امر کے دریافت کرنے کی تکلیف گوارا کریں کہ اسلامی قانون کے مطابق عورت کا ٹھیک درجہ کیا ہے تو انکو اپنے اس بیان او رخیال پر شرم آئے کہ اسکے ساتھ کنیز کی طرح سلوک کیا جاتا ہے۔ اسلام نے مستورات کے حقوق کی حفاظت کے لئے اُسوقت قوانین جاری کئے جبکہ یورپ میں اس قسم کے قوانین کا وجود بھی نہ تھا۔ پانچ سو برس کا عرصہ دراز ہوا کہ ترکی عورتوں نے علانیہ طور پر مردوں کی فوقیت پر حرف زنی شروع کر دی تھی۔ اسکے ثبوت میں میں مہری نامی شاعرہ کے کلام کی چند سطریں پیش کرونگا جو کہ پندرہویں صدی کے آخری نصف حصہ میں گذری ہے۔ وہ نہ لکھا

چونکہ لوگ ہمیشہ شور وغل کرتے ہیں کہ عورت میں فہم وادراک نہیں ہے اسلئے کیا لازم ہے کہ وہ کچھ بھی کیوں نہ کہے اُسکا لحاظ کیا جائے؟ ایک ایسی عورت جو کہ لائق ہو ہزار نالائق مردوں سے کہیں بہتر ہے۔

مکانوں ہی میں رہتی ہیں لیکن کلیتہً مقید نہیں ہوتیں - دو دو تین تین یا زیادہ کی جماعت دوسرے حرم سراؤں میں ملاقات کے لئے جاتی ہے اور اسیطرح احباب و اعزا کے حرم سراؤں سے عورتیں ملنے کے لئے آتی جاتی ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ اس قسم کے مجمعوں میں عورتیں ہی عورتیں ہوتی ہیں مرد شریک نہیں ہوتے لیکن دوسرے ملکوں کی مستورات کی طرح ان میں سے بعض گاتی بجاتی اور ساتھیوں کو محظوظ کرتی ہیں - ناچنا بھی حال ہیں شروع کیا گیا ہے لیکن ابھی تک نہایت اعلیٰ موجودہ تہذیب یافتہ خاندانوں تک محدود ہے پرانی وضع کے لوگوں میں نوجوان مستورات کا دوسروں کے سامنے ناچنا نہایت کریہ و معیوب سمجھا جاتا ہے - شادیوں اور اسی قسم کے دوسرے خوشی کے موقعوں پر صرف ایسی عورتیں ناچ کر مہمانوں کو خوش کرتی ہیں جنکا کہ پیشہ ہی ناچنا گانا ہوتا ہے اور وہ شریف و ذی عزت نہیں شمار کی جاتی ہیں - میرے ابتدائی زمانہ میں بلند آواز سے پڑھنا بہت سی حرم سراؤں میں دل بہلانے کے لئے نہایت مرغوب خاطر تھا - تعلیم یافتہ عورتوں کی تعداد آجکل کی بہ نسبت بہت کم تھی اسوقت کی بہت زیادہ پڑھی لکھی مستورات متبرک روایات و داستاں یا مذہبی رسالے و اشعار اپنے ساتھیوں کو پڑھکر سناتی تھیں اور وہ گھنٹوں نہایت توجہ کے ساتھ انہیں سنتی تھیں - مجھے یقین ہے کہ صوبجات میں یہ طریقہ تفنن اب تک پسند کیا جاتا ہے -

ترکی مستورات کو اپنے رتبہ و درجہ کے مطابق مختلف کام کرنے اور فرائض ادا کرنے پڑتے ہیں - ایک اوسط درجہ کی خاتون میں جو شادی کی عمر کو پہونچ چکی ہو امور خانہ داری کے انصرام کی قابلیت سے بڑھکر اور کوئی اوصاف و خوبیاں نہیں تلاش کی جاتیں - صوبجات میں دہقانی عورتوں کو علاوہ اپنے حسب حال انتظام خانہ داری کے کھیتوں میں بھی

کام کرنا پڑتا ہے خصوصاً اُسوقت جبکہ اُنکے بھائی اور شوہر سرکاری احکام کے مطابق فوجی ملازمت پر ہوتے ہیں۔خوش حال اشخاص کی لڑکیاں اپنے گھروں کے کار و بار دیکھنے کے علاوہ سینے پرونے میں انتھک محنت کرتی ہیں اور ہمیشہ کشیدہ کاڑہنے اور سوئی کے روسے کاموں میں مشغول رہتی ہیں۔ بڑے بڑے معززین کی بیٹیوں کو علاوہ دیگر کاموں کے وہ سب چیزیں بھی سیکھنا ہوتی ہیں جنکی کہ اُنکی اُستانی یا معلمہ اُنہیں تعلیم دیں۔

جو تفصیل کہ میں نے اوپر بیان کی ہے اُس سے ناظرین سمجھ جائینگے کہ جو عام خیال انگلستان میں حرم سرا اور اہل حرم کی طرز زندگی کے متعلق ہے وہ کس قدر غلط ہے۔ ترکی حرم سراؤں میں عورتیں اپنا وقت تمام دن کوچوں پر لیٹنے مٹھائیاں کھانے اور حقہ پینے میں نہیں گذارتیں۔ ہاں میٹھی چیزوں کی وہ اُتنی ہی شائق ہیں جیسے کہ انگلستان کی بہت سی مستورات لیکن دوسروں کے سامنے کوچ پر لیٹنا ترکی عورتیں بدترین قسم کی ناشایستہ بدتہذیبی تصور کرتی ہیں

حرم سرا کی زندگی کا جو نقشہ انگریزی کتابوں تھیٹروں یا نمایش گاہوں میں کھینچا یا دکھایا جاتا ہے وہ یا تو ترکی کی بدنام کرنے والوں کا کام ہوتا ہے یا اُن کثیر الخیالات مضمون خیز اشخاص کا جو بالکل اُس سے واقف نہیں ہوتے اور جنکی غرض یہ ہوتی ہے کہ عجیب وغریب بے سروپا مناظر کے ذریعہ سے اہل انگلستان کے شوق تحقیق کو اپنی طرف مخاطب کریں اور اس ذریعہ سے روپیہ پیدا کریں۔

لیکن اگر کوئی انگریزی معترض رسم پردہ کو بُرا کہے تو میں اوس سے اتفاق کرونگا جو امیدیں کہ تعشقانہ برائیوں کے انسداد کی اُسکے ذریعہ سے کی گئی تھیں وہ مشکل سے

پوری ہوتی ہیں بلکہ برخلاف اسکے اس رسم سے بجاے فائدہ کے نقصان زیادہ ہوا ہے اسلئے کہ عورتوں کے علیحدہ رہنے کے یہ معنی ہیں کہ قومی عقل کا ایک حصہ ناتربیت یافتہ رہتا ہے۔ گو حرم سراؤں میں بہت سی نوجوان خاتونیں نجی طور پر تعلیم پاتی ہیں اور بہت سی اُن میں سے اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ ہیں تاہم اس قسم کی محدود تعلیم ترکی کی قومی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتی۔ میری راے میں عورتوں کو سختی کے ساتھ پردہ میں رکھنا اکثر مشرقی اقوام کی پس ماندگی کا زیادہ تر باعث ہے کیونکہ اگر مائیں اپنی قدرتی عقل کی تربیت[۵۷] میں روکی جائیں تو وہ اپنے بچوں کی تربیت میں کچھ مدد نہ کر سکیں گی۔ ایسی ماؤں کے بیٹے بھی ترقی کی راہ میں اہل یورپ کے ساتھ نہ چل سکینگے۔ ترکی میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو ان سب باتوں سے واقف ہیں اور خواہشمند ہیں کہ کم از کم جزوی آزادی ہی عورتوں کو ملجاے۔ لیکن اس قسم کی آزادی بھی بتدریج ہونی چاہیئے اسلئے کہ موجودہ سوشل ضروریات کا لحاظ نہ کرکے اگر مستورات کو مردوں کی طرح آزادی دیدی جائے تو خود عورتیں اسکی پوری پوری قدر نہ کرینگی بلکہ اُن میں سے بہت سی اُسکا برا استعمال کریں گی مزید برآں بہت سے مرد بھی اس قسم کی نئی سوشل تبدیلی سے جو یکبارگی کیجاے بڑا فائدہ اوٹھا سکتے نہیں

شاہی محلوں میں اہل حرم کی بود و باش کے لئے جو حصے مخصوص ہوتے ہیں انکی نسبت مجھے زیادہ واقفیت نہیں لیکن سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ عام شرفا کی حرم سراؤں میں جس خوشی و خرمی کے ساتھ زندگی بسر ہوتی ہے وہ بات محلوں میں کثرت اہل حرم و بیٹے بیاہ کی وجہ سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ تاہم میں نہایت زور کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ محل کی تمام عورتیں امیر محل کی بیبیاں نہیں ہوتیں۔ اس قسم کے بڑے مکان میں خانہ داری کا انتظام اسقدر وسیع ہوتا ہے کہ اُسکی وجہ سے بہت سی مستورات کا ملازم رہنا ضروری ہے اگر کوئی

[۵۷] اس روک کی کوئی ضرورت نہیں ہے دیباچہ مترجم دیکھئے۔ محمد حسن خاں

سلطان یا شاہزادہ کثرتِ ازدواج کے قواعد کی پیروی کرے تو دو تین یا چار تک نکاح کرسکتا ہے لیکن اس سے زیادہ نہیں اسلئے کہ چار بیبیوں سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ بہت سے مرفہ حال ترکوں کی بیبیاں اور ترکی شاہی محلوں کی تمام خاتونیں سرکیشین نسل کی ہیں۔ اسپر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ سرکیشیا کی عورتیں کیوں اسقدر مرغوب خاطر ہیں اور کیوں ترکی خاندانوں کو زینت دیتی ہیں۔ میں اُنکی مختصر کیفیت اس موقع پر بیان کرونگا جس سے کہ اس کی وجہ سمجھ میں آجائیگی۔ اہل سرکیشیا وہ عمدہ چست و چالاک اور قوی الجثہ پہاڑی لوگ ہیں جو کوہ قاف کے خوبصورت ترین حصوں میں آباد ہیں اور اپنے حسن کے لیئے تمام دنیا میں مشہور ہیں اور خصوصاً وہاں کی عورتیں نہایت حسین ہوتی ہیں۔ لیکن جن لوگوں کو کہ اس مشہور و معروف قوم کا کسیقدر زیادہ تجربہ ہے وہ شاید یہ کہتے ہوے تامل کرینگے کہ وہاں کی مستورات میں مجموعی طور پر دیگر اقوام کی بہ نسبت درحقیقت حسن کا زیادہ تر حصہ ہے۔ جو امتیاز کہ سرکیشین عورتوں کو بمقابلہ مشرقی یورپ و مغربی ایشیا کی دیگر قوموں کے واقعی حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اُن کے چہروں سے زیادہ تر زندہ دلی و بشاشت پائی جاتی ہے اُن کا جسم عموماً سڈول و خوشنما ہوتا ہے اور اُنکے طرز و انداز میں شوخی زیادہ ہوتی ہے۔ وہ زیادہ تر نازک اندام ہوتی ہیں اور جو کہ مخلوط النسل نہیں ہیں اُن میں فربہ عورت ملنا بالکل غیر معمولی بات ہے۔ اُن کا رنگ عموماً صاف ہوتا ہے۔ اور بمقابلہ دیگر جسمانی صفات کے یہ زیادہ تر وجہ ہے کہ مغربی ایشیا اور مصر کے لوگ جنکا رنگ نسبتاً میلا ہوتا ہے۔ سرکیشین عورت کے اس قدر مداح ہوتے ہیں۔ علاوہ بریں وہ جلد تربیت قبول کرتی ہے اور اپنے اطوار و عادات کو اپنی ہر نئی حالت کے مطابق بنالیتی ہے جسکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ گو ابتدا ًاُسکا طور و طریقہ ناشایستہ و بھدّا ہوتا ہے وہ نہایت ہی تھوڑی مدت میں

خوش سلیقہ و شائستہ ہو جاتی ہے مجھے ایک متمول و مہربان خاتون سے ملاقات تھی جس نے ایک مرتبہ ایک سرکیشیا کی لڑکی کو اُسکے خویش و اقارب سے لے لیا تھا۔ گو اُس لڑکی کے چہرہ سے دلسوزی و دردمندی ظاہر ہوتی تھی تاہم جسوقت کہ میں نے اُسے دیکھا تھا وہ اپنی ہلکی پھٹی پرانی پوشاک میں ایک وحشی جانور کی طرح معلوم ہوتی تھی۔ لیکن جب مجھے کئی سال کے عرصہ کے بعد اُسے دوبارہ دیکھنے کا اتفاق ہوا تو اُس ناتراشیدہ ہیرے کو نہایت دلکش طور پر مجلّا پایا جو کہ اب نہایت پاکیزگی و خوبصورتی سے چمک رہا تھا۔

اہل سرکیشیا زیادہ تر مسلمان ہیں اگرچہ ایک قلیل تعداد روسیوں نے عیسائی بنالی ہے لیکن ان بنئے عیسائیوں کا میلان خاطر ہمیشہ اسلام کی جانب بہت زیادہ ہے اور یہ محض اپنے روسی فاتحان کا خوف ہے جو اُنکو دوبارہ اسلام قبول کرنے سے باز رکھتا ہے۔ اس رجحانِ طبع کا باعث یا تو وہ نفرت ہے جو کہ اُن کے دلوں میں روسیوں کی جانب سے اسوجہ سے گہرے طور پر بیٹھی ہوئی ہے کہ اُنکی قومی آزادی اور قدیم خوشی کی زندگانی اُس خونخوار کشت و خوں و سخت مقابلہ کی وجہ سے ضائع ہو گئی جو کہ انہوں نے روسیوں کا کیا تھا یا یہ سبب ہو کہ اسلامی احکام اُن کی خلقی سادگی کیلئے غالباً زیادہ موزوں و مناسب ہیں۔

مشرقی یورپ کے مسلمانوں[51] کے موجودہ خاندانوں کے تقریباً تمام افراد کی رگ و پے

[51] ترکوں کا سوشل انتظام صاف طور پر اس قسم کے اصولوں کے مخالف ہے جن سے کہ امرا کا خاص گروہ یا اُن کا موروثی طبقہ پیدا ہو۔ شاہی خاندان کے اعزا تک کی کوئی امیرانہ جماعت نہیں ہے جسکے کسیطرح کے خاص حقوق ہوں اسلئے کہ سلطان کی لڑکیوں کی شادی رعایا ہی کے لڑکوں سے

میں سرکیشین خوں جوش زن ہے - کئی پشت سے سلطانان عثمانی کی مائیں سرکیشین ہوتی آئی ہیں بالکل اُسیطرح جیسا کہ گذشتہ صدیوں میں جبکہ ترکی دبدبہ وجبروت مشرقی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱ - ہوتی ہے اور اُنکی اولاد کا حسب نامہ چند پشتوں کے بعد بالکل نظرانداز ہوجاتا ہے سوائے مقدونیہ کے چند خاندانوں کے جنہیں کہ فاتحان عثمانیہ نے ابتداءً جاگیریں عطا کی تھیں اور جن میں کہ بے کا خطاب موروثی ہے - ترکوں میں طبقہ امرا جیسا کہ دوسرے ملکوں کا قاعدہ ہے کبھی نہیں رہا - سلطان المعظم کی جملہ مسلمان رعایا آزاد لوگوں کی اولاد سے ہو یا آزاد کردہ غلاموں کی نسل سے اُن کے بعد سب ایک ہی درجہ رکھتے ہیں - اور ٹرکی کے سوشل سسٹم میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو کہ غریب سے غریب ترک کو وزیر اعظم کے اعلیٰ ترین درجہ تک پہونچنے کی ممانعت کرے - برخلاف اسکے ایک معزول شدہ وزیر ایک نیچے درجہ کی ملازمت پر آسکتا ہے اور اس سے اُسکی ذات نہیں جاتی نہ اُسکے کوئی ملکی حقوق زائل ہوتے ہیں اور نہ وہ دوبارہ اعلیٰ درجہ پانے سے محروم ہوتا ہے اگر خوش قسمتی پھر اُسکی یاوری کرے - صرف ایک ترکی خطاب ایسا ہے جسکی وجہ سے قطعی طور پر ایک قسم کا اعزاز یا درجہ حاصل ہوتا ہے - اور وہ پاشا ہے جسے کہ سلطان المعظم بطور عزت افزائی کسی شخص کو عنایت فرماتے ہیں - ورنہ بے اور آفندی ایسے رسمی اور نامحدود الفاظ ہیں جیسے کہ انگریزوں میں فی زمانہ لفظ اسکوائر (صاحب) استعمال ہوتا ہے - بے کا اطلاق عموماً اعلیٰ سرکاری عہدہ داروں کرنیلوں اور دیگر ممتاز اشخاص اور اُنکے بیٹوں پر ہوتا ہے - آفندی مختلف طور پر شاہی خاندان کے لڑکوں ملاؤں - شیوخ - مستورات اور دیسی عیسائیوں تک کیلئے استعمال کیا جاتا ہے بعض وقت دوسرے خطابوں کے ساتھ ملاکر بھی یہ بولا جاتا ہے مثلاً جنٹلمین کو بے آفندی یا پاشا آفندی اور کسی خاتون کو خانم آفندی پکارتے ہیں - چھوٹے درجہ کے افسروں اور معزز معمر ترکوں کے لئے لفظ آغا استعمال کرتے ہیں (لوسی گارنٹ)

محمد حسن خاں -

یورپ میں درجہ کمال پر تھی تو زیادہ تر کسی نہ کسی باجگذار عیسائی ریاست کی مستورات
سلطانہ ہوتی تھیں۔ مصر کے بہت سے مملوک[۵۱] فرمانروا اور اُن کی بیبیاں سرکیشین قوم
کی تھیں۔ خدیو مصر کے حرم کی خاتونیں ہمیشہ سرکیشین الاصل رہی ہیں اور اب تک ہیں
اور کہا جاتا ہے کہ شاہ ایران کے حرم سرا میں بھی سرکیشین خاتونیں موجود ہیں۔

نظام حیدر آباد بھی ایک وقت نہایت خواہاں تھے کہ سرکیشیا کی عورت سے نکاح
کریں۔ یہ بات میں نے ایک شخص سے سنی تھی جسکا نام تمام ہندوستان میں مشہور ہے

---

۵۱ اس مشہور خاندان کے فرمانرواؤں کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ نصف تیرہویں صدی
عیسوی میں سلطان صلاح الدین اعظم کے بھتیجے کے بیٹے سلطان الصالح نے ایک باڈی گارڈ
کا رسالہ خرید کردہ سفید رنگ غلاموں کا تیار کیا۔ یہ نہایت عمدہ ترکی سپاہی تھے اور اسلامی
مقبوضات کے مختلف حصوں سے گرفتار یا خرید کئے گئے تھے۔ جب تک اُن کا آقا زندہ رہا
وہ وفادار ملازم رہے۔ بمقام منصورہ انہوں نے فرانسیسیوں کو سخت شکست دی جنکے
بادشاہ سینٹ لوئی نے اسکے بعد ہتھیار رکھدئے۔ سلطان الصالح کی وفات کے بعد جو فساد
برپا ہوا اور آپس کی خونریزیوں کی وجہ سے خاندان صلاح الدین کا خاتمہ ہوگیا تو ڈھائی سو برس
تک مملوکی سردار مصر اور شام کے حاکم رہے۔ یہ فرمانروا جن میں آپس میں اکثر کسی قسم کا
رشتہ نہ ہوتا تھا بلکہ محض لڑ جھگڑ کر اور اپنی جماعت کی مدد سے صاحب اختیار ہوجاتے تھے
اُن بہترین فرمانرواؤں میں سے ہوئے ہیں جنہوں نے کہ مصر میں حکومت کی ہے۔ سلطان
سلیم اول کے زمانۂ حکومت میں دو سخت جنگوں کے بعد جو قریب حلب کے اور قاہرہ میں
۱۵۱۶ء و ۱۵۱۷ء میں واقع ہوئیں مصر ایک ترکی صوبہ ہوگیا۔

محمد حسن خاں

اور جیسا کہ انگریزی دان اصحاب سے ایک معروف ناول میں محمد اسحٰق کے فرضی نام کے پردہ میں تعارف ہو چکا ہے۔ یہ صاحب ایشیائی ٹرکی کے شہر دیار بکر کے باشندے ہیں ہندوستان میں تیس سال سے زیادہ رہنے کے بعد قریب نو برس کا عرصہ ہوا کہ وہ قسطنطنیہ آئے اور وہاں ایک روز مجھسے صلاح لی کہ کس طریقہ سے اُنہیں سرکیشیا کی لڑکیاں مل سکیں گی اسلیئے کہ وہ ایک یا دو ہز ہائینس نظام حیدر آباد کی حرم سرا کے لئے خریدنا چاہتے تھے یہ انگریزی وضع کے شخص سمجھتے تھے جیسا کہ بہت سے انگریزوں کا بھی خیال ہے کہ قسطنطنیہ میں بردہ فروشی کا اب تک بازار گرم ہے اور ہر شخص وہاں جا کر جتنی کنیزکیں چاہے خرید کر سکتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ کوہ قاف کے فراریوں میں سے بعض محتاج و بیکس والدین اپنی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بعوض ایک مناسب رقم کے علیحدہ کرنے پر راضی ہوتے ہیں لیکن صرف اُس حالت میں جبکہ وہ پیشتر سے کافی ضمانت لے لیتے اور شرط کر لیتے ہیں کہ خریدار اُن لڑکیوں کو یا تو متبنیٰ کر لینگے جیسا کہ خوشحال خاندانوں میں جہاں لڑکیاں نہوں یتیم اور غریب لڑکیوں کو اسطرح تبنیٰ کر لیا کرتے ہیں یا وہ خریدار اُن لڑکیوں سے خود نکاح کر لیں گے یا اپنے کسی عزیز سے نکاح کر دینگے۔

جس وقت سے کہ روس نے اُنکا ملک پورا پورا فتح کیا ہے تب سے اب تک کوہ قاف کے ہزاروں باشندے سلطان روم کی عملداری میں آ کر بس گئے ہیں۔ تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ گورنمنٹ روس و سلطنت عثمانیہ میں یہ انتظام ہوا ہے کہ تقریباً ساٹھ ہزار سرکیشیا کے لوگ جو ایک ساتھ کوہ قاف چھوڑنا چاہتے تھے ترکی عملداری میں بسائے جائیں۔ آج کل روس ان لوگوں کو وطن چھوڑنے سے باز نہیں :

رکھتا اسلیئے کہ اُن کے بجاے وہ اپنی قوم کے دہقان وہاں آباد کرنا چاہتا ہے۔ برخلاف اسکے سلطنت عثمانیہ ایشیاے کوچک کے اُن حصوں میں جہاں آبادی کم ہے اُنہیں بسانے کے لئے اُن کے واسطے سہولت کے ذریعے پیدا کرتی ہے۔ اہل سرکیشیا تندرست اور مضبوط ہوتے ہیں اور جن قوموں کے ساتھہ مخلوط ہوتے ہیں اُنکی قواے جسمانی میں ترقی ہوجاتی ہے۔

انگلستان کا ایک شخص اِس جگہہ یہ قدرتی طورپر دریافت کرنا چاہے گا کہ جس صورت میں کہ لڑکے اور لڑکیاں تقریباً تیرہ برس کی عمر سے ایک دوسرے سے کبھی نہیں ملتے تو کس طرح آپس میں شادی کا انتظام کیا جاتا ہے۔ لہذا میں[۵۱] رسم شادی کی تشریح کروں گا۔

---

[۵۱] اس جگہہ ترکونکے دیگر رسوم کا ذکر بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا:۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ جن قوموں میں جسقدر کہ مرد و زن میں علیحدگی زیادہ ہے اُسیقدر خانگی رسوم کو زیادہ شہرت دی جاتی ہے اور ترکوں کے رسوم وغیرہ بھی اِس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ بچہ پیدا ہوتے ختنہ۔ بیاہ شادی موت کے متعلق تمام مذہبی اور دنیاوی امور باقاعدہ طورپر کئے جاتے ہیں اور ان سب موقعوں پر ہمساے مدعو اور شریک کئے جاتے ہیں۔ درحقیقت ترکی عورتوں کی تفریح کے خاص ذریعے خوشیاں منانے کے یہی خاندانی موقعے ہوتے ہیں۔ پہلا بچہ پیدا ہونے کے تیسرے دن زچہ ایک قسم کی دعوت کرتی ہے جسکے لئے ضعیف عورتوں کے ذریعہ سے نوید بھیجے جاتے ہیں اور اُنکے ہمراہ شربت کی بوتلیں بھی ہوتی ہیں۔ اُس روز سچ پوچھو تو عام دعوت ہوتی ہے اور آنے والوں کی اچھی طرح خاطر و مدارات کی جاتی ہے بن بلاے مہمان اور مدعو مہمانوں میں صرف اسقدر تفریق کی جاتی ہے کہ آخرالذکر کو کھانا کھلایا جاتا ہے اور دوسروں کو قہوہ اور فواکہات

جیسا کہ دنیا کے زیادہ تر حصوں میں قاعدہ ہے ترکی شہروں میں بھی شادی سے پہلے نسبت یا منگنی ہوا کرتی ہے لیکن لڑکے لڑکی میں قبل از شادی بے تکلفی اور خلا ملا ہونا اور ایک دوسرے کو پسند کرنا جسے کہ کورٹ شپ کہتے ہیں اس ملک میں ممکن نہیں جوان لڑکیاں اور جوان لڑکے آپس میں مل نہیں سکتے اور اسلئے عشوہ گری اور

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۵- ان میں سے ممتاز مہمان مٹھائیوں کی ٹوکریاں پھولوں سے سجی ہوئی لاتے ہیں جس کمرے میں زچہ ہوتی ہے وہاں مہمانوں میں سے با اولاد عورتیں جا کر کہتی ہیں "ماشاءاللہ! خدا بچے کی عمر میں برکت دے اور خوش و خرم رکھے"

اسیطرح ترک جو عموماً مخیر اور مہمان نواز ہوتے ہیں بچوں کے ختنہ کے موقع پر اور بھی زیادہ ان صفتوں کا اظہار کرتے ہیں جبکہ وہ غریبوں اور محتاجوں کے ساتھ خاص طور پر سلوک کرنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں- پس وہ غریب لوگ جو کہ بطور خود اسقدر استطاعت نہیں رکھتے کہ اپنے بچوں کے ختنہ کے مصارف کے متحمل ہو سکیں اس امر کے منتظر رہتے ہیں کہ انکے محلہ کے کسی رئیس کے لڑکے کا ختنہ ہو اُس وقت وہ اُس رئیس کے پاس اپنے بچوں کے نام بھیجتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ انہیں بھی شرکت کی اجازت دیجائے اگر وہ رئیس متقی و مخیر ہے تو وہ اُتنے بچوں کے ختنہ کی اجازت دیدیتا ہے جتنی کہ اسے اُن کے اخراجات کے متحمل ہونے کی مقدرت ہے- لیکن قصر سلطانی میں کسی شاہزادہ کا ختنہ ہو تو یہ قاعدہ ہے کہ لاتعداد غریبوں کے بچوں کا اس موقع پر ختنہ کیا جاسے- چونکہ مالک خانہ کو ہر بچے کے لئے ایک نیا جوڑا کپڑوں کا اور جملہ اخراجات متعلقہ مہیا کرنے ہوتے ہیں اسلئے رسم سنت میں امرا کا بہت زیادہ روپیہ خرچ ہوتا ہے- دوشنبہ کے روز صبح کے وقت لڑکے حمام بھیجے جاتے ہیں اور مالک خانہ کے لڑکے کو زرق برق پوشاک پہنائی جاتی ہے اور دوسرے لڑکوں کو اُن کے درجے کے مطابق اسطرح آراستہ ہو کر لڑکے چند عمر رسیدہ

ناز و ادا سے بہلانے کا کوئی موقع نہیں ہو سکتا۔ بعض مستثنیٰ حالتوں میں ممکن ہے
کہ وہ پڑوس کے مکانوں کی کھڑکیوں سے شاید دور سے ایک دوسرے کی جھلک
پا جائیں اور چپ چاپ صاحب سلامت کریں یا اشاروں سے اظہار مسرت و تحسین
کریں لیکن اس سے زیادہ وہ اس معاملہ میں قدم نہیں بڑھا سکتے۔ ہاں یہ ممکن ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶۔ عورتوں کے ساتھ مختلف حرم سراؤں میں جاتے اور احباب کی دعوتیں
کرتے تھیں جمعرات کی صبح کو مکان کی عورتیں لڑکوں کے لئے کو چیں آراستہ کرنے کے انتظام میں مشغول
ہوتی ہیں اور اس درمیان میں لڑکے آراستہ و پیراستہ گھوڑوں پر اپنے معلم اور خاندان کے حجام اور
متعدد دوستوں کے ہمراہ باجے کے ساتھ شہر کا گشت کرتے ہیں۔ جب پھر کر مکان واپس آتے
ہیں تو لڑکوں کے باپ سلاملق کے دروازہ پر انہیں اُتروا تے ہیں۔ جب وہ رئیس اپنے لڑکے
کو اُتارنے لگتا ہے تو لڑکے کا اُستاد اسکا ہاتھ پکڑ لیتا ہے اور پوچھتا ہے "آج آپ نے بیٹے کو کیا
عطا کیا" باپ جو کچھ کہ بیٹے کو اس موقعہ پر دینے والا ہوتا ہے اُسکا اظہار کر دیتا ہے اور پھر اُسے
گھوڑے سے اُتار لیتا ہے۔ یہ عطیہ ممکن ہے کہ جائداد غیر منقولہ یا اور کوئی شے اُس امیر کی استطاعت
کے مطابق ہو۔ دوسرے لڑکے بھی باری باری سے اپنے باپوں یا دیگر قریبی رشتہ داروں سے
جو بجائے باپ کے ہوں اسیطرح کچھ نہ کچھ عطیہ پاتے ہیں اور اُنکے یہ بزرگ اتنی مقدرت نہ رکھتے
ہوں تو وہ رئیس ہی اُنکی کفالت کرتا ہے۔ ختنہ جمعہ کے روز صبح کے وقت سلاملق یعنی مردانہ
مکان میں کیا جاتا ہے جسکے بعد لڑکے عورتوں کے سپرد کر دیے جاتے ہیں جو اُنہیں اُن بچھونوں
پر لٹا دیتی ہیں جو کہ ایک روز پیشتر اُن کے لیئے تیار کیئے گئے تھے اور اُن کے دل بہلانے کی
ہر طرح کوشش کرتی ہیں۔ احباب لڑکوں کو دیکھنے آتے ہیں اور روپیہ اور دوسرے قسم کے
تحائف انہیں اور حجام کو اور اُس عورت کو دیتے ہیں جسنے کہ لڑکے کی والدہ کو ختنہ ہو جانے کی

کہ لڑکیاں اُن مردوں کو دیکھ سکیں جنکی بیبیاں وہ ایک روز آگے چلکر شاید ہو جائیں مگر اُن سے بات چیت نہیں کر سکتیں۔ برخلاف اِسکے مردوں کو پردہ نشیں عورتوں کے قابل شادی افراد سے ملنے کی سخت ممانعت ہے۔ لڑکی کے حسن و اوصاف کی تعریف صرف دوسروں سے سنکر محبت و الفت کا خیال مرد دل میں لا سکتا ہے اور کسی دوسرے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۷ - اطلاع دی ہو۔ دوسری صبح کو مہمان لڑکے جنکے ختنے رئیس کے مکان پر ہوئے ہوں اپنے اپنے مکانو نکو بھیجدے جاتے ہیں لیکن رئیس کے ہاں دوشنبہ تک سلسلہ خاطر و تواضع قایم رہتا ہے۔

متذکرہ بالا اور اسی قسم کی دوسری وضع کی خیراتوں کے علاوہ جو کہ رمضان اور عیدین کے موقعوں پر کیجاتی ہیں عام طور پر خیرات و صدقہ اس کثرت سے دیا جاتا ہے کہ باوجودیکہ ٹرکی غریب ہے اور کوئی سرکاری قانون محتاجوں کی دستگیری کے لیئے نہیں ہے تاہم واقعی اس قسم کا افلاس و مفلوک الحالی وہاں نہیں ہے جس کے لئے کہ یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے شہر بدنام ہیں۔ اندھے اور لولے سڑکوں کے کنارے بیٹھے رہتے ہیں اور مسلمان اُنکی اور یتیموں اور بیواؤں کی حاجت روائی کر کے اپنے احکام مذہبی بجا لاتے ہیں۔ علاوہ بریں چونکہ ٹرکی کے اہل حرفہ فرقوں میں عادتاً منشیات سے پرہیز ہے اور خاصکر اُن لوگوں میں جو دین اسلام کے پیرو ہیں اسلیئے بلاشبہہ زیادہ تر یہی وجہ ہے کہ یہاں اُس وضع کی مفلوک الحالی نہیں ہے جو کہ بڑے بڑے مغربی شہروں میں باعثِ شرم ہے اور نیز یہی سبب ہے کہ مسلمانوں میں مجرموں یعنی خلاف قانون افعال کرنیوالوں کا کوئی خاص گروہ نہیں ہے۔ محتاج خانے۔ لنگر خانے اور ہسپتال بہت سی بڑی بڑی مسجدوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اور نیز بعض خانقاہوں کے ساتھ جہاں سے کوئی صاحب احتیاج و ضرورت خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا۔ (یہ اقتباس بھی لوسی گارنٹ صاحبہ کی ایک تازہ تصنیف سے کیا گیا ہے) محمد حسن خاں۔

ذریعہ سے ممکن نہیں۔ اسیطرح نسبت و منگنی بھی لڑکی کی رشتہ دار عورتوں یا مشاطہ کے توسط سے ہو سکتی ہے۔ جو عورتیں مشاطہ گری کرتی ہیں وہ زیادہ تر معمر ہوتی ہیں او وہ محض خوش طبعی یا دل بہلانے کی غرض سے یا لڑکے اور لڑکی کی بہی خواہی کی نظر سے شادی ٹھیک کرنے کی کوشش نہیں کرتی ہیں بلکہ بطور کاروبار کے جب کوئی شخص شادی کرنا چاہتا ہے تو جن گھروں میں شادی کے لایق لڑکیاں ہوتی ہیں وہاں مشاطہ جاتی ہے اور جس لڑکی کو وہ سب سے زیادہ پسند کرتی ہے اُسکے خویش و اقارب سے دولہا کی جانب سے شادی کی گفتگو کرتی ہے۔ یہ بات چیت از حد پیر پیار اور حکمت و ترکیب سے کی جاتی ہے۔ جو لڑکی کہ دولہن بنیگی وہ اِس قسم کی گفتگو کا جواب نہیں دیا کرتی ایسا کرنا نہایت ہی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اِسکا تصفیہ اس کے والدین یا سرپرستوں پر منحصر ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ اُس سے بھی ذکر کیا جاتا ہے لیکن اُسکی راے چنداں ضروری نہیں سمجھی جاتی۔ غالباً یہ بھی ممکن ہے کہ زیادہ تر مہذب ملکوں کی عورتوں کی طرح وہ خود اپنے دل کی کیفیت سے اسقدر آگاہ نہیں ہوتی مشاطہ اکثر تین چار مرتبہ آتی جاتی ہے کہ اچھی طرح گفتگو ہو جائے اسلئے کہ لڑکی والوں کو معاملہ پر زیادہ غور کرنا پڑتا ہے اور لڑکے کے متعلق نہایت جد و جہد سے تحقیقات و تفحص کیا جاتا ہے۔ اگر شادی سے انکار کرنا منظور ہوتا ہے تو جواب بڑے سلیقہ اور خوش اخلاقی سے دیتے ہیں۔ ٹرکی کے بعض حصوں میں ایک عجیب و غریب طریقہ ہے جس کے ذریعہ سے وہ شادی کے پیغام لانے والوں کو مطلع کرتے ہیں کہ اُنکی درخواست نامنظور کی گئی۔ ٹرکی میں لوگ تقریباً ہمیشہ اپنے جوتوں کے اوپر ربر کے جوتے پہنتے ہیں اور مکان میں داخل ہوتے وقت ربر کا جوتا اوتار کر دہلیز میں چھوڑ دیتے ہیں۔

مکان کے ملازم اُنکے جوتوں کو یوں ترتیب دیتے ہیں کہ پنجہ کا رخ باہر کی طرف رہے تاکہ جب ملاقاتی جانے لگے تو اُسے جوتا پھیرنے کی تکلیف نہو اور سیدہا اُمیں پیر رکھہ سکے۔ اگر مشاطہ لڑکی والوں کے مکان سے روانہ ہوتے وقت دیکھے کہ اُسکا جوتا اسطرح رکھا گیا ہے کہ پنجہ اوسکی جانب ہے تو وہ سمجھہ جاتی ہے کہ شادی سے انکار ہے۔

اس طریقہ سے ایک مرد اور عورت میں نسبت ہوجاتی ہے اور دولہا اُس وقت تک دولہن کو نہیں دیکھہ سکتا جب تک کہ شادی کے تمام رسوم وقاعدے ختم نہیں ہولیتے نہایت عجیب وغریب قصے اس امر کے متعلق بیان کیے گئے ہیں کہ بعض وقت دولہا کے دولہن کو پہلی بار دیکھنے کے موقعہ پر کیا واقعات پیش آئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کسی شہر میں ایک شخص کے دل میں لڑکی کی نسبت جو حالات اُس نے پہلے سے سنے تھے اُن کی وجہ سے گہری محبت پیدا ہوگئی تہی لیکن جسوقت کہ اُس نے اُس خاتون کی جو کہ اب اُسکی بی بی تہی خوشنما کام کی ہوئی لنبی نقاب اُٹھائی تو دیکھا کہ اُس سے بڑہکر بدنما صورت اُسکے خواب خیال میں نہیں آسکتی تہی اور وہ مکان چھوڑکر بہاگ گیا ایسی حالت میں اُس شخص کے خیالات کا اندازہ بآسانی ہوسکتا ہے جو کہ مشاطہ کے خوش بیانیوں اور تعریفوں کی وجہ سے اخیر وقت تک یقین کرنے لگا ہو کہ اُسکی بی بی حورتمثال ہوگی۔ کس قدر سخت مایوسی اُسے ہوسکتی ہے جبکہ شادی کے روز اُس یکتائے حسن وخوبی کی نقاب اُٹھاکر اُسکی نظر ایک کھُدرے چہرہ پر پڑتی ہے جسپر کہ چیچک کے نتایج بد کے پوشیدہ کرنے کی بیکار کوشش میں رنگسازی کی گئی ہے یا ازحد لنبی ناک سے چہرہ مزین ہے اور سر پر بالوں کی چھوٹی بھدی کیلی ٹوپی ہے۔ لیکن اس

قسم کے نامراد شوہر کا ناشادواقعہ بیان کرنے میں مبالغہ ہرگز نکرنا چاہیئے - خوش قسمتی سے ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ وہ دوسری عورتوں کو دیکھے اور اس لیئے اُسکے خیالات اس امر کے متعلق کہ درحقیقت حسن کیا شے ہے اُسکی ناتجربہ کاری کی وجہ سے محدود ہوتے ہیں - فطرتی طور پر اُسکی طبیعت میں قناعت ہوتی ہے اور دوسری باتوں کی طرح اس بارہ میں بھی اپنی قسمت پر شاکر رہتا ہے اور بی بی کی اس قسم کی جسمانی خامیاں اُسکے آرام دل میں زیادہ خلل انداز نہین ہوتیں اور بہت شاذ ایسا ہوتا ہے کہ وہ بی بی کو چھوڑ کر بھاگ جائے -

کورٹ شپ یا نسبت و منگنی کے طریقے کاشتکاروں یا ایسے فرقوں مین جنمیں کہ لڑکیاں اور لڑکے ایک ساتھہ کھیتوں باغوں اور چراگاہوں میں کام کرتے اور اسطرح عمر کا ابتدائی حصہ ایک دوسرے کی صحبت میں گذارتے ہیں بالکل مختلف ہیں - آگے چلکر جو آپس میں اُنکی شادی ہوجاتی ہے وہ عموماً اُس محبت کا قدرتی نتیجہ ہوتا ہے جو اتنے عرصہ تک ساتھہ رہنے کے باعث ابتدا سے اُن کے دلوں میں پیدا ہوجاتی ہے - لیکن شہروں میں بھی بعض وقت یہ ممکن ہے کہ شادی سے پہلے مرد عورت سے تعارف کرے - کہا جاتا ہے کہ اس قسم کی خفیہ ملاقات کا انتظام مرد عورت عموماً پرانے اور معتبر نوکروں کی مہربانی اور امداد سے کرتے ہیں ایک اور تعجب خیز یہ امر ہے کہ بعض وقت اِس مشاطہ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اس قسم کی خفیہ ملاقات کا بندوبست کرتی ہے - لیکن ایک بات قطعاً یقینی ہے کہ جب تک اُسے نہایت ہی معقول معاوضہ نہ دیا جائے اُسکا فائدہ اسی میں ہے کہ سختی کے ساتھہ اُسی عمدہ پُرانی رسم پر قایم رہے -

منگنی کی طرح شادی بھی بلاواسطہ غیر کی نہیں ہوتی۔ دولہا دولہن کا نکاح مکان کے اندر صرف اپنے قریبی رشتہ داروں کی موجودگی میں ہوتا ہے۔ دونوں کسی عبادت گاہ کو نہیں جاتے۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں ٹرکی میں مکان دو حصوں میں منقسم ہوتے ہیں ایک مردانہ اور دوسرا خاندان کی مستورات کے لئے مخصوص ہوتا ہے اور دونوں حصوں کے درمیان ایک لنبا راستہ ہوتا ہے۔ شادی کے دن تمام مستورات اس راستہ میں بھری ہوتی ہیں اور دولہن اُنکے آگے ہوتی ہے جتنے مرد کہ موجود رہتے ہیں وہ مردانہ مکان کے اُس کمرہ میں ہوتے ہیں جسکا دروازہ اُس راستہ کی طرف ہوتا ہے اور اُن میں دولہا سب سے نمایاں شخص ہوتا ہے۔ اُس کمرہ اور راستہ کے درمیان کا دروازہ بند رہتا ہے اور دونوں جگہہ نہایت سخت خاموشی ہونی چاہیئے۔ مردوں میں سے دولہن کا باپ یا اگر وہ نہ ہو تو اور کوئی عمر رسیدہ شخص جو لڑکی کا ولی یا سرپرست ہو اُٹھکر دروازہ پر دستک دیتا ہے۔ اور از حد موثرانہ اور متانت اور سنجیدگی سے یہ سوال کرتا ہے "بیٹی! ہم فلاں شخص سے تمہارا نکاح کرنا چاہتے ہیں مطابق احکام خدا و شریعت رسول کریم کے۔ تم اُس سے نکاح کروگی؟" دولہن کوئی جواب نہیں دیتی۔ وہ ضعیف شخص پھر سوال کرتا ہے اور دولہن پھر زبان نہیں ہلاتی۔ سہ بارہ تھکے ہوئے لہجہ میں وہ پھر سوال کرتا ہے اور اس مرتبہ سوال کے بعد اُس راستہ سے سسکیوں کی آواز آتی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس رونے کی وجہ وہ اصرار اور دباؤ ہوتا ہے جو اُس شرمیلی ناتجربہ کار لڑکی پر اس دل پر اثر کرنے والے اہم موقعہ پر ڈالا جاتا ہے یا وہ چٹکیاں ہوتی ہیں جو اُسے اُس بدخو مشاطہ اور اپنی شریر ہم جلیسوں سے ملتی ہیں جو اُسے زبان کھولنے پر مجبور کرتی ہیں۔

اس اثناء میں دولہا بے صبر ہوتا جاتا ہے حاضرین میں سے ہر شخص غصہ اور فکر کے آثار اُسکے چہرہ سے پاتا ہے - وہ ضعیف شخص چوتھی مرتبہ پھر وہی سوال کرتا ہے اور آخر کار حرفِ رضا نہایت دھیمی آواز سے دروازہ کے پیچھے سے سنائی دیتا ہے - ساتھ ہی دولہا اپنی تسکین طبع کا اظہار کسی نہ کسی جنبش یا حرکت سے جس سے کہ خوشی ظاہر ہوتی ہو کر دیتا ہے یا معمول سے زیادہ بشاش چہرہ بنا لیتا ہے - اب وہ ضعیف شخص اُس سے مخاطب ہو کر دریافت کرتا ہے کہ تم فلاں لڑکی سے نکاح کروگے یا نہیں وہ مطلق کسی قسم کا شرمیلا تامل یا پس وپیش نہیں کرتا اسلیئے کہ اُسکے نزدیک ایسے وقت شرم کو کوئی دخل نہیں جو کہ درحقیقت سوسائٹی کی باقاعدہ دوروئی وریا کا ناپسندیدہ نتیجہ ہے - لہذا اُس بزرگ کے سوال کا جواب وہ اُس بیباکانہ دلیری سے دیتا ہے جو مرد کی ذات کے لیئے مخصوص ہے - اِسکے بعد تمام حاضرین اس واقعہ کے جواز کی شہادت دیتے ہیں ایک مختصر دعا پڑھی جاتی ہے اور اُسکے ختم ہونے پر سب لوگ دولہا کو مبارکباد دیتے ہیں - عقدنامہ فوراً لکھکر اُسپر دستخط کرتے ہیں تاکہ قاضی بھی اُسکی تصدیق کردے لیکن دولہا دولہن ایک دوسرے کو اُسوقت تک نہیں دیکھ سکتے جب تک کہ تمام رسوم شادی ختم نہ ہولیں جنکا سلسلہ کئی روز تک رہتا ہے -

ایک اور عجیب وغریب رسم شادی کے متعلق یہ ہے کہ دولہا کے دوست احباب اُسکی پشت پر گھونسے مارتے ہیں - ٹرکی میں یہ عام طور پر ہوتا ہے - خاص کر موقع پر جبکہ تمام رسوم ختم ہو جانے کے بعد دولہا پہلی بار دولہن کا مُنہہ دیکھنے کے لیئے جانے لگتا ہے تو اُسکے گاڑھے دوست اور رشتہ دار زنانہ مکان کے دروازہ کے باہر جمع ہوتے ہیں اور خوشی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی دعا دیکر پیچھے سے گھونسے

مارنے لگتے ہیں اور وہ حرم سرا میں تیزی کے ساتھ چلا جاتا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ اس گھونسے بازی کی وجہ سے وہ اور بھی زیادہ قدم بڑھا کر اندر جاتا ہے۔ قاعدہ کے مطابق تو آہستہ سے یہ مشت زنی ہونی چاہئیے لیکن غالباً ممکن ہے کہ بعض کہنہ نوجوان یہ رسمی گھونسے کسیقدر ضرورت سے زیادہ زور سے مار کر اپنی آتشِ رشک و حسد کو فرو کرتے ہوں۔

مستورات کے متعلق اس باب کو ختم کرنے سے پہلے مجھے لازم ہے کہ اس امر کا بھی کسی قدر ذکر کروں کہ وہ خرید و فروخت کسطرح کرتی ہیں اور اُن عورتوں کا بھی کچھ حال لکھوں جو حرم سراؤں میں جا کر خوردہ فروشی کرتی ہیں۔ انگلستان میں غالباً کم ایسے لوگ ہیں اُن میں بھی جنھیں کہ تمام دنیا کی تجارت سے دلچسپی ہے جو ان مشرقی عورتوں کے حالات سے زیادہ واقف ہوں جو گھر گھر پھیری کرتی پھرتی ہیں۔ تاہم اُن بڑے بڑے مشرقی ممالک میں جہاں کہ عورتیں نہایت پابندی کے ساتھ پردہ میں زندگی بسر کرتی ہیں پُرانی وضع کی خوردہ فروشی بکثرت اِن پھیری والیوں کے ذریعے ہوتی ہے جو کہ اپنا مال خوشحال خاندانوں میں جا کر دکھلاتی اور فروخت کرتی پھرتی ہیں۔ ابتداءً یہ کاروبار بالکل دیسی عورتوں کے ہاتھ میں تھا لیکن تھوڑے دنوں سے چند یورو پین مستورات نے بھی بطور خود یا بہ حیثیت چھوٹے چھوٹے یورو پین تاجروں کے ایجنٹ کے یہ پیشہ اختیار کیا ہے۔ آجکل جبکہ انگریزی تجارت کی توسیع کا مسئلہ لوگوں کے خیالات اپنی جانب اسقدر زیادہ مائل کر رہا ہے یہ امر بے موقع نہوگا کہ اس طریق تجارت کی تحقیقات کی جائے جو کہ اور پیشوں کی بہ نسبت مستورات کا خاص حق ہے اس لئے کہ صرف وہی اسے کرتی ہیں۔

اِس قسم کا کاروبار تقریباً بالکل مسلمان خاندانوں سے متعلق ہے۔ تخمیناً دس کروڑ مسلمان برطانیہ عظمیٰ کی رعایا میں شامل ہیں اور غالب ہے کہ آیندہ یہ تعداد اور بھی زیادہ ہو جائیگی۔ علاوہ بریں دوسری سلطنتوں سے بھی جہانکہ مسلمان زیادہ آباد ہیں انگلستان کے نہایت ضروری اور اہم تجارتی تعلقات ہیں۔ انگریزی تجارت کو مشرق میں ترقی دینے کے لئے پادریوں سے ہم سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ جو کامیابی پادریوں کو مشرقی ممالک میں حاصل ہوئی ہے وہ اُن لیڈیوں کی وجہ سے ہے جو کہ اس کام میں اُنکی ممد و مددگار رہیں کیونکہ قدرتی طور پر صرف وہی اُن ملکوں کی مستورات تک پہونچ سکتی ہیں۔ جس ذریعہ سے کہ اشاعت مذہب میں ترقی ہو سکتی ہے وہی طریقہ توسیع تجارت کے لئے بھی بکار آمد ہوگا اور جو کام کہ عیسائی عورتیں اشاعت مذہب کے متعلق کرتی ہیں اُس سے بخوبی ظاہر ہے کہ اسی قسم کی تجارتی انجمن بھی کہانتک کامیاب ہو سکتی ہے۔ ساتھ ہی وہ انگریزی تاجر جنکے مشرقی ملکوں سے بڑے بڑے تعلقات ہیں سمجھ سکتے ہیں کہ اگر زنانہ ایجنٹ اُن کا اسباب فروخت کریں تو انہیں کس قدر اس سے فائدہ پہونچے۔ بہت سی مسلمان[۵۱] مستورات خود بازار نہیں جا سکتی ہیں اور اِس لئے اُن کارخانوں کو اُنکی خریداری یقیناً حاصل ہو جائیگی جو عورتوں کے ذریعہ سے اُنکے مکانوں پر اپنا مال فروخت کے لئے بھیجیں گے خصوصاً اس قسم کا مال جو خانہ داری

---

۵۱ گو باشندگان ٹرکی کا انتظام خانہ داری عام طور پر جہانتک گوشت ترکاری اور فواکہات سے تعلق ہے اس قسم کا ہوتا ہے کہ ہر شے روزانہ لائی جاتی اور کھائی جاتی ہے تاہم یہ دستور و رواج نہیں ہے کہ عورتیں عیسائی ہوں یا مسلمان اس قسم کی اشیا خریدنے کیلئے دوکانوں پر جائیں۔ امیروں میں مرد نوکر بازار سے سودا لاتے ہیں اور غریبوں میں گھر کے مرد اور بچے یہ کام کرتے ہیں (لوسی گارنٹ)

کے لیئے ضروری ہو۔

ٹرکی میں عیسائیوں کے فرقہ رومن کیتھولک کی عورتوں نے جو تارک الدنیا ہو کر شادی بیاہ نہیں کرتیں اور نن کہلاتی ہیں یہ طریقہ کاروبار اختیار بھی کر لیا ہے اور مسلمان مستورات انکی خانقاہونکی اپنی بنائی ہوئی چیزوں مثل اونی اسباب۔ کپڑا۔ موزے۔ شال اور اسی قسم کی اشیاء کی بکثرت خریدار ہیں۔ اسلامی خاندانوں کو اس ذریعہ سے خرید و فروخت کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے اور یوروپین اثر و تہذیب کے پھیلنے کی وجہ سے جیسے ضروریات خانہ داری اور ذاتی عیش و آرام کا سامان بڑھتا جاتا ہے یہ ضرورت نہایت تیزی کے ساتھ زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ مغربی طور و طریقہ زندگی و آسایش کے اختیار کرنے سے مشرقی مستورات کے باپردہ رہنے پر ظاہرا اُس قدر اثر نہیں پڑا جسقدر کہ ایک وقت امید کی جاتی تھی اور بہرصورت مشرقی ملکوں میں عورتیں تمام سامان خانہ داری اور خود اپنی ذات کے لیئے اشیاء کی خریداری کے واسطے بہت زیادہ دوسرونکی محتاج ہوتی ہیں۔

یہ سچ ہے کہ شوہر بھائی اور بیٹے جیساکہ انگلستان میں بھی ہوتا ہے اس قسم کی چیزوں کی خریداری کر سکتے ہیں لیکن مثل انگلستان کے ہمیشہ اُن پر اعتماد نہیں ہو سکتا کہ وہ شئے مطلوبہ ٹھیک لائینگے یا اُنہیں کسی چیز کا لانا مطلق یاد بھی رہیگا۔ بہرحال اس میں بہت سی قباحتیں ہیں۔

سوائے دہقانوں و مفلس ترین لوگوں کے صرف ترقی یافتہ روشن خیالات کی مستورات بڑے بڑے شہروں میں کبھی بازار یا دوکانوں پر خرید و فروخت کے لیئے جاتی ہیں اور یہ بھی دوکانوں میں جاکر چیزیں خرید کرنے میں جو خوشی ہوتی ہے اُسے وہ نہیں جانتیں اور نہ جان سکتی ہیں اولاً اسلیئے کہ وہ برقع پوش ہوتی ہیں اور چونکہ اجنبی اشخاص سے گفتگو کرنے کی

عادی نہیں ہوتیں گھبرائی ہوئی اور بے کل ہوتی ہیں اور پورا اطمینان اُنہیں اس بارہ میں نہیں ہوتا کہ اُنکا فعل شایستہ اور مناسب ہے یا نہیں - یہ سب کچھ نہیں - بات یہ ہے کہ مشرقی مستورات اپنے ہی مکان میں خوردہ فروش عورتوں سے چیزیں خریدنا زیادہ بہتر سمجھتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اس میں اُنہیں اُسیقدر خوشی ہوتی ہے جتنا کہ اُنکی مغربی بہنونکو "غیر متبدل مشرق" ایک ایسا فقرہ ہے جو کہ اکثر استعمال کیا جاتا ہے لیکن اُس سے اُسکے استعمال کرنے والے کی جہالت ظاہر ہوتی ہے اسلئے کہ مشرقی ممالک میں برابر تبدیلیاں ہوتی جاتی ہیں - مغربی طرز و خیالات رفتہ رفتہ اختیار کئے جا رہے ہیں اور اُن کے ساتھ ساتھ روزمرہ کی ضرورتیں بھی جو کہ ہمراہ ہوتی ہیں - خود اُن ملکوں کی ساختہ اشیا اِن ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیئے کافی نہیں اور یوروپین ساخت کی چیزوں کی مانگ متواتر زیادہ ہوتی جاتی ہے - ہمنے خود اکثر فرانس اور انگلستان سے ٹرکی - سائپرس اور شام میں اپنے دوستوں کو اس قسم کی چیزیں جیسے چاقو - قینچیاں چھوٹی تھیلیاں - سینے پرونے و کاڑھنے کا سامان رکھنے کی چھوٹی ٹوکریاں وہ اشیا جو تعلیم سے متعلق ہیں مثلاً مصوری و نقشہ کشی کے اوزاروں کے بکس اور بچوں کے کھلونے بھیجے ہیں - لیکن یہ بھی کافی نہ تھیں ہمارے دوستوں نے عموماً اپنے احباب کے لئے اسی قسم کی اور زیادہ چیزوں کی فرمایش کی -

اِس میں شک نہیں کہ اس قسم کی چیزیں مشرقی ممالک میں بھی دستیاب ہو سکتی ہیں اگر یہ معلوم ہو کہ انہیں کہاں تلاش کرنا چاہیئے لیکن ہمارے احباب اِس سے آگاہ نہیں اور خوردہ فروش مستورات کے سامان فروختنی میں اُن کا وجود نہیں ہوتا - انگلستان کی عورتوں کو اس جانب متوجہ ہونے اور کاروبار شروع کرنے کا اچھا موقع ہے -

باب چہارم

میرا قسطنطنیہ جانا اور نوشت وخواند میں مصروف ہونا

اپنے چچا صاحب کی حرم سرا سے علیحدہ ہونے کے بعد میرا قیام اُن کے مکان واقعہ ایشیاے کوچک میں بہت زیادہ دن نہ رہا اسلئے کہ اُنھوں نے پھر یہ طے کیا کہ قسطنطنیہ جاکر بود و باش کریں۔ میرا جانا بھی اُن کے اہل وعیال کے ساتھ ضروری تھا تاکہ اپنی تعلیم وتربیت کا سلسلہ قایم رکھ سکوں۔ چچا صاحب کے مکان میں ہر شخص نے اسباب باندھنا شروع کر دیا اور میری والدہ نے میرے سفر کے لئے نئے کپڑے اور جملہ اقسام کے کھانے کی چیزیں تیار کیں اسلئے کہ سات روز کی مسافت تھی۔ چچا صاحب نے مجھے اجازت نہ دی کہ روانہ ہونے سے پہلے جو چند روز باقی تھے اُنھیں اپنی والدہ کے ساتھ مکان پر بسر کروں۔ میں اُن سے صرف دن کے وقت ملاقات کرنے کے لئے جایا کرتا تھا اور ہمیشہ اپنی جلد پیش آنے والی جدائی کے خیال کی وجہ سے اُنھیں نہایت افسردہ خاطر پاتا تھا۔ اُنکے پاس صرف میرا ایک دو سالہ بھائی رہ گیا تھا اسلئے کہ میرا بڑا بھائی اُسی جگہ جہاں کہ میں جانے والا تھا اور اُسی غرض سے جو کہ میری تھی دو سال پیشتر بھیجا جا چکا تھا۔

اُس زمانہ میں میرے وطن سے بحر مارمورا کے ایشیائی ساحل تک ریل نہ تھی جسکی وجہ سے ہمیں ایک قسم کی چار پہیہ کی گاڑی میں سفر کرنا تھا جسے کہ کریمیہ کے تاتاریوں نے ترکی میں جاری کیا تھا اور جو کہ اُن بڑی گاڑیوں سے بہت زیادہ مشابہ ہے جو لنڈن میں

پارسل لیجانے کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔ اِن گاڑیوں کے سفر میں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ کافی کمانیاں نہ ہونے کی وجہ سے جو ہچکولے لگتے ہیں اُن سے بچنے کے لئے گاڑی میں گدّے بچھائے جاتے ہیں لیکن پہر بہی اوس کے جھٹکے ناقابل برداشت ہوتے ہیں۔ اُن دنوں سڑکوں کی ابتدائی خراب حالت کی وجہ سے اور بہی بدتر کیفیت تہی۔ سڑکون کی حالت اب بہی اچھی نہیں ہے۔ قریب پندرہ سال کا عرصہ ہوا کہ گورمنٹ ترکی نے ایک حکم جاری کیا کہ تمام ملک میں ہر تندرست مرد سال میں چار روز شہروں کے درمیان کی سڑکوں پر کام کرے یا بعوض اسکے مزدور کی چار روز کی مزدوری ادا کرے۔ بعض نیک نیت گورنروں نے سڑکوں کے درست کرنے میں حتی الامکان کوشش کی لیکن بعض حکام نے اس حکم کا بُرا استعمال کیا اور جو روپیہ وصول ہوا اُس سے اپنی جیبین بہریں جسکی وجہ سے ایک بڑا حصہ سڑکوں کا آخرش ناتمام رہگیا اور جو حصے کہ تیار ہوچکے تہے اُنکو بہی بلا مرمت رکہنے کا لحاظ نہ کیا گیا۔

آخرش ہماری روانگی کا دن بہی آپہونچا اور ہم قسطنطنیہ جانے کے لئے اُن ہچکولے دینے والی شکرموں میں روانہ ہوے۔ بارہ شکرمیں ہمنے کرایہ کی تہیں سات مستورات اور اُنکے اسباب کے لیئے اور پانچ مردوں کے واسطے جیساکہ باحیثیت مسافروں کے لیئے ضروری ہے جو اپنے ہمراہ بیش قیمت چیزیں لیجائیں مقامی حکام نے تین سپاہی سفر میں ہمارے ساتہ کردئے۔ یہ حفظ ما تقدم رہزنوں کی وجہ سے کیا گیا تہا جو کبہی کبہی ایشائی ٹرکی کے پہاڑی اور کم آباد حصوں میں ملتے ہیں۔ لیکن شاذ ہی ایسا ہوتا ہو کہ یہ رہزن ترک ہوں صلیبی جہادوں کے زمانہ سے اہل یورپ کا وہ حصہ جسے واقعات سے پوری واقفیت نہیں ہے ترکوں کے خلاف اظہار تعصب کرتا رہا ہے اور اس تعصب کا ایک نتیجہ یہہ

ہوا ہے کہ جب کبھی ترکی عملداری میں رہزنی کے واقعات یورپ میں سنے جاتے ہیں
تو بلا تامل مان لیا جاتا ہے کہ وہ قزاق ضرور ترک ہونگے - لیکن حقیقت حال یہ ہے
کہ صوبجات کا ترک باشندہ عموماً ایماندار ہوتا ہے - ہمکو نہ تو ترکی دہقانوں کا خوف تھا
نہ کردوں کا جو کہ زیادہ تر ایشیاے کوچک کے مشرقی حصہ میں آباد ہیں اور نہ یونانیوں کا
جن سے کہ وہ صوبے تقریباً بالکل پاک تھے جن میں سے ہمکو گذرنا تھا - ہمنے جو
احتیاط کی تھی وہ صرف اُن نوآبادشدہ اشخاص کے ممکن الوقوع حملہ سے محفوظ
رہنے کے لئے کی تھی جنہیں کہ زیادہ تر اہل سرکیشیا ہیں -

سفر کا جو انتظام کیا گیا تھا اُسکے مطابق پہلی شب ہمیں ایک چھوٹے شہر میں بسر کرنا
تھی جہاں کہ تیرہ گھنٹے کی مسافت کے بعد پہونچنے کی امید تھی - لیکن نصف راہ بھی نہ گئے
ہونگے کہ گاڑیبانوں نے کہا کہ ہم اپنے گھوڑے زیادہ تھکانا نہیں چاہتے - اور چونکہ
مستورات نے بھی شام کے بعد راہ نہ چلنے کی خواہش ظاہر کی ہم نے ایک چھوٹے
گانوں میں قیام کیا - وہاں ہمیں کافی جگہ ملنے میں وقت ہوئی اور گانوں کے معززین
میں سے کسی کے ہاں اپنی کثیر التعداوی کی وجہ سے مہمان نہیں ہو سکتے تھے اس لئے
کہ گو وہ ہمیشہ کی مہمان نواز تھے تاہم اُنہیں اسقدر کافی استطاعت نہ تھی کہ اتنی بڑی جماعت
کے بار کے متحمل ہو سکتے -

زیادہ تریں ترکی دہقانوں میں مہماں نوازی ایک جبلی صفت ہے - محض اجنبی راہگیروں کی خاطر
و تواضع کرنیکا اُنہیں عشق ہوتا ہے اور جو تکلیف اُنہیں اسکی وجہ سے ہوتی ہے اُسکے
صلہ میں کسی قسم کی امید نہیں کرتے - اس واقعہ کا ذکر اُن یوروپین اشخاص نے
بھی اکثر کیا ہے جنہوں نے کہ ایشیاے کوچک میں سفر کیا ہے - لیکن جس گانوں میں

کہ ہم شب باش ہوئے وہاں کے باشندوں نے اسقدر اظہار ہمدردی ہمارے ساتھ نہ کیا - مگر ملک کے اِن حصوں میں لوگوں کے زیادہ مہمان نواز نہونے کا معقول سبب موجود ہے اس صوبہ کے تمام حکام جنہیں سلطان المعظم[۵۷] مقرر کرتے ہیں اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیئے جنکی تعداد عموماً زیادہ ہوتی ہے قسطنطنیہ سے آمد و رفت کے وقت بطور استحقاق مہمان نوازی طلب کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اِس عملی درآمد سے وہ وفادار رعایاے سلطانی کو گویا اپنا فرض ادا کرنے پر مجبور کرتے ہیں - گو میرے چپا بھی سرکاری ملازم تھے لیکن غریب گانوں والوں پر کسی قسم کے بار ڈالنے کا اُنھیں وہم وگمان تک نہ تھا کیونکہ وہ خود ایشیاے کوچک کے رہنے والے تھے اور طبعی طور پر نہیں چاہتے تھے کہ اپنے ہموطنوں کو تکلیف دیں - تاہم ہمنے بعض گانوں والوں کو اس امر پر راضی کیا کہ اپنے کچے مکانوں میں ہمیں چند کوٹھریاں قیام کے لیئے دیں - میں اور تین اور شخص ایک مچان پر سوے جسمیں نہایت دھندلی روشنی تھی اور جو کہ ایک اصطبل کے اوپر تھا جس میں چند بیل بچھڑے اور گدہے بندہے ہوئے تھے - میرا خیال ہے کہ بعض انگریزی سیاحوں کو بھی اِس سے پیشتر ایشیاے کوچک میں

---

[۵۷] ملکی انتظام کے لئے ٹرکی کئی ولایتوں یعنی صوبجات میں تقسیم کیا گیا ہے جنمیں سے ہر ایک ایک والی یا گورنر جنرل کے ماتحت ہوتا ہے جسے کہ سلطان المعظم مقرر کرتے ہیں - یہ ولایتیں تین یا چار سنجق یا محکموں پر منقسم ہوتی ہیں اور اُنکے حاکم متصرف کہلاتے ہیں - پھر سنجق کی تقسیم بھی قضا اور ناحیہ میں کی گئی ہے - پانچ سے دس گانوں تک کے مجموعہ کو ناحیہ کہتے ہیں جسکا انتظام ایک ملکی افسر کے متعلق ہوتا ہے جو کہ مُدیر کہلاتا ہے - خاص دار الخلافہ اِن میں سے کسی ولایت میں داخل نہیں ہے اُسکا انتظام بالکل علیحدہ ہے (لوسی گارنٹ) محمد حسن خاں

اسی قسم کا تجربہ ہو چکا ہے اور وہ عموماً ان ناگوار خاطر مچانوں اور جانوروں کے شور اور اصطبل سے بدبو آنے کی شکایت کرتے ہیں۔ ان کی وجہ سے مجھے چنداں تکلیف نہ ہوئی اسلئے کہ اپنے یہاں کاشتکاری وغیرہ کی وجہ سے اس قسم کی باتوں کا میں عادی تھا۔ علاوہ بریں میں نے سنا ہے اور خود میرا خیال درجۂ یقین تک ہے کہ اصطبل میں سونا صحت کے لیئے مفید ہے۔ شکرم کے ہچکولوں سے قریب المرگ ہو کر یکبارگی سو جانے کے لیئے میں بالکل تیار تھا لیکن سینکڑوں پسوؤں نے غالباً مچان کے خاک آلودہ فرش سے نکلکر یا اوپر چھپر سے گر کر مجھپر حملہ کیا جس کی وجہ سے نیند ناممکن ہوگئی۔ میں چاہتا تھا کہ اپنی گاڑی میں چلا جاؤں اور ایک قالین اوسمیں بچھا کر سو رہوں لیکن باہر نکلا تو گڈریوں کے تین بڑے بڑے کتے گاڑیوں کے قریب پڑے ہوئے تھے اُنہیں دیکھکر مجھے اصطبل کا دروازہ چھوڑنے کی ہمت نہ ہوئی۔

یہ خوفناک کتے خاص طور پر سدھائے جاتے ہیں کہ خونخوار بنیں تاکہ چوروں اور بھیڑیوں سے بھیڑوں اور بکریوں کی حفاظت کرسکیں۔ اگر کوئی اجنبی شخص شب کے وقت گانوں میں چلے پھرے تو وہ اُسے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالیں۔ وہ بڑے مضبوط جانور ہوتے ہیں رنگ اُنکا زیادہ تر ہلکا زرد اور بھورا ہوتا ہے اور لنبے ملائم بال ہوتے ہیں۔ جو لوگ لنبے بال والی بکریاں پالتے ہیں ہمیشہ ان کتوں کو ایسے پٹے پہناتے ہیں جن میں تیز کیلیں لگی ہوں اس لیئے کہ جب کبھی بھیڑیئے اُنپر حملہ کرتے ہیں تو برابر کتوں کی گردن یا گلا پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس قسم کے پٹے حملہ آوروں کے دانتوں کے مقابلہ میں زرہ کا کام دیتے ہیں۔

اس از حد بے آسایش گانوں میں شب بسر کرکے ہم دوسرے شہر کی طرف روانہ ہوئے

وہاں ہمنے مسافروں کی عام رسم کی پیروی کی اور معززین میں سے ایک شخص کے مکان پر فروکش ہوکر اُس قومی مہمان نوازی سے محظوظ ہوئے جسکا ذکر ہمنے اوپر کیا ہے۔ شہروں میں مسافروں کی ہر قسم کی مہمان نوازی صرف اُس صورت میں کی جاتی ہے جبکہ میزبان و مہمان دونوں ایک دوسرے سے واقف ہوں یا یہ مہمان میزبان کے بعض دوستوں کے پاس سے تعارف کے خطوط پیش کرے۔

اپنے سفر کی تیسری شب ہمنے ترکمانوں کے ایک گانوں میں گذارنے کا انتظام کیا تھا لیکن ہمنے دیکھا کہ وہاں کے باشندوں نے اپنے مکان بند کر دئے تھے اور اپنا تمام مال و اسباب لیکر قریب کی ایک اونچی چراگاہ کی طرف چلے گئے تھے جہاں پانی کے کئی خوشنما چشمے موجود تھے۔ ہم بھی وہیں چلے گئے اور تین خیموں میں جو کہ سیاہ بکریوں کے بالوں کے بنے ہوئے تھے اور ان نیم خانہ بدوش لوگوں نے ہمیں عاریتاً دئے تھے شب بسر کی۔ اسکے معاوضہ میں ہمنے اُنہیں روپیہ دینا چاہا لیکن اس سے وہ بُرا مانے اور اپنی اہانت سمجھی اسلئے ہمنے شہر کے کچھ تحائف اُنہیں دئے۔

چوتھی شب ہمنے ایک بڑی سرا میں بسر کی کیونکہ کوئی جائے اقامت وہاں ایسی نہ تھی جو ہوٹل کہے جانے کے لائق ہوتی۔ اصل یہ ہے کہ سوائے چند بڑے شہروں کے جو کہ سواحل یا موجودہ ریلوے لائنوں پر واقع ہیں ایسے ہوٹل نہیں جہاں کہ معمولی آرام ملنا ممکن ہو۔ وہ اوسط درجے کے مکان جو ہوٹل کہلاتے ہیں جنہیں کہ بہت سے گنجی آبادی کے موقعوں پر بنائے جا رہے ہیں اور دیسی عیسائی اُنہیں چلاتے ہیں وہ درحقیقت میخانے ہیں جہاں کہ شرابخواروں کو دیکھکر مینوشی سے پاک رہنے والے عثمانیہ خاندانوں کے دلوں کو جو سفر کے وقت وہاں قیام کریں صدمہ ہوتا ہے۔ اگر کسی شہر کے رئیس یا

معزز شخص کے نام انہیں ایک شب کے قیام کے لیئے خط نہیں ملسکتا تو بجائے
ان نئے مہمانوں میں قیام کرنے کے وہ پرانی وضع کی سرائے میں فروکش ہونا بہتر
سمجھتے ہیں۔ ان سراؤں کے کمروں میں اسباب مطلق نہیں ہوتا اور عموماً وہ اس قدر
غلیظ ہوتے ہیں کہ بیان سے باہر ہے۔ ہر قسم کے کیڑے مکوڑے وہاں پائے جاتے
ہیں اور کبھی کبھی بچھو بھی نظر آجاتا ہے۔

دو راتیں اور سفر میں گذار کر چھٹی شام کو ہم بروسہ پہونچے جو آیشیائی کوہ اولمپس
کے دامن میں واقع ہے۔ وہاں ہمنے کئی روز قیام کیا اسلیئے کہ یہ شہر خوشنما مساجد
زیارتگاہوں مقابر اور گرم پانی کے چشموں پر بڑے بڑے حماموں سے پر ہے جو سب
کہ قابل دید ہیں۔ سلطنت ترکی میں بروسہ بزرگ ترین شہروں نسے ہے۔ پہلے
تین سلاطین عثمانیہ کا دار الخلافت رہا۔ کہتے ہیں کہ جب سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ
فتح کیا تو تقریباً پچاس ہزار ترکی خاندانوں کو بروسہ سے نئے دار السلطنت میں آباد
کیا۔ بروسہ سے ہم ساحل مارمورا کو گئے اور وہاں سے قسطنطنیہ جانے کے لیئے
کشتی کرایہ کی۔

جس حصۂ استنبول میں میرے چچا نے بود و باش اختیار کی وہ سلطان محمد ثانی فاتح
قسطنطنیہ کی عظیم الشان مسجد کے قریب تھا۔ یہ خاص جگہہ اُس مقام کا مرکز ہے جہاں کہ
صرف پرانی وضع کے ترکی خاندان بسے ہوئے ہیں۔ چچا صاحب نے مجھے اور میرے
بھتیجے بھائیوں کو دو ہفتہ کی چھٹی شہر اور اُسکی قابل دید چیزوں کے دیکھنے کے لیئے
دی۔ ایک روز ہمیں پیرا جانے کی بھی اجازت دی گئی جو کہ دار السلطنت کا وہ حصہ ہے
جہاں کہ یوروپین آبادی ہے۔ وہاں کے باشندوں کا تمول اور خوشحالی صاف عیاں تھی

جسے دیکھکر ہمکو سخت تعجب ہوا۔ ہم رشک کے ساتھ سوچ رہے تھے کہ یہ لوگ کس قدر خوش وخورم ہونگے کہ ایک ضعیف شخص نے جو ہماری رہنمائی کر رہا تھا ہمیں متنبہ کیا کہ اس قسم کی دنیاوی ترقی کے متعلق ہماری آرزو وتمنا قناعت کے اعلیٰ اسلامی اصولوں کے مطابق نہیں اور ہمیں یہ قول یاد دلایا کہ "یہ دنیا مشرکوں کے لیئے بہشت ہے" یہ مقولہ جو کہ غلطی سے آنحضرت صلعم سے منسوب کیا جاتا ہے اُس مسئلہ تقدیر کا ایک خاص اصول ہے جسپر پختگی سے یقین لانا زیادہ تر مشرقی اقوام کی آجکل کی ساکن حالت اور اُنکی عدم ترقی کے وجوہ میں سے ایک بڑا سبب ہے جو اثر کہ ہم پر یوروپین باشندوں کی اچھی حالت دیکھکر ہوا تھا پیرا سے واپس آتے وقت اُسکے بالکل برعکس ہوا اسلیئے کہ وہاں یوروپین طرز معاشرت[۵۱] کا دوسرا خراب رخ نظر آیا۔ اس یوروپین محلہ میں

[۵۱] ایک اور قابل لحاظ خصوصیت ترکونکی طرز معاشرت میں اُنکا سختی کے ساتھ منشیات سے پرہیز ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اُنکے معاملات میں کسی قسم کی بے ترتیبی یا بے قاعدگی نہیں ہوتی۔ باوجودیکہ شہروں میں اتنی مختلف قومیں ملی ہوئی ہیں اور پولیس والونکی تعداد بھی زیادہ نہیں ہے تاہم سڑکوں پر جھگڑا لڑائی یا کسی قسم کا فساد شاذ ہی دیکھنے میں آتا ہے اور اُس صورت میں بھی یونانی۔ یہودی یا دوسرے ملکوں کے جہازی گورے عموماً اُسکے بانی ہوتے ہیں۔ پیدل چلنے والے تنگ سڑکوں پر نہایت ہی خوش خلقی اور ملنساری کے ساتھ ایکدوسرے کیلئے جگہہ کرتے ہیں۔ بوجھ سے دبے ہوئے حمال یا گاڑیبان وکوچبان متواتر لوگونکو راستہ سے بچنے کے لئے پکارتے جاتے ہیں اور اس قسم کا اکھڑپن اور ناشایستگی جو مغربی شہروں میں دکھائی دیتی ہے یہاں نہیں پائی جاتی نقب زنی ٹرکی میں تقریباً معدوم ہے اور گو ایک مدت دراز تک میں اس ملک میں رہی ہوں مجھے یاد نہیں کہ کوئی واقعہ اس قسم کا سننے میں آیا ہو۔ غروب آفتاب کے بعد ہر شخص کیلئے لازم ہے کہ باہر جاتے وقت لالٹین ہمراہ لیجائے بلا اس ایمانداری کی علامت کے اگر پولیس کی روند کسی شخص کو ملجائے یا کسی تھانہ کے قریب سے اُس شخص کا گذر ہو تو وہ مشکل کسی مصیبت میں پڑنے سے بچیگا (لوسی گارنٹ)

زیادہ تر یونانی - پولینڈ کے باشندے - بحر روم کے مشرقی ساحل کے اطراف کے رہنے والے - اطالیہ اور مالٹا کے لوگ آباد ہیں - یہاں ایسے ایسے ناپاک گلا کاٹنے والے دکھلائی دینگے جنکے چہرہ پر جرم بڑے بڑے حرفوں سے لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے - اسی جگہہ ہمنے وہ ذلیل و ناشایستہ مکانات بھی دیکھے جہانکہ نیم برہنہ غازہ سے آراستہ صورتیں بالاخانوں پر بیٹھکر یا دروازوں پر کھڑی ہوکر جتنے لوگ اُدھر سے گذرتے ہیں اُنہیں بلاتی ہیں - اسی حصۂ شہر میں ہمنے بے شمار شرابخانے بدمزاج جہازیوں - یونانی چوروں - جھگڑالو مالٹا کے باشندوں اور یوروپین سوسائٹی کے ذلیل ترین اشخاص سے پُر دیکھے - سب کے سب اُن میں سے کم و بیش نشہ سے مدہوش اور بہت سے علانیہ چھروں اور تمنچوں سے مسلح تھے - ان بدمعاشوں میں سے کسی کو بھی ملک کے قانون یا پولیس کی اطاعت کا خیال تک نہیں ہے اسلئے کہ اُن میں سے ہر ایک کو اپنی گورنمنٹ اور سلطنت عثمانیہ کے درمیان عہدناموں کے بموجب خاص حقوق حاصل ہیں جنکے مطابق وہ اپنے اپنے ملک کے سفیروں و قونسلوں کی زیر حفاظت ہیں یہ کیفیت دیکھکر جسے کہ بہت سے مسلمان "عیسائی زندگی" سے تعبیر کرتے ہیں ہمیں سخت نفرت ہوئی - بدقسمتی سے یہ ایک امر واقعی ہے کہ یوروپین تہذیب کی تمام بُری باتیں نہایت آسانی و سرعت کے ساتھہ پھیلتی ہیں اور اُسکے عمدہ و مفید نکات شاذ ہی کچھہ اثر مشرقی ممالک کی طرز زندگی پر کرتے معلوم ہوتے ہیں -

اس سیر کے بعد ایک عرصۂ دراز تک مجھے دارالخلافہ کے یوروپین حصہ کو دیکھنے کی اجازت نہ ملی اسلئے کہ مجھے اپنا سلسلۂ تعلیم شروع کرنا پڑا -

میرے چچا صاحب کو اس امر پر غور کرنا پڑا کہ اپنے لڑکوں کو اور مجھے کس طریقہ سے

تعلیم دلانا چاہیئے۔ ٹرکی میں اعلی تعلیم کی دو قسمیں[۵۱] ہیں۔ ایک تو پرانی وضع کے کالجوں یعنی مدرسوں کی تعلیم ہے جسکا میں نے پیشتر ذکر کیا ہے اور جسکی اس باب میں کسیقدر اور تشریح کروں گا اور دوسری قسم کی تعلیم وہ ہے جو کہ آج کل جدید اسکولوں اور کالجوں میں رائج ہے۔ اس دوسری وضع کے بہت سے مدارس قسطنطنیہ میں ہیں اور یورپ

۵۱ جو کچھ کہ لوسی گارنٹ صاحب نے اس بارہ میں لکھا ہے اُسکا یہاں نقل کرنا خالی از دلچسپی نہوگا:۔

ٹرکی میں آج کل سرکاری تعلیم کے دو قسم کے سلسلے ایکدوسرے کے پہلو بہ پہلو جاری ہیں ایک تو قدیم جسکی بنا ابتدائے سلطنت سے ہوئی اور جملہ اسلامی ممالک میں وہ پایا جاتا ہے اور دوسرا سلسلہ جدید جو کہ گذشتہ صدی عیسوی کے اول نصف حصہ کے شروع میں قائم ہوا اور پچھلے چالیس سال میں اُسے خوب ترقی دیگئی ہے۔ سلسلہ قدیم کے متعلق جو درسگاہیں ہیں وہ اولاً محلہ کے مکتب اور دوم مدارس یعنی مسجدوں کے کالج ہیں اور دونوں کے اخراجات مساجد کی آمدنی سے ادا کئے جاتے ہیں جنکے کہ وہ عام طور پر ماتحت ہوتے ہیں یورپ میں شاید کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں ابتدائی تعلیم کی بنیاد اتنی مدت دراز سے ڈالی گئی ہو یا غریب والدین کو اپنے بچوں کے پڑہانے لکھانے کے لئے اسقدر ترغیبیں دی گئی ہوں مکتبوں میں ابتدائی تعلیم لڑکوں اور لڑکیوں کو بہت ہی چھوٹی عمر سے دیجاتی ہے اور اُن سے برائے نام قریب ۲ کے سالانہ فیس لی جاتی ہے گو ان میں سے بعض مدارس میں ہر طالب علم سال میں دو جوڑے کپڑے پانے کا مستحق ہوتا ہے اور بعض میں مفت کھانا اور جیب خرچ دیا جاتا ہے۔

بچے کے مدرسہ جانیکا پہلا روز ایک ایسا قابل لحاظ اور اہم واقعہ خیال کیا جاتا ہے کہ اُسکی عجیب اور دلچسپ طریقہ سے خوشی منائی جاتی ہے۔ لڑکے کو اُسکے والدین کی استطاعت کے

کی بعض تعلیم گاہوں کے نمونہ پر قائم کئے گئے ہیں۔ یہاں پر برخلاف پرانی وضع کے مدرسوں کے جملہ اقسام کے وہ علوم جو موجودہ ضروریات کی وجہ سے رفاہ عام کے لئے لازمی ہیں سکھلاے جاتے ہیں۔ علاوہ عظیم الشان دارالعلوم حربیہ وابتدائی حربی کالجوں بحری کالج اور فوجی اور ملکی طبیہ مدارس و نیز شاہی طبی تعلیم گاہوں کے جن میں بعض پچاس ساٹھ سال سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۷۔ مطابق زرق برق پوشاک پہنا اور ایک نہایت ہی عمدہ سجے ہوے گھوڑے پر سوار کراکر محلہ میں گشت کراتے ہیں۔ آگے آگے اُسکے آیندہ معلم اور اُستاد ہوتے ہیں اُنکے پیچھے ایک لڑکا ریشمی کپڑے پر قرآن شریف لئے ہوتا ہے دوسرے کے پاس ایک نہایت عمدہ کام کی ہوئی رحیل ہوتی ہے اور ایک تیسرے کے ہاتھ میں مخملی قلمدان ہوتا ہے جسپر سنہرے چاند اور ستارے بنے ہوتے ہیں۔ ان سب کے بعد وہ طالب علم دو دو کی قطار باندھکر چلتے ہیں جو کہ اُسکے آیندہ ہم جماعت ہونگے اور اشعار پڑھتے جاتے ہیں جنکا موضوع علم کی مسرتیں۔ محبت ہمسایہ کی تاکید۔ کوشش و محنت کی ترغیب اور اخیر میں اپنے نئے ساتھی کے لئے دعاے خیر والدین اور اساتذہ کی تعریف اور سلطان المعظم کی ستائش ہوتی ہے۔ تمام تماشہ دیکھنے والے اور ساتھی آمین آمین کہتے جاتے ہیں۔ جب مکان واپس آتے ہیں تو لڑکے کا باپ طالب علموں کو پیسے تقسیم کرتا ہے اور نیز محتاجوں کو جو کہ ایسے موقعوں پر باہر دروازہ پر جمع ہوتے ہیں۔ یہی رسم دوبارہ بھی کی جاتی ہے جبکہ لڑکا پہلے امتحان میں کامیاب ہوتا ہے اس مرتبہ اُسکے اُستاد کو ایک جوڑا سفید کپڑوں کا اور قریب ۵ پیسے کے دئے جاتے ہیں۔

مکتبوں کے اُستادوں کے متعلق مساجد کی خدمات بھی ہیں۔ تعلیم جو یہاں دی جاتی ہے وہ خاصکر مذہبی ہوتی ہے گو نصاب میں چند سال سے معمولی ابتدائی نوشت و خواند بھی شامل کردی گئی ہے۔

قائم ہیں ملکی ملازموں قانون اور انجینیری کی تعلیم کے اور چند چھوٹے دیگر کالج بھی
موجود ہیں جنکی بنا تھوڑے عرصہ سے ڈالی گئی ہے - دو برس ہوے مشہور ہوا تھا کہ قسطنطنیہ
میں منجانب گورنمنٹ ایک باقاعدہ یونیورسٹی قائم کی جائیگی لیکن اس تجویز نے ابھی
تک کوئی عملی صورت نہیں اختیار کی ہے -

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۸ - مدارس یعنی کالج جو مساجد کے متعلق ہیں وہ بعض باتوں میں اُن یونیورسٹیوں
سے مشابہ ہیں جو قرون وسطیٰ میں مغربی یورپ میں موجود تھیں - انکی بنیاد سلاطین عثمانیہ اور گذشتہ
صدیوں کے امرا کی فیاضی وجود کے ذریعہ سے قائم ہوئی تھی - گو آج کل یہ کالج پُرانے طرز کے
سمجھے جاتے ہیں لیکن گذشتہ زمانہ میں بھی تعلیم کے بڑے مرکز تے اسلئے کہ ان میں صرف مذہبی
تعلیم ہی نہیں دیجاتی تھی بلکہ اُسوقت کے علوم معلومہ کی جملہ شاخیں وہاں سکھائی جاتی تھیں اور انکے
ساتھ جو کتب خانے ہیں اُنمیں بیش قیمت قلمی کتابیں اب تک محفوظ ہیں -

مکتبوں کے علاوہ آجکل دار الخلافہ اور جملہ بڑے بڑے شہروں میں ابتدائی سرکاری اسکول
ہیں جو رشدیہ کہلاتے ہیں - ان میں لڑکے مفت تعلیم پاتے ہیں اور نوشت وخواند کے ساتھ
ساتھ اس قسم کی معمولی ابتدائی چیزیں سکھائی جاتی ہیں جیسے حساب ترکی تاریخ اور جغرافیہ - ان
سے برتر مدارس اعدادیہ ہیں اور یہ بھی سرکاری ہیں جن میں بڑے لڑکوں کو خاص خاص مضامین میں
تعلیم دی جاتی ہے اور وہ اُن متعدد جدید اسکولوں اور کالجوں میں سے کسی ایک میں داخلہ کے
لئے بھی تیار کئے جاتے ہیں جو کہ فرانس اور جرمنی کی تعلیمی درسگاہوں کے طرز پر قائم کئے گئے
ہیں اور جہانکہ وہ تمام علوم سکھائے جاتے ہیں جو کہ فی زمانہ ضروری ہیں - اُن میں سرکاری فوجی اسکول
وکالج - ایک بحری کالج - مدارس طبیہ علاوہ دیگر مختلف درسگاہوں کے جہاں سول سروس وکالت اور
انجینیری وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے - شامل ہیں کتنے ہی سال سے اعلیٰ ترکی خاندان اپنے بیٹوں کو

میں چاہتا تھا کہ خانگی تعلیم کے ذریعے سے لازمی امتحان داخلہ پاس کر کے متذکرہ بالا جدید کالجوں میں سے کسی ایک میں داخل ہوں لیکن چونکہ میرا بڑا بھائی اسی قسم کے کالج میں شریک ہو چکا تھا چچا صاحب نے زور دیا کہ کسی پرانی وضع کے مدرسے میں داخل ہو - چونکہ ابھی تک ہمکو ضبط شدہ جائداد کے ملنے کی کسیقدر امید باقی تھی اور حق قبضہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۹ - تکمیل تعلیم کے لئے زیادہ تر فرانس اور انگلستان بھیجتے ہیں لڑکیوں کے مدارس بھی زیادہ ہوتے جاتے ہیں لیکن حرم سرا کے قواعد کی پابندی کی وجہ سے بارہ برس کی عمر کے بعد لڑکیوں کے مدرسہ جانے میں بندش و رکاوٹ واقع ہوتی ہے -

جو یوروپین اشخاص کہ قسطنطنیہ جاتے ہیں اُنہیں اکثر تعجب ہوتا ہے کہ ترکی سوسائٹی کے اونچے طبقوں میں کس قدر اعلیٰ درجہ کی واقفیت و تعلیم پائی جاتی ہے - کم از کم سرکاری ملازمین میں عام طور پر لوگ فرانسیسی زبان بولتے ہیں اور بہت سے اگر بول نہیں سکتے تو انگریزی پڑھتے ضرور ہیں ساتھ ہی تمام بڑے شہروں میں بالکل اتنے ہی ترک ایسے موجود ہیں جو کہ کوئی نہ کوئی غیر زبان پڑھ لکھ سکتے ہیں جتنے کہ اُسی طبقہ اور درجہ کے لوگ انگلستان میں ملینگے - گذشتہ نصف صدی کے زمانہ میں ترکوں نے وہ ثقیل - رنگیں - اور پُر از مبالغہ اور بڑے بڑے الفاظ سے پُر طرز عبارت کو ترک کر دیا ہے جسکا کہ پیشتر رواج تھا اور جسکی وجہ سے تعلیم کے پھیلنے میں بڑی رکاوٹ تھی اور اُس کے بجائے یوروپین نمونہ کے چھوٹے چھوٹے جملے لکھنا اختیار کیا ہے - اس علمی انقلاب کی وجہ سے قوم کو بڑا فائدہ پہونچا ہے - اتنے عرصہ میں موجودہ تہذیب کی ضروریات کے اظہار کے لئے ہزاروں نئے الفاظ دوسری زبانوں سے لے لئے یا بنائے گئے ہیں اور ترکی زبان اس ذریعے سے اس قدر مالامال سادہ اور جدید طرز کی ہو گئی ہے کہ بکثرت ناول - کتب سائینس اور رسالجات تھوڑے دنوں سے شائع ہوئے ہیں جو کہ مغربی یورپ کی بہ

اس پر منحصر تھا کہ دادا صاحب کے ورثا میں ایک شخص اونکا نیم مذہبی پیشہ اختیار کرے چچا صاحب مُصر ہوئے کہ میں اُنہی نیم مذہبی مدارس میں سے ایک میں اپنا سلسلۂ تعلیم جاری رکھوں گو میں از حد اسکے خلاف تھا تاہم اُنکی رضامندی کو مقدم سمجھا اور ایک معلم کے ساتھ جاکر رہنے کی تیاری کی جو اُس مدرسہ میں رہتا تھا جو کہ مسجد سینٹ صوفیہ خرد کے متعلق ہے - یہ آخر الذکر عمارت بھی قدیم عیسائیوں کے زمانہ کی ہے اور یوروپین سیاح اسے اُسی کثرت سے آکر دیکھتے ہیں جیسے کہ سینٹ صوفیہ کلاں کو - جب کوئی شخص اِن پُرانی وضع کے مدارس میں شریک ہوتا ہے تو اُسکے لئے ضرور ہے کہ وہاں کے لوگوں کا سا عمامہ اور ایک لنبا عبا پہنے - اگر اُسکی اتنی عمر ہے کہ ڈاڑہی نکلے تو چاہئیے کہ اُسے بڑہنے دے اور سر کے بال منڈوائے - غرضکہ میرے لئے عمامہ اور عبا لایا گیا اور چچا صاحب نے ایک ملازم کے ہمراہ مجھے حجام کی دوکان پر سر کے بال صاف کرانے کے لیئے بھیجا - بہت سے گھنے بالوں کا مونڈنا نہایت تکلیف دہ کام ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۰ - زمانہ کی بہت سی تصنیفات کے بالکل ہم پلہ کہے جا سکتے ہیں،،

قاہرہ کے عربی اخبار الظاہر میں ابھی حال میں ایک مضمون شائع ہوا ہے - (دیکھو اخبار محمڈن مدراس مطبوعہ ۶ - اکتوبر ۱۹۰۴ء جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المعظم نے مذہبی تعلیم کی ترویج کے لئے وسیع انتظامات کئے ہیں - ایک شاہی فرمان جاری ہوا ہے جسمیں حکم ہے کہ تمام سرکاری مدارس میں مسلمان اور عیسائی بچوں کے لئے علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا انتظام لازمی طور پر کیا جائے - تمام امیر و غریب سرکاری خرچ سے مفت میں تعلیم پاتے ہیں - یورپ میں ایسے مدارس نہیں ہیں جہاں اس طرح مفت تعلیم دی جاتی ہو -

محمد حسن خاں

اور میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے کچھ تو اُس درد کی وجہ سے جو اُسترے سے ہوا جسکی رفتار کا سیر اسر عادی نہ تھا اور کچھ غالباً اُس خوفناک راہبانہ زندگی کے خیال سے جسکی کہ میں مدرسہ میں عنقریب ابتدا کرنے والا تھا۔ دوسرے روز اپنا اسباب لیکر میں مدرسہ گیا لیکن چند ماہ تک میری تعلیم شروع نہو سکی اسلیئے کہ سر منڈانے کی وجہ سے مجھے سردی زکام لاحق ہوا جسکی وجہ سے دردِ سر و آشوب چشم میں بھی مبتلا رہا۔ جس بُری طرح اُس مدرسہ میں میری زندگی بسر ہوئی اُسے میں کبھی نہ بھولونگا۔ غالباً ناظرین کیلئے خالی از دلچسپی نہوگا اگر میں اس قسم کے مدرسہ کی کیفیت وہاں کی بود و باش اور تعلیم کا کچھ حال بیان کروں۔

قسطنطنیہ میں سو سے زیادہ اس قسم کی مذہبی تعلیم گاہیں یا مدارس ہیں۔ صوبجات کے ہر بڑے شہر میں کئی کئی مدرسے ہوتے ہیں قدیم اسلامی تہذیب کی یہ درسگاہیں صرف ٹرکی ہی سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ مصر، فارس اور بعض دیگر مغربی ممالک میں بھی وہ موجود ہیں اور ایک زمانہ میں صرف یہی تعلیم و تربیت کی جگہیں تھیں۔ گذشتہ زمانہ میں جب کہ ابتداءً وہ قائم کی گئیں تو اُنمیں محض مذہبی تعلیم ہی نہیں دیجاتی تھی بلکہ علم انسانی کی تمام شاخیں جو اُسوقت تک مشرق میں معلوم تھیں وہاں سکھلائی جاتی تھیں۔

قسطنطنیہ میں بعض ایسی تعلیم گاہوں کے قدیم اصلی نام ابھی تک باقی ہیں جیسے مدرسہ طبیہ مدرسہ تواریخ دمشل آن۔ پیشتر اہل اسلام دو علیحدہ جماعتوں میں منقسم تھے یعنی ایک تو بڑا فرقہ بے علم لوگوں کا اور دوسرا تعلیم یافتہ گروہ یعنی علما کا گو تمام تعلیم مدرسہ میں اسلامی بنا پر تھی لیکن درحقیقت علما کلیۃً فقیہ نہ تھے اور پادریوں کی طرح پیشوایان دین یا راہب تو تھے ہی نہیں اسلئے کہ اسلام اس قسم کی پادریانہ روحانی حکومت کا قائل

نہیں آنحضرت صلعم نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے
امتداد زمانہ کے ساتھہ علم انسانی ترقی کرتا گیا اور جو اعلی تہذیب مسلمانان قرون وسطی
میں پائی جاتی تھی مائل بتنزل ہوتی گئی لیکن علما وہی عربی زبان اور اسکے ادب وفقہ
کی تعلیم و تدریس میں مصروف رہے - بالآخر ٹرکی و مصر کی طرح اسلامی ممالک نے
یورپ کی ترقی کرنے والی قوموں سے کچھہ سیکھنے کی ضرورت محسوس کی اور مثل اُن کی
درسگاہوں کے موجودہ علوم وسائنس کی تعلیم کے لیئے اسکول اور کالج قایم کرنے
شروع کیئے - سلطنت عثمانیہ میں علما کے ہاتھہ سے مدرّسی اور عدالتوں کی ملازمت
بطور حاکموں کے بتقریبا نکل گئی ہے اور فی الحال اُنکی عجیب حالت ہے جو کہ یقدر
ایک قسم کی پادریانہ حالت کے مشابہ ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ اس فرقے کے تدیم
پیشہ کے خطابات ہنوز قایم ہیں پنشنیں بدستور دیجاتی ہیں اور اوقاف وغیرہ کی آمدنی
اُنکی بسر اوقات کا ذریعہ ہے علاوہ بریں بہ نسبت موجودہ تعلیم یافتہ لوگوں کے اثر کے
اس جماعت کا جاہل عوام الناس پر ابھی تک بہت زیادہ اثر ہے لیکن سلطنت کے لیئے
اب وہ بہت زیادہ بکار آمد نہیں ہے - پھر بھی مدارس اس قسم کے طالب علموں سے
اب تک پُر ہیں جو کہ اس جماعت کے ممبر ہونا چاہتے ہیں لیکن جو اُن میں زیادہ سمجھدار ہیں
وہ بجائے اسکے کہ مساجد میں پرانی وضع کے لکچر سنیں کسی موجودہ طرز کے کالج میں
داخل ہوجاتے ہیں تاکہ کسی ایسے فن وحرفہ سے واقف ہوجائیں جو کہ اُن کے لیئے
بکارآمد ثابت ہو - بہت سے اُن میں سے اپنا وقت مدرسوں میں کاہلی کے ساتھہ بسر
کرتے ہیں یا صرف اُسوقت تک وہاں رہتے ہیں کہ ایک امتحان پاس کر کے فوجی
ملازمت سے بری ہوجائیں - اسکے بعد اپنے اپنے قصبوں یا گاؤں کو واپس چلے

جاتے ہیں۔ علاوہ بریں ان میں سے بعض طالب علم جو درحقیقت کچھ کرتے ہیں اور کاہل نہیں رہتے بجائے کسی موجودہ قسم کے کالج میں داخل ہونے کے ایک ایسی تعلیمگاہ میں داخل ہو جاتے ہیں جہاں کہ اُنہیں قاضی کے عہدہ کی تعلیم و تربیت دی جاتی ہے اس قسم کے طالب علم صوفتہ کہلاتے ہیں۔ مدارس کا کل انتظام شیخ الاسلام کی زیر نگرانی ہوتا ہے۔ آخر الذکر عہدہ گو اَب تک بالکل علیحدہ عہدہ ہے اور گو شیخ الاسلام باب عالی کی مجلس شوریٰ کے ایک رکن ہیں تاہم بہت سی اہم سرکاری خدمات جو پیشتر اُن سے متعلق تھیں اب اُن سے علیحدہ کر لی گئی ہیں۔ فی الحال شیخ الاسلام کا درجہ جو کہ علما کے سردار ہیں کسی عیسائی ملک کے مذہبی پیشوا کے مشابہ ہے گو جیسا کہ میں پیشتر کہہ چکا ہوں نصرانیت کی طرح اسلام میں پادری پن نہیں ہے۔ قسطنطنیہ کے مدارس میں طالب علموں کی تعداد تخمیناً پانچ اور سات ہزار کے درمیان ہوگی۔

ابتداءً اِن مدارس کی بنیاد ایسے اصول پر قائم کی گئی تھی جو کہ انگریزی دار العلوموں کے کالجوں سے بہت زیادہ مشابہ تھا۔ وہ سلاطین اور دیگر اشخاص کی فیاضی کا نتیجہ تھے اور زیادہ تر اُنہیں سے مساجد کے قریب بنائے گئے تھے اور اُنہی سے متعلق بھی تھے جن اوقاف کی آمدنی سے مساجد کے اخراجات چلائے جاتے تھے اُن ہی سے وہ بھی جاری تھے۔ اسلئے کہ ان اوقاف کے مخیر بانیوں کی خاص غرض یہ تھی کہ مساجد میں جماعتیں بڑی ہوا کریں اور اسی وجہ سے یہ تدبیر کی کہ طالب علم مساجد میں علاوہ شرکت نماز کے تعلیم بھی پائیں۔ آجکل بھی زیادہ تر مساجد ہی میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہے ہر مدرسہ خود مختار تھا اور اُسکے منتظم اُسکے نگران حال ہوتے اور اُسکے متعلق قواعد بناتے تھے۔ تمام طالب علموں کو برابر شوربا۔ روٹی اور بعض دن چاول اور ایک قسم کی

مٹھائی جو زعفران سے بنائی جاتی تھی اور روغن زیتون جلانے کے لیے ایک قسم کے باورچیخانہ سے ملتا تھا جو کہ اسے کام کے لیئے وقف کیا ہوا تھا۔ آجکل اس قسم کی مفت اشیا طالب علموں کو بہت کم اور کبھی کبھی دیجاتی ہیں اسلیئے کہ اوقاف کا انتظام عرصہ دراز سے سرکاری حکام کے زیر نگرانی ہے اور اُنکی آمدنی کا بُرا استعمال کیا جاتا ہے اور خلاف قاعدہ وہ خراب اور ناپاک ہاتھ اُسکا تصرف بیجا کرتے ہیں جن میں کہ وہ ہوکر گذرتی ہے - اسیوجہ سے ارکان مدارس اسقدر روپیہ بھی بہم نہیں کر سکتے کہ اُسکے ذریعہ سے مدرسوں کی عمارتوں کو پوری بربادی سے بچا سکیں۔ یہ عمارتیں زیادہ تر مربع شکل کی ہوتی ہیں جنکے بیچ میں صحن ہوتا ہے اور ایک منزلہ اور بعض وقت دو منزلہ ہوتی ہیں۔ صحت و تندرستی کے لیئے وہ مضر ہوتی ہیں اور مناسب طور پر اُسمیں صاف ہوا کے آنے جانے کا انتظام نہیں ہوتا۔ طالبعلم اپنے کمروں کے دروازے کی آڑ میں غسل کرتے ہیں آتشدانوں میں اپنا کھانا پکاتے ہیں اور عموماً دو یا تین ایک ہی کمرہ میں فرش پر سوتے ہیں۔ بہت سے کمروں میں خوفناک مرطوب اور متعفن بو ہوتی ہے۔ اپنی بدقسمتی کی وجہ سے میں بھی ایک اسی قسم کے مقام میں مجبوراً پانچ سال رہا اور وہ وہ سال تھے جو کہ ہر شخص کی نوعمری کے زمانہ میں بہترین سال ہونے چاہئیں۔

اِن مدارس کے طالب علموں کی زندگی عیسائیوں کے رومن کیتھولک فرقہ کے صومعہ باش راہبوں کی زندگی کی طرح بسر ہوتی ہے وہ اپنا سادہ کھانا خود پکاتے ہیں اپنے کمرے خود صاف کرتے ہیں بچھونے خود بچھاتے ہیں اور خود اپنے کپڑے دھوتے ہیں۔ ایک نئے طالب علم کو صرف یہی سب کام نہیں کرنے پڑتے

بلکہ اُس ساتھی یا مدرس مدرسہ کے لیئے بھی سب کچھ کرنا پڑتا ہے جسکے کمرہ میں وہ رہتا ہے زیادہ حصہ طالب علموں کا نہایت غریب ہوتا ہے - وہ ہر سال ماہ رمضان میں صوبجات کے مختلف قصبوں وگانوؤں میں وعظ وتلقین یا ناخواندہ دہقانیوں کے واسطے کچھ لکھنے پڑھنے کے لیئے جایا کرتے ہیں اور جو کچھ فیس خیرات اور کھانے پینے کی چیزیں وصول ہوتی ہیں اُنہیں لیکر اپنے اپنے مدرسوں کو واپس آکر پھر کام شروع کر دیتے ہیں -

جو طالب علم کہ صوفتہ کہلاتے ہیں اُنہوں نے بعض بغاوتوں میں نمایاں حصہ لیا ہے اس لیئے کہ اگر ایکبار پولیٹکل اشخاص اُنہیں اشتعال دیتے اور بھڑکاتے تو وہ مساجد کے بڑے صحنوں میں ہتھیار اور موٹے ڈنڈے اپنی لمبی عباؤں کے نیچے چھپا کر جمع ہو جاتے اور لاتعداد عام اشخاص اُن کے ساتھ ہو جاتے تھے - جن وزرا نے سلطان عبد العزیز خاں کو معزول کیا تھا اُنہیں صوفتہ طالب علموں کی امداد لینی پڑی تھی - مدحت پاشا نے بھی اُنکی تائید حاصل کی تھی جبکہ وہ سلطان حال پر نئی پارلیمنٹ کی منظوری کے لئے زور ڈال رہے تھے - صعوی آفندی نامی ایک شخص نے جو نوجوان ترکی جماعت کے بانیوں میں سے تھا (۱) خود صوفتہ تھا پچیس سال ہوئے سلطان المعظم کے محل پر مسلح ہو کر حملہ کیا تھا اُسکے ہمراہ بہت سے صوفتہ طالب علم لڑے اور قتل ہوئے - سلطان حال نے جنکی ہر ایسی شے کے کچلنے ونیست ونابود کرنے میں حیرت انگیز طاقت وکامیابی سے انکار نہیں ہو سکتا جس سے کہ اُنکی خود مختار ذاتی حکومت کو کسی قسم کا خوف ہو صوفتہ طالب علموں کے مجموعی اثر کو بالکل ٹھنڈا کر دیا ہے حتیٰ کہ اگر کوئی طاقت سلطان کے مقابلہ کیلئے

آمادہ ہو تو یہ طالب علم اُسکے تابع نہونگے اور نہ اُسکا ساتھہ دینگے۔

جب تک میں مدرسہ میں رہا میرے چچا مجھے جیب خرچ کے لیئے بیس پیاسٹر یعنی تقریباً ۶ع ماہوار اور مدرسے کے اُس معلم کو جسکے کمرے میں میں رہتا تھا اسّی پیاسٹر میرے دیگر اخراجات کے لیئے دیا کرتے تھے۔ یہ رقم ایک ایسے شخص کے لیئے بالکل کافی تھی جسے کہ مثل راہب کے اعتدال و سادگی کے ساتھہ بسر اوقات کرنا ہو۔ علاوہ بریں کھانے پینے کی اشیا قسطنطنیہ میں نہایت ارزاں ہیں جس سے وہ یوروپین سیاح واقف نہیں ہیں جنہیں کہ بحر روم کے مشرقی ساحل کے باشندے اور یونانی ہوٹل والے اور تاجر علی العموم فریب دیتے اور ٹھگتے ہیں۔ لیکن خفیہ طور پر انگورا کے ایک ارمنی سوداگر کے ذریعہ سے میری محبت کرنے والی ماں کے پاس سے بھی مجھے مالی امداد ملا کرتی تھی۔

باب پنجم

ایک نیا پیشہ اور مسئلہ ملازمت فوجی

مدرسہ کی تین سال کی سخت و دشوار و تنہائی کی زندگی کے بعد مجھے چچا صاحب نے ایک مرتبہ زمانہ تعطیل میں وطن جانے کی اجازت دی۔ اسی زمانہ میں یورپ کے بیدینوں کی نسبت جو مجھے تعصب تھا اُس میں تخفیف کی ابتدا ہوئی اور یہ واقعہ اسطرح پیش آیا۔ موسم سرما میں ایک روز سہ پہر کے وقت میں مدرسہ کے باغ

میں ٹہل رہا تھا کہ ایک نوجوان یوروپین ایک خوبصورت کم عمر عورت کے ہمراہ مسجد سنیٹ صوفیہ کے نزدیک سے نکلتا ہوا دکھلائی دیا۔ انہیں دیکھکر میرے دل میں اُن کے متعلق دریافتِ حال کا شوق پیدا ہوا جیسا کہ تمام یوروپین اشخاص کو دیکھکر جو کہ قدیم عمارتوں کو دیکھنے کے لئے آتے ہیں اُن لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے جو کہ اُن عمارتوں کے قریب رہتے ہیں۔ اُن دونوں نے ایک شہتوت کے درخت کی طرف نظر کی جو کہ پہل سے لدا ہوا تہا اور مرد نے ایک شہتوت جو اُسیوقت گرا تہا زمین سے اوٹہا کر اپنی ساتھی عورت کو دیا۔ میں دونوں کی طرف اسطرح کی صورت بنا کر بڑہا کہ جس سے کسیقدر ممانعت عیاں تہی۔ مجھے دیکھکر وہ چلدئے اور کسیقدر گہبرائے ہوئے معلوم ہوتے تہے۔ میں نے اُنہیں ٹھہرنے کے لئے اشارہ کیا اور جوتا اوتار کر درخت پر چڑہ گیا اور ایک کفِ دست پکے شہتوت توڑے پہر شہتوتوں کو دو بڑے پتوں پر رکہکر میں نے اُنہیں اُس لیڈی کے سامنے پیش کیا۔ میرے اس فعل سے ظاہرا دونوں خوش ہوئے اُنکے ساتھہ کوئی رہنما نہ تھا جسکی وجہ سے مجھے بہت زیادہ خوشی ہوئی اسلئے کہ ان جاہل رہنماؤں سے بڑہکر اور زیادہ بے شرم دغاباز اور فریبی اشخاص نہونگے اس پیشہ کے لوگ بحر روم کے مشرقی ساحل کی غیر اسلامی آبادی کے بدترین اشخاص میں سے ہیں۔ بہت سے یوروپین سیاح جو اس دیار میں تفریحاً آتے ہیں اور اپنے تجربوں کے متعلق سُرعت کے ساتھہ کتاب لکھنے بیٹھہ جاتے ہیں۔ اُن کی تمام واقفیت اور معلومات کا ذریعہ یہی رہنما اور ترجمان ہوتے ہیں۔ غالباً یہی سبب ہوگا کہ میرے ایک ہموطن نے ایک بار یہ فقرہ کہا :-

وہ جب ہم اِس قسم کی کتابیں خاصکر وہ جو انگریزی زبان میں ہوتی ہیں اپنی نسبت پڑھتے ہیں تو ہمیشہ اُن سے کوئی نہ کوئی ایسی بات سیکھتے ہیں جسکا نہ تو پہلے ہمیں علم تھا اور نہ کبھی اُسے پہلے سنا تھا" چونکہ جس زمانہ کا میں ذکر کر رہا ہوں اُسوقت ممالکِ عثمانیہ میں بہ نسبت دیگر یوروپین اقوام کے انگریز زیادہ تر عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور ہر شخص سمجھتا تھا کہ ہر یوروپین سیاح ضرور انگریز ہوگا میں نے اُس صاحب اور میم کو انگریز ہی تصور کیا۔ لیکن درحقیقت وہ انگریز تھے یا نہیں قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا۔ مجھہ سے اُن سے رخصتی صاحب سلامت بھی ہوئی لیکن مجھے افسوس تھا کہ میں اُسوقت سوائے اپنی زبان کے کسی دوسری زبان میں گفتگو نہیں کر سکتا تھا جسکے ذریعہ سے اُن سے ہمکلام ہوتا۔ لیکن اُسی لحظہ سے میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ انگلستان کو دیکھنا چاہیئے حالانکہ میں کسی سے اِسکا ذکر اس وجہ سے نہیں کر سکتا تھا کہ اہل مدرسہ کو اس قسم کی بات نہایت ناگوار خاطر ہوتی اور شاید مجھپر یہ الزام بھی عائد کیا جاتا کہ میں عیسائی ہونا چاہتا تھا۔

اِس واقعہ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد میں وطن روانہ ہوا۔ جو لوگ کہ اس سفر میں میرے ہمراہ تھے اُس راہ سے نہ گئے جس سے کہ تین سال پیشتر ہم قسطنطنیہ آئے تھے بلکہ اُنہوں نے دوسری راہ اختیار کی۔ اس سے مجھے ایشیائے کوچک کے دوسرے شہر دیکھنے کا موقع ملا۔ جب میں اپنے شہر میں پہونچا تو معلوم ہوا کہ والدہ موسم گرما والے مکان میں چلی گئی تہیں جو کہ دیہات میں واقع تھا۔ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ انگریزی قونسل بھی معہ اپنے اہل وعیال کے اُن دنوں ایک کرایہ کے مکان میں ہمارے مکان کے قریب ہی مقیم تھا۔ صرف یہی انگریز بلکہ یوروپین اُس شہر میں

موجود تھے اسلیئے کہ اناطولیہ کی ریل کی اسوقت تک تجویز بھی نہیں قرار پائی تھی اور یہ ممکن نہ تھا کہ کسی یوروپین کو وہاں کسی قسم کی ملازمت مل سکتی۔ ایک روز قریب کی ایک جھیل کے کنارے قاز کا شکار کرتے ہوئے مجھسے اُس قونسل سے ملاقات ہو گئی۔ وہ اپنا مطلب ترکی زبان میں ادا کر سکتا تھا اور اس لیئے ہم میں جلد سلسلہ شناسائی پیدا ہو گیا۔ میں نے اُس سے وعدہ لیا کہ پھر بھی مجھسے ملیگا تاکہ شکار کے لیئے ہم دونوں ساتھ جا سکیں۔ جب ہم دونوں میں اور زیادہ واقفیت بڑھی تو اُس نے اپنی بی بی سے میری ملاقات کرائی جو کہ ہمارے ملک کی خاتونوں سے مطلق میل جول نہیں رکھتی تھی۔ اسکے بعد بہت جلد میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اُس میم اور میری والدہ سے ملاقات ہونی چاہیئے۔ یہ ایک نہایت نازک معاملہ تھا اسلیئے کہ گو وہ لیڈی نہایت پسندیدہ و احسن تھی تاہم میری والدہ کے نزدیک بیدین تھی۔ لیکن میں نے اُن کی رضامندی حاصل کر لی اور وہ اُس انگریزی خاتون سے نہایت رُکاوٹ کے ساتھ اور شیشلے طور پر ملیں چونکہ میم ترکی زبان کافی طور پر نہیں بول سکتی تھی دونوں میں بہت کم بات چیت ہوئی۔ باوجود اسکے میری والدہ نے اپنے ملاقاتی کو بہت پسند کیا اور وہ اسکے بعد اکثر مجھسے افسوس کے ساتھ کہا کرتی تھیں کہ ایسی اچھی عورت خدا کے سچے مذہب یعنی اسلام کی پیرو نہو۔ میں قونسل سے بہت سے سوالات اُسکے ملک کے متعلق کیا کرتا تھا اور میرا خیال ہے کہ میرے استفسارات از حد قابل تضحیک ہوتے ہونگے اسلیئے کہ گو وہ نہایت مہربانی کے ساتھ مجھے جواب دیتا تھا تاہم ساتھ ہی میاں بی بی دونوں اپنی زبان میں بھی کچھ کہتے جاتے اور مسکراتے رہتے تھے۔ اپنے

ہموطنوں کے تعصبات سے مجھے اسقدر خوف تھا کہ ہمت نہوئی کہ قونسل سے اپنی مطلقاً پوری نہ ہونے والی خواہش کا ذکر کروں جو کہ انگلستان جانے کے متعلق تھی۔

جبکہ میری تین مہینہ کی تعطیل ختم ہوئی تو میں پھر قسطنطنیہ روانہ ہوا۔ چونکہ مدرسہ میں مجھکو کافی فوقیت حاصل ہوچکی تھی میں اب کسی معلم کی خدمت کرنے سے سبکدوش تھا۔ میرے پاس ایک پورا کمرہ تھا جس میں ایک البانیہ کا ہم مکتب میرا شریک تھا اُس سال میں نے شرع محمدی میں ترقی کی جسکی تعلیم ہمیشہ عربی زبان میں دیجاتی ہے دوسال اور گذرجانے کے بعد موسم گرما کی تعطیل میں میری خواہش ہوئی کہ کوئی نیا ملک دیکھنا چاہیئے۔ لہٰذا ایک فرانسیسی جہاز میں میں نے بیروت جانے کے لیئے ٹکٹ لیا جہانکہ میرا ایک عزیز رہا کرتا تھا راہ میں میں نے سمرنا میں قیام کیا اور ترکی جزائر جیاس اور میٹلین کو بھی دیکھا۔ اپنے سفر کے زمانہ میں مجھے بہت سے نوجوان ملے جو کہ جدید طرز کی تعلیم گاہوں میں تکمیل تعلیم کے بعد صوبجات میں مختلف عہدوں پر مقرر ہوئے تھے اور جنکی تنخواہیں مجھے اُسوقت اُس حد سے کہیں اور زیادہ معلوم ہوتی تھیں جسکی کہ کسی نوجوان شخص کو امید ہوسکتی تھی۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں بھی اُس پرانے سلسلۂ تعلیم کو تبدیل کردوں جسپر کہ اُسوقت تک میں وقت ضائع کررہا تھا۔ پس میں نے اس امر کی تحقیقات شروع کی کہ کون ایسا معقول سلسلۂ تعلیم تھا جسکی طرف میں رجوع کرسکتا تھا اور جسے شعار زندگی سمجھکر آئندہ بطور ذریعہ معاش اختیار کرسکتا تھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ تین مہینے بعد نئے قانونی کالج میں داخلہ کا امتحان ہونے والا تھا۔ گورمنٹ چاہتی تھی کہ عدالتہاے جدید کے لیئے تربیت یافتہ ملازم اور لائق وکلا دستیاب ہوں۔ میں نے بھی قسمت آزمائی کا مصمم ارادہ کرلیا۔ ایک نوجوان

افسر نے جو مدرسہ حربیہ میں تھا اور ہمارے مدرسہ کے قریب ہی رہا کرتا تھا۔ ازراہِ عنایت جغرافیہ اور علم حساب میں مجھے کسیقدر تعلیم دی چونکہ ان ہی دو چیزوں میں میں سب سے زیادہ کمزور تھا۔ میں امتحان میں بخوبی کامیاب ہوا اور قانونی مدرسہ میں داخل ہوگیا۔

اُن تمام جدید طرز کی تعلیم گاہوں کی ترقی میں جنکی بنا حال میں ڈالی گئی ہے تھوڑے عرصہ سے قصر یلدز کے حکام کی مداخلت افسوسناک طور پر بارج ہو رہی ہے ان حکام کی خاص خواہش ہے کہ ملک میں آزادانہ[۵۱] خیالات میں جو روز بروز ترقی ہے اُسے دبا دیں۔ لیکن ساتھ ہی باایں ہمہ اس تعریف کی مستحق ہے کہ یہ درسگاہیں ابتدائی سرکاری خرچ سے قائم ہوئی تھیں اور ہمیشہ سرکاری روپیہ سے اُن کے تمام مصارف ادا کیے جاتے ہیں اور اُن میں سے زیادہ ترین میں ہر فرقہ کے طالب علم بلا امتیاز قومیت و ملت مفت داخل ہو سکتے اور تعلیم پا سکتے ہیں۔ خاص ہمارے مدرسہ قانونی کی اول یکسالہ جماعت میں جسمیں تقریباً پینتالیس طالب علم تھے صرف ارمنی ہم جماعتوں کی تعداد تیرہ تھی۔

قسطنطنیہ کے قانونی کالجوں میں جو نصاب ہمارا تھا اگر اُسکا کچھ ذکر کیا جاوے تو میں سمجھتا ہوں کہ سلطنتِ عثمانیہ کے آئین و قوانین اور قانونی عدالتوں اور ضوابط کی مختصر کیفیت معلوم ہو جائیگی۔ علاوہ چند مضامین کے جو تمام تربیت یافتہ وکلا اور قانون داں افسروں کے لیے عموماً مفید ہیں دیگر مختلف مضامین مثل ضابطہ ہائے دیوانی و فوجداری۔ قانون اراضی۔ قانون تجارت و قانون متعلق باہل تجارت مجموعہ قواعد و ضوابط۔

---

[۵۱] اگر کسی قسم کے آزادانہ خیالات سے قوم و ملک کو نقصان پہونچنے کا خوف ہو تو انہیں ضرور دبانا چاہیے۔ محمد حسن خاں۔

متعلق انتظام ملکی - قانون بین الاقوام و عہدنامجات متعلق حقوق اشخاص ممالک دیگر در ترکی وغیرہ وغیرہ سلسلہ تعلیم میں داخل ہیں - قانون دیوانی اُن قواعد پر مبنی ہے جو کہ خلفائے بنی امیہ و بنی عباسیہ کے زمانہ سے صدی بہ صدی سلطنت عثمانیہ کے ابتدائی زمانہ تک بتدریج قائم ہوتے چلے آئے اور جنکی تشریح اُن مختلف عربی کتابوں میں کی گئی ہے جنہیں کہ شروع زمانہ کے مسلمان فقہا نے تالیف کیا تھا اور جنہوں نے کہ اُنکی متعدد شرحیں لکھی ہیں - لہذا ترکی قانون دیوانی کلیتہً اسلامی احکام شرعی پر مبنی ہے - اسکو ایسے اشخاص کی ایک مجلس نے مرتب کیا تھا جو کہ اسلامی ادب و فقہ سے بخوبی واقف تھے - یہ مجلس سلطان عبدالمجید خان کے زمانہ سلطنت حکومت میں قائم ہوئی تھی اور اس مجموعۂ قانون کے متعلق ضروری تفتیش و تحقیقات کرنے اور اُسے موجودہ شکل میں ترتیب دینے میں تقریباً پندرہ سال صرف ہوئے تھے - یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ جیسا بعض قابل اہل الرائے نے ثابت کیا ہے اس مجموعہ اور بعض اُن یوروپین اقوام کے قوانین دیوانی میں بہت سے ضروری امور ایک دوسرے سے زیادہ ملتے جلتے ہیں جنکا مبداء قوانین قانون روما ہے - ترکی ضابطہ دیوانی کا کچھ حصہ تو فرانسیسی طرز کا ہے اور باقی اُس رسم و رواج پر مبنی ہے جو ترکی کی قدیم عدالتوں میں پایا جاتا تھا - قانون اراضی کی بنا بھی اسلامی قانون متعلق جایداد کے اصولوں پر ہے اور اُن مقررہ نظائر پر جو سلطنت عثمانیہ میں موجود ہیں - اس قانون سے اُن یوروپین اشخاص کو بہت زیادہ تعلق ہے جو کہ ترکی میں بود و باش کرتے ہیں اس لیئے کہ گو دیوانی و فوجداری مقدمات میں اُنہیں خاص حقوق حاصل ہیں تاہم دربارۂ قانون

اراضی وہ مطلقاً عدالتہائے عثمانی کے احاطۂ اختیار میں ہیں۔ اسکا سبب یہ ہے کہ جبکہ دولِ عظام کے سفیروں نے بابعالی سے کہا کہ حکومت عثمانیہ میں اُن کی رعایا کو بھی اراضی حاصل کرنے کے حقوق دے جائیں تو بابعالی نے جواب میں اس امر پہ اصرار کیا کہ اُن سلطنتوں کو جو خاص حقوق اپنی رعایا کے متعلق بذریعہ عہدنامجات حاصل تھے اُن سے دست بردار ہوں اور اپنی رعایا کو ترکی عدالتوں کی حدِ سماعت میں داخل ہونے دیں جہاں تک کہ حصولِ اراضی و مقدمات متعلقہ سے تعلق ہو۔ قانون و ضابطہ فوجداری۔ عدالتوں کی ترکیب و ساخت کا دستور العمل اور قانون تجارت تقریباً پورے پورے فرانسیسی قانون کی نقل ہیں۔ قانون متعلق بہ اہل تجارت کچھ تو فرانسیسی اور کسیقدر ہالینڈ کے قوانین سے نقل کیا گیا ہے۔ بہت سے مختلف قواعد عہدنامۂ پیرس[۵۱] کے وقت سے بعض یوروپین سلطنتوں اور علی الخصوص فرانس کے سرکاری ضوابط سے اخذ کئے گئے ہیں۔ بہت سی صورتوں میں اُن کے اختیار کرنے میں مقامی ضرورتوں کا بہت زیادہ لحاظ نہیں کیا گیا ہے۔ اس قسم کے وہ قانونی اور انتظامی ضوابط جو جلدی میں اختیار کر لیئے گئے ہیں اور اقل درجہ مناسب ہیں اُنکی ذمہ داری اُس دباؤ پر ہے جو کہ دولِ عظام بابعالی پر وقتاً فوقتاً اجرائے اصلاحات کے لیئے ڈالتی رہی ہیں۔

متصرحۂ بالا تفصیل سے سلطنت عثمانیہ کے موجودہ آئین و قوانین کا کسیقدر اندازہ ہوسکے گا۔ اگر انہیں دریافت کرنے کے لیئے آپ بہتر سے بہتر یوروپین کتاب اس

[۵۱] یہ عہدنامہ مارچ ۱۸۵۶ء میں جنگ کریمیہ کے بعد۔ مابین انگلستان۔ فرانس۔ روس وٹرکی تحریر ہوا تھا۔ محمد حسن خاں

مضموں کی کھول کر دیکھیں تو کسی میں تو یہ مفید فقرہ معلومات پائیں گے :۔

"قران شریف وہ قانونی اور علم الٰہیات کا مجموعہ ہے جس پر کہ سلطنت کے تمام ضروری قوانین مبنی ہیں" اور دوسری میں مفصلہ ذیل تشریح کُن عبارت ہوگی :۔

"سلطنت کے ضروری قوانین کی بنا احکام قرآنی پر ہے۔ بعد قرآن شریف کے قوانین ملتقی ہیں" مجھے مطلق شک نہیں ہے کہ یہ آخری فقرہ واقفیت پادری میک کول کی لاابعی تحریرات سے جو ترکی معاملات کے متعلق ہیں لیا گیا ہے۔ میں نے اکثر اُن انگریزوں سے جن سے مجھ سے ملاقات ہے اُن غلط خیالات کا ذکر کیا ہے جو کہ "مشرقِ قریب" یعنی ٹرکی کی نسبت انگلستان میں رائج ہیں جو جوابات اور وجوہ مجھ سے بیاں کئے گئے وہ ہمیشہ ایک ہی تھے یعنی یہ کہ فی زمانہ انگریزوں کو ترکی معاملات سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ انگریزوں کی یہی بے اتفاقی وہ خاص سبب ہے جس سے برطانیہ عظمی کا جاہ و جلال لازمی طور پر لوانٹ (بحر روم کے مشرقی ساحل کی آبادی) سے نابید ہو جائیگا۔ جس قسم کی کتابوں سے کہ میں نے اوپر چند سطروں کا اقتباس کیا ہے اُن کے مولفوں یا مصنفوں کی یہی یہی رائے ہے کہ اب انگریز سلطنت عثمانیہ کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ لہذا میرے نزدیک بجائے اسکے کہ اپنی کتابوں کے صفحے مضحکہ انگیز غلط بیانیوں سے رنگیں اُن کے لئے بہتر صلاح یہ ہوگی کہ وہ ٹرکی کے متعلق مطلق خامہ فرسائی نہ کریں۔

ٹرکی کی قانونی عدالتیں دو بڑی قسموں میں تقسیم ہو سکتی ہیں ایک قدیم دوسری نئی اصلاح کردہ عدالتیں۔ عدالتہا سے قدیم شیخ الاسلام سے تعلق رکھتی ہیں اور نصف مذہبی پیرایہ کی ہیں۔ آجکل اُن کا عمل درآمد صرف چند معاملات تک محدود ہے

مثل تصفیہ مقدمات وراثت وطلاق - تصدیق نکاح اور اس قسم کے مقدمات کی نگرانی جو مسلمانوں میں پیش آئیں - اس قسم کے مقدمات جو مابین عیسائیوں کے واقع ہوں وہ ہر عیسائی فرقہ کے مذہبی پیشوا کے سپرد کئے جاتے ہیں -

سوائے اُن عدالتوں کے جو کہ کونسل آف اسٹیٹ کے پریزیڈنٹ کے متعلق ہیں اور جہاں کہ اُن تمام ملکی ملازموں کے مقدمات فیصل کئے جاتے ہیں جو اس قسم کے جرائم کے مرتکب ہوں جو محض اُنکی سرکاری خدمات سے تعلق رکھتے ہیں کل جدید اصلاح کردہ عدالتیں محکمہ وزیر عدالت کا ایک جزو ہیں - اس محکمہ کے دوسرے دفتروں کی طرح صدر کچہریاں اُن بڑی عمارتوں میں قائم ہیں جو سینٹ صوفیہ کے مقابل اور قدیم محل سرا کے دروازہ کے ٹھیک باہر واقع ہیں - فوجداری و دیوانی عدالتیں تین درجہ کی ہیں اوّلاً ابتدائی - دوم اپیل وسوم مرافع - یہیں تجارتی مقدمات کی بھی دو کچہریاں ہیں جنہیں سے ایک تجارت بحری کے معاملات کے لیئے ہے اور دوسری میں دیگر امور و مقدمات تجارت طے ہوتے ہیں - عدالت آخر الذکر کا ایک حصہ مخلوط الوضع ہے یعنی اُسکے ممبروں میں غیر اقوام کے اشخاص بھی شامل ہیں جنہیں سلطنت عثمانیہ مقرر نہیں کرتی ہے بلکہ غیر ملک کے لوگ اُنہیں نامزد کرتے ہیں - اس حصہ میں وہ تجارتی تنازعات پیش ہوتے ہیں جو مابین رعایائے ترکی و دیگر خارجی اشخاص کے واقع ہوں -

قدیم نیم مذہبی طرز کی عدالتوں میں اُس وقت سے جبکہ وہاں ہر قسم کے مقدمات تجویز ہوا کرتے تھے تا ایندم مثل انگریزی کچہریوں کی صرف ایک جج اجلاس کرتا اور مقدمات فیصل کرتا ہے - لیکن ہر نئی اصلاح کردہ عدالت میں علاوہ چیف جج

کے چند ڈپٹی جج بھی مقرر ہیں دوسرے الفاظ میں ایک پریزیڈنٹ اور باقی ممبر ہوتے ہیں - پرانے سادہ طریقہ پر خلافِ انصاف تجویزِ مقدمات کا جو الزام لگایا جاتا تھا اُس کے انسداد کے لیئے یہ نیا طریقہ مفید ثابت نہیں ہوا - تجربہ سے پایا جاتا ہے کہ بوجہ اِسکے کہ ٹرکی کی آبادی کثرت سے مختلف[۵] اقوام کے لوگوں کا مجموعہ ہے بمتعدد ججوں کا وجود جو مختلف الاقوام و مختلف المذاہب ہوں بہ نسبت صرف ایک جج کے اور بھی زیادہ بددیانتی و پاسداری کا باعث ہوتا ہے -

[۵] دنیا میں شاید کوئی ملک ایسا نہیں ہے جسمیں اتنی مختلف قومیں آباد ہوں جتنی کہ ٹرکی میں - علاوہ یہودیوں تاتاریوں اور سرکیشین لوگوں کی اُن جماعتوں کے جو وقتاً فوقتاً اپنے اپنے وطن چھوڑ کر وہاں صلح اور آشتی کے ساتھ آباد ہوئیں - اِسکے ساحلوں اور سرحدوں نیز بیشمار صدیوں کے عرصہ میں مشرق و مغرب شمال و جنوب کی جانب سے حملوں کی متواتر لہروں نے فاتحانِ اقوام غیر کے کثیر گروہ جمع کر دیئے جنکو کہ پھر اُنکے بعد کے حملہ آوروں نے مغلوب کیا - یہی وجہ ہے کہ آج ٹرکی میں ایکدوسرے کے برابر برابر مختلف درجہ کی موافقت یا مخالفت کے ساتھ ایک درجن مختلف اقوام مثل کرد - سیرکیشین البینین - یونانی - ارمنی - اہل بلغاریہ وغیرہ کے آباد ہیں جنہیں کہ سب سے اخیر میں بنی عثمانیہ نے فتح کیا - ابتدا جسے کہ ایک مدت مدید ہوئی یعنی تیرہویں صدی عیسوی میں یہ ترک وسط ایشیا کے تقریباً پندرہ سو خانہ بدوش جنگجو خاندان تھے - لیکن گذشتہ پانچ سو سال سے بے حد و قتوں کے مقابلہ میں اِنہوں نے ملک کی تمام مختلف قوموں کو ایک پیوستہ حکومت کے حلقہ میں یکجا رکھا ہے - ان قوموں اور نیز بہت سی دیگر قوموں کے نمونے روز قسطنطنیہ اور بحر روم کی بڑی بندرگاہوں میں دکھائی دیتے ہیں - صوبجات کے ہر قابل لحاظ شہر میں کم از کم چھ قسم کے لوگ پائے جائیں گے حتی کہ گانوں میں بھی ایسے خاندان ملینگے جو دو یا تین مختلف اقوام کے ہوں (لوسی گارنٹ) -

جسوقت کہ میں اپنے آخری امتحان کی تیاری کر رہا تھا ٹھیک اُسی زمانہ میں میرے کالج کے ناظم نے مجھے اطلاع دی کہ محکمہ جنگ سے اس مضمون کا ایک مراسلہ آیا ہے کہ تمہارا نام اُن اشخاص کی فہرست میں داخل کیا گیا جو کہ اس سال جبراً فوج میں بھرتی کئے جائینگے۔ اس خبر نے مجھے نہایت مضطرب کر دیا اس لئے کہ میں نے فی الحال ہی ایک نیا پیشہ اختیار کرنیکا تصفیہ کیا تھا اور مدرسہ چھوڑ دیا تھا۔ طلبا سے مدارس امتحان عربی و نیز دیگر مضامین کا امتحان جو اُس زبان میں سکھائے جاتے ہیں پاس کرنے کے بعد ملازمت فوجی سے بری ہو جاتے ہیں۔ گو ہمارا کالج بھی ایک سرکاری درسگاہ تھا جسکے طلبا بھی بعض حالتوں میں فوجی خدمت سے بری تھے لیکن حال ہی میں اس قسم کی برات کی منظوری ہوئی تھی اور اسلئے فوجی حکام اس سے زیادہ واقف نہ تھے۔ اور جو واقف بھی تھے تو اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے چونکہ وہ لوگ از حد مشتاق ہیں کہ ہر شخص پر سختی کے ساتھ جبراً فوج میں داخل کرنیکا قاعدہ نافذ کیا جائے۔ اس امر پر وہ کسی سے بحث نہیں کرتے اور تمام دلائل کو فوجی اکھڑ پنے سے طے کر دیتے ہیں۔ قسطنطنیہ کے محکمہ حربیہ کے فوجی حکام اور اپنے وطن اناطولیہ کے افسران ڈویژن کے ذریعہ سے فوجی ملازمت سے اپنی برات حاصل کرنے میں کئی مہینے صرف ہو گئے اور اس جھگڑے کی وجہ سے میرے کالج کے آخری اور سخت ترین امتحان میں نہایت ہی ہرج واقعہ ہوا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے صرف دوسری قسم کی سند پر اکتفا کرنا پڑا۔ فوجی ملازمت سے میں اس وجہ سے بچنا نہیں چاہتا تھا کہ مجھے سپاہیانہ زندگی سے کسی قسم کا خوف تھا اسلئے کہ ترکوں میں جو کچھ عیوب ہوں لیکن اُن میں بزدلی کو مطلق دخل نہیں ہے۔ برخلاف اسکے جبکہ پہلی مرتبہ میں قسطنطنیہ

آیا تو میری یہی خواہش تھی کہ کسی فوجی مدرسہ میں داخل ہو کر ایسی تربیت و تعلیم حاصل کروں کہ آیندہ بطور فوجی افسر کے ملازمت حاصل کرسکوں لیکن میرے چچا صاحب نے اسکا کچھ لحاظ نہ کیا اور مجھے مذہبی مدرسہ میں بھیج دیا اب کئی سال بعد جبراً فوج میں عنقریب بحیثیت سپاہی کے بھیجے جانے سے میری تمام امیدیں جو اپنے اُس نئے پیشہ کے متعلق تھیں جسے کہ میں نے اپنے لئے تجویز کیا تھا بالکل برباد ہو جاتیں اور فوج میں سپاہی کے عہدہ سے اعلیٰ درجہ پر ترقی پانے کی بہت ہی کم امید ہے۔

ٹرکی میں جبراً فوج میں داخل کرنے کے جو طریقے ہیں وہ دوسرے فوجی ملکوں سے مختلف ہیں۔ گو سلطنت عثمانیہ میں فوجی ملازمت لازمی ہے تاہم بالعموم تمام رعایا کو جبراً فوج میں بھرتی نہیں کرتے یعنی قسطنطنیہ کے باشندے جو خاص طور پر اس سے بری ہیں اور تمام سرحدی اضلاع کے باشندے مثل اہل البانیہ و کرد و عرب کے فرقوں کے فوجی ملازمت کے لیئے مجبور نہیں کئے جاتے۔ علاوہ بریں ارمنی و یونانی اور ملک کے وہ اشخاص جو مسلمان نہیں ہیں کلیتہً بری ہیں اور بجائے اس قسم کی ملازمت کے اِن میں سے ہر مرد سالانہ ٹکس برارت ادا کرتا ہے جو کہ اگر میں غلطی نہیں کرتا ہوں پانچ یا چھہ شلنگ (ہندوستان میں آج کل ایک شلنگ بارہ آنہ کے برابر ہے) سے زیادہ نہیں ہوتا۔ بہت سے عیسائی باشندے ناقابل اعتبار ہوشیاری اور چالاکی اس ٹکس کی ادائیگی سے بچنے کے لیئے عمل میں لاتے ہیں اور عرب کے سب متواتر اُسکی شدید گرانباری کی شکایت کیا کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنے یوروپین ہمدردوں کے پاس اسکے شاکی رہتے ہیں اور یہ ایک امر واقعی ہے کہ بعض رحمدل

انگریزی مدبر وقتاً فوقتاً (بقول اُنکے) مظلوم عیسائیوں کی اس شکایت کے بارہ میں
وکالت کیا کرتے ہیں اور اِسے اُن کثیر التعداد بے انصافیوں مین شمار کرتے ہیں
جوکہ اُن کے نزدیک ترکوں کی جانب سے عیسائی رعایا کے ساتھ عمل میں لائی جاتی
ہیں اپنے اس فعل کی نہایت استواری وزور شور سے اخباروں میں اور لکچروں کے
ذریعہ سے انسانی ہمدردی اور نصرانیت کا نام لیکر تائید کرتے ہیں - بعض وقت
آپ ٹرکی کی عیسائی رعایا سے یہ شکایت سنینگے کہ اُنکے ساتھ یکساں سلوک
نہیں کیا جاتا اسلئے کہ عیسائی فوج میں داخل نہیں کئے جاتے - لیکن یہ آسانی سے
سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ نیم دلی کی شکایت محض شکایت ہی کی غرض سے کی جاتی ہے
اسلئے کہ یہ لوگ درحقیقت اِس برارت کے لئے نہایت شکرگزار ہیں چونکہ وہ جانتے
ہیں کہ فوجی ملازمت کی حالت میں اپنے وطن سے سالہا سال تک غیر حاضر رہنے
سے کس قدر تکلیفیں مصیبت اور اہم نقصانات ہوتے ہیں اور اس سے بھی
وہ ناواقف نہیں ہیں کہ وہ فرقہ جس کے لوگ جبراً فوجی ملازمت پر مجبور کئے جاتے ہیں
اُسکے ممبروں کی تعداد غالباً کم ہوتی جاتی ہے - میں نام کے اُن روشن خیالات اشخاص
میں نہیں ہوں جو ترقی یافتہ ترک کہلاتے ہیں اور ان مشرقی عیسائیوں کے ترکی فوج
میں داخل ہونے کے موید ہیں لوگ اگر چاہیں تو مجھے مذہبی متعصب یا حرارت
دینی رکھنے والا کہیں لیکن جہانتک میری قوم کی بہتری متصور ہے مجھے اس خطاب پانے
کی کوئی پروا نہیں - اگر مشرقی عیسائی فوج میں داخل کئے جائیں تو جو وفا شعاری -
اعلیٰ ترین اطاعت - جان نثارانہ خدمت اور بیباکانہ ہنر آزمائی کا مادہ جس سے
کہ ہماری فوج متصف ہے اُسکا کیا حشر ہوگا - ہمارے ملک کے اُن عالی حوصلہ اولوالعزم

دشمنوں میں جنکی نیت مقبوضات میں لگی رہتی ہے ہمیشہ ترکی فوج نے خوف و دہشت
پیدا کی ہے ورنہ اگر ترکی فوج ایسی نہ ہوتی توجسقدر سلطنت کہ باقی ہے وہ بھی کبھی
کی تقسیم ہوگئی ہوتی - وہ ایک ایسی قوم کو ایک مہینہ کے عرصہ میں شکست [۵۱] دیچکی
ہے جسکے اسی ہزار تعلیم یافتہ سپاہی میدان جنگ میں موجود تھے اور جسے
یورپ کے تمام حصوں سے اخلاقی و دیگر امداد ملی تھی - میدان جنگ میں یہ اُسکا
بہادرانہ انداز ہی تھا جسے دیکھکر ایک جنگ آزمودہ جرمن اُچھل پڑا اور نہایت گرمجوشی سے
پکار اُٹھا وہ کیسی عمدہ فوج ہے!" اور ایک انگریز نامہ نگار کہنے لگا" اگر سکندر اعظم قبر سے اُٹھ آئے
تو ترکی فوج کے ذریعہ سے تمام دنیا فتح کریگا" اسی فوج نے وہ کار نمایاں کیا
ہو کہ محاربہ پلوناک کے نام سے مشہور ہے - ہمارے زمانہ کی سب سے بڑی فاتح
قوم سے تقریباً ایک سال تک بلا ساتھیوں یا مددگاروں کے نبرد آزمائی کی اور
اگر ملک کی از حد نقصان رسان بدانتظامی شامل حال نہ ہوتی تو غالباً پچیس سال پیشتر
روسی حملہ آوروں کو دریائے ڈانیوب کے اُس پار پیچھے ہٹا دیا ہوتا اس اندیشہ کی
تائید و تصدیق کہ اگر یونانی ارمنی اور شام کے غیر اسلامی باشندے فوج میں
داخل کئے جائیں تو کیا نتیجہ ہوگا اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ اگر مثلاً روس سے
جنگ عظیم واقع ہوئی تو ان لوگوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا - یہ ضرور ہے کہ روسی
فوج میں بھی ایک بڑی تعداد مسلمان سپاہیوں کی ہے اور اخیر جنگ روم و روس
میں یہ لوگ نہایت دلیرانہ طور پر ہمارے مقابلہ میں لڑے لیکن فرق یہ ہے کہ اگر یہ
مسلمان روسی گورمنٹ کی بدخواہی کریں تو روس اُنہیں سخت سزا دیگا برخلاف اسکے

---

[۵۱] جنگ ترکی و یونان ۱۸۹۷ء کی طرف اشارہ ہے - محمد حسن خاں

سلطنت عثمانیہ ان مشرقی عیسائیونکو اُسی جرم کے لیئے سزا نہ دیسکیگی کیونکہ اہل یورپ اُس سزا کو فوراً ظلم و تعدی سے تعبیر کرینگے اور عیسائیوں کی طرف سے مداخلت کرینگے - ان مشرقی عیسائیوں کے اصلی خیالات سے ہم بخوبی واقف ہیں اور کچھ ہی رعایت اُن کے ساتھ کیوں نہ کیجائے یہ ناممکن ہے کہ اُنکے دلونمیں سلطنت عثمانیہ کے لئے عام طور پر دردمندی اور خیر خواہی کا خیال پیدا ہو - جو لوگ اُنکے فوج میں داخل ہونے کی وکالت کرتے ہیں وہ علاوہ دیگر امور کے یہ بھی کہتے ہیں کہ ہماری جانب سے لڑنے والوں کی تعداد زیادہ ہوجائیگی لیکن آجکل فوج عثمانی بوقت ضرورت دس لاکھ سے زیادہ موجود ہے اور کوئی دشمن ہو اُسکی مدافعت کے لئے اتنی فوج پورے طور پر کافی ہوگی - دوسری دلیل جو ترکی کی عیسائی رعایا کے فوج میں داخل ہونے کے لئے بیان کیجاتی ہے یہ ہے کہ چونکہ یہ لوگ فوجی ملازمت سے برارت کی وجہ سے مکان پر رہتے ہیں اور بلا کسی قسم کی روک ٹوک کے اپنا کاروبار کرتے ہیں اور اپنے اہل وعیال کی فلاحت و بہبودی کی متواتر نگرانی کرتے رہتے ہیں اُن کی تعداد اسیوجہ سے برابر بڑھتی رہتی ہے - یہ بالکل سچ ہے کہ اس قسم کی مجبورانہ فوجی ملازمت کا ترکی قوم پر خوفناک اثر ہورہا ہے ہر شخص اپنی عمر کے بیسویں سال سے چالیسویں برس تک جب کبھی وہ طلب کیا جائے لڑنے کا ذمہ دار ہے اور اسلئے ہمیشہ اُسکے مارے جلنے کا بھی خوف ہے - جب کبھی وہ لڑائی کے لیئے طلب کیا جاتا ہے تو اُسکا کاروبار بالکل بند ہوجاتا ہے اور اُسکے غریب اہل و عیال کا کوئی مددگار نہیں رہتا - لیکن یہ دقتیں بھی رفع ہوجائینگی اگر عام انتظام سلطنت میں ترقی ہوجائے -

باب ششم

ٹرکی کے داخلی خطرات

گذشتہ باب میں ٹرکی کے قوانین و قواعد کا میں نے مختصر بیان کیا ہے اور اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ ارمنی و دیگر غیر اسلامی باشندگان ٹرکی محکمیات قانونی میں داخل کئے جاتے ہیں۔ اس باب میں اس امر کی نسبت میں کچھہ کہونگا کہ سلطنتہاے خارجیہ کی رعایا کا تعلق قوانین عثمانیہ کیساتھ کس قسم کا ہے اور نیز یہ کہ ملک کی غیر اسلامی آبادی کے خیالات سلطنت عثمانیہ کی نسبت کیسے ہیں

امر واقعی یہ ہے کہ غیر ملک کے اشخاص کو جو ٹرکی رعایا نہیں ہیں نہایت عجیب و غریب خاص قسم کے حقوق ٹرکی میں حاصل ہیں جو کہ کیپیٹولیشنز کہلاتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کی آبادی کا ہر خطہ خاص طور پر اسطرح علیحدہ ہے کہ گویا ایک حکومت کے اندر دوسری مختصر جداگانہ حکومت موجود ہو اور یہ حالت قسطنطنیہ میں بہ نسبت ترکی عملداری کے دیگر شہروں کے زیادہ آشکارا ہے۔ ہر خارجی شخص کو عام ترکی حقوق سے زیادہ ایسے حقوق حاصل ہیں جو کہ دوسرے ملکوں میں صرف سفراے دول خارجیہ کو دے جا سکتے ہیں۔ کسی غیر ملک کا باشندہ خواہ کسی جرم کا مرتکب ہو گورنمنٹ عثمانیہ کے احکام کے تابع نہیں ہے۔ اس قسم کے حقوق جو صدیوں پہلے

سلاطین عثمانیہ نے سیاحانِ یورپ کو عطا کئے تھے وہ درحقیقت افعالِ مہمان
نوازی و تواضع تھے۔ لیکن زمانۂ حال میں اُن لوگوں نے جنہیں کہ وہ عطا کئے گئے
تھے اُن کا بُرا استعمال کیا۔ اس موقع پر میں ان حقوق کو بالتفصیل بیان کرنا نہیں
چاہتا جنکی وجہ سے مدبران عثمانیہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں جنکے باعث سے
لاعلاج دشواریاں کامل طور پر پابندی قوانین کے بارہ میں پیدا ہوئی ہیں اور جو کہ اصلاح
و ترقی کی راہ اختیار کرتے ہیں بُری طرح مانع ہوتے ہیں۔ ایک وقت یہ درحقیقت
ممکن تھا کہ باب عالی اگر کلیتہً نہیں تو جزوی طور پر ان حقوق سے جو کہ واقعی قانون
بین الاقوام کے مطابق نہیں ہیں سبکدوش ہوجاتا اور بعض خیر خواہ طاقتیں علی الخصوص
برطانیہ عظمیٰ اس امر کی طرف اچھی نگاہ سے دیکھتی معلوم ہوتی تہیں کہ ان حقوق میں
کسیقدر ترمیم کرنے کے متعلق گفتگو کی جائے۔ بلکہ بعض رعایتیں بھی باب عالی
کے ساتھ اُن احکام سزا کے نفاذ کے بارہ میں کی گئیں جو غیر ملک کے لوگوں پر جاری
کئے جائیں اور یہ ترمیمات اب بھی کامیابی کے ساتھ عمل میں لائی جاسکتی ہیں اگر
ٹرکی سچے طور پر درستی انتظام ملکی شروع کردے[۵۱] اور وہ عملی اصلاحیں جاری کرے
جنکی کہ درحقیقت ضرورت ہو اور پھر دول عظام کی حق شناسی و انصاف پسندی کے
روبرو اپیل کرے کہ وہ اپنی رعایا کے حقوق متذکرہ بالا سے پورے طور پر مستفید
ہونے کے لئے اصرار نکریں۔ تخمیناً تیس سال کے ہوئے کہ مدبران باب عالی
کا پختہ ارادہ تہا کہ یہ کار عظیم انجام پاجائے لیکن آجکل ٹرکی کے غیر ملک کے باشندے

۵۱ بشرطیکہ یورپ کی بعض متعصب سلطنتیں اُسے چین سے بیٹھنے دیں اور آئے دن بیجا
مداخلت ملک کے اندرونی معاملات میں نکیا کریں۔ محمد حسن خاں

قدرتی طور پر اور زیادہ سختی کے ساتھ اپنے حقوق پر جھگئے ہیں اور ان پُرانے حقوق سے تازہ حقوق پیدا ہوئے ہیں جو کسیطرح شرائط معاہدات قدیم پر مبنی نہیں ہیں یہی سبب ہے کہ اسوقت قسطنطنیہ میں آپ یہ نہایت ہی عجیب و غریب بیضابطگی دیکھیں گے کہ حکومت کے بہت سے مرکز موجود ہیں جو مطلقاً ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں اور سب کے سب بابعالی کے اثر سے بالکل بری ہیں۔

دول خارجیہ ترکی مدبروں کو ہمیشہ اپنی رعایا کے لئے تازہ خاص حقوق مانگ مانگ کر ہی مجبور نہیں کرتیں بلکہ اُن میں سے بعض رعایائے عثمانی میں سے مشرقی عیسائیوں کی طرفداری بھی انسانی ہمدردی کا نام لیکر کرتی ہیں۔ لیکن اُنکا اصلی منشا اس سے یہ ہوتا ہے کہ انہیں اس ذریعہ سے اپنے پولیٹیکل منصوبوں اور تجاویز کے لئے ایک سہارا ملجائے۔ غرضکہ اس طریقہ سے ٹرکی کی یہ عیسائی رعایا جسکی قومی خصوصیتیں اُن انگریزوں نے بوضاحت بیان کی ہیں جنہوں نے لوانٹ میں سیاحت کی ہے سلطنت عثمانیہ کے قیام کے لئے داخلی خطرۂ عظیم ہے۔ ترکی رعایا میں مختلف جداگانہ اقوام شامل ہیں مثلاً یونانی۔ ارمنی۔ بلغاریہ کے لوگ۔ شام کے غیر اسلامی باشندے اور علی ہذا القیاس اسیطرح دوسرے لوگ بھی۔ ان بڑی جماعتوں میں ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ محلے۔ گرجے مدارس۔ قومی آرزوئیں اور آزاد ہونے کے خیالات ہیں۔ ہر ایک کی زبان علیحدہ ہے ہر دیسی عیسائی فرقہ آجکل کم و بیش علانیہ طور پر ترکوں کے ساتھ دشمنی کے خیالات دل میں رکھتا ہے اور اگر ٹرکی کو کسی قوم کے ساتھ مصیبت یا جنگ کا سامنا ہو تو دشمن کے ساتھ اظہار ہمدردی تک کرتا ہے مشرقی عیسائیوں کے اِن خیالات سے انگلستان کے بہت سے مدبر بھی

واقف ہیں اور اپنے "عیسائی بھائیوں" کے ملکی بدخواہی کے خیالات کو یہ کہکر قابل معافی سمجھتے ہیں کہ وہ زمانہ دراز کے ظلم و تعدی کا قدرتی نتیجہ ہیں۔ یہ عذرخواہی کی بحث "مشرق قریب" کے اصلی حالات کی پوری پوری واقفیت پر مبنی نہیں ہے اور نہ یہ مطلق قابل پذیرائی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ سلطنت عثمانیہ مدت دراز سے ناقابل برداشت جور و سختی میں مبتلا ہے لیکن اُسکے عیسائی باشندے ہی صرف اس مصیبت میں نہیں رہے بلکہ اُن میں سے بہت سے دوسروں پر ظلم کا باعث ہوئے حتی کہ ظلم کرنے والوں کے دست راست بنے۔ اگر قرار واقعی کبھی بھی خاص دیسی عیسائیوں پر جور و ستم کیا گیا ہوتا تو اسوقت ٹرکی میں بہت زیادہ ارمنی یا یونانی زندہ نہ رہے ہوتے۔ گذشتہ صدیوں میں وہ کلیۃً ترکوں کے بس میں تھے کوئی یورپین طاقت اور کوئی اتفاق دول اُسوقت اسقدر قوی نہ تھا کہ سلطنت عثمانیہ کی غیر اسلامی رعایا کو جبراً مسلمان بنانے یا صفحہ ہستی سے مٹانے سے روک سکتا۔ ترکوں کی آزادانہ و نرمی کی پالسی کا جو کہ وہ اپنی رعایا کے ساتھ برتتے ہیں اس سے بہتر ثبوت نہیں ہوسکتا کہ آج اُس ملک میں تمام فرقوں کے عیسائی لاکھوں موجود ہیں۔ علاوہ بریں ان عیسائیوں کی صرف حفاظت جان ہی کی ذمہ داری نہیں کی گئی بلکہ اُنہیں آزادی وجدان بھی دیگئی ہے جو اس امر سے بخوبی ثابت ہے کہ اُن کے مذہبی قوانین و انتظامات اُنکی مختلف زبانوں اور قومی رسومات کا ترکوں نے لحاظ و پاس کیا ہے۔ لیکن ٹرکی کی رعایا نے اس آزادانہ برتاؤ کا بُرا استعمال کیا کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے اُسکی شکرگزاری ظاہر ہوتی اور نہ کبھی سلطنت عثمانیہ کے لئے اظہار دردمندی و خیرخواہی کیا۔ اگر ان لوگوں نے ایسا کیا ہوتا تو غالباً ٹرکی

اندرونی مخالفت و نفاق اور اُسکی وجہ سے جنگ و جدال شر و فساد اور اُس تباہی سے بچ جاتا جسکا کہ اُسے خوف لگا ہوا ہے۔ ترکی تاریخ سے ضرور روسیوں نے عقل سیکھی ہوگی اسلئے کہ وہ نہایت احتیاط سے اپنی مفتوحہ رعایا کے روسی بنانے میں اصرار کے ساتھ پیش آتے ہیں اور اصل روسی درخت پر ایسی شاخ کی قلم لگانا نہیں چاہتے جسکے آیندہ خاردار ہونیکا خوف ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ غیر قوم اور غیر مذہب کی رعایا کے ساتھ آزادانہ ونرمی کا برتاؤ جیسا کہ مسلمان عمل میں لاتے ہیں انسانی ہمدردی کے مدعیوں کی نظروں میں کیسا ہی اچھا کیوں نہ ہو ایک قوم کی آزادی کو معرض خطر میں ڈالنے کا یقینی ذریعہ ہے۔

جملہ غیر اسلامی اشخاص کی بہ نسبت جو کہ اُسکی رعایا ہیں ٹرکی کو ارمنی حصہ رعایا کی طرف[۵]

---

۵ ترکی کی اسلامی اور غیر اسلامی رعایا کے میل جول کے متعلق روسی گارنٹ صاحب لکھتی ہیں:-

"دار الخلافہ ازمیر نا اور سلونکا کے طرز معاشرت میں بعض ایسے امور ہیں جو ملک کے اندرونی شہروں میں نہیں پائے جاتے جہانکہ آبادی گو مخلوط ہے تاہم اتنے مختلف الاقوام لوگ وہاں نہیں ہیں اور معاشرتی حالات پر یوروپین اثر کم ہے۔ لیکن مذکورہ بالا بڑے شہروں میں بھی کم از کم جہانتک کہ زیادہ تر عام حصۂ آبادی سے تعلق ہے جو کچھہ فرق اس قسم کا ہے وہ خاصکر ترکی حصہ آبادی میں سطحی اور بیرونی ہے اور لازمی نہیں۔ اسلئے کہ جملہ متعدد فرقوں کے لوگ مسلمان عیسائی اور یہودی ان شہروں کے مختلف حصوں میں علیحدہ علیحدہ بود و باش کرتے ہیں اور تمام دن باہم کاروبار کرنے کے بعد غروب آفتاب کے وقت اپنی اپنی جداگانہ دنیا میں واپس جاتے ہیں جو ایکدوسرے سے بالکل مختلف اور زبان مذہب۔ روایات۔ قومی تمناؤں۔ اور رسم و رواج کی ناقابل گذار رکاوٹوں کی وجہ سے بالکل علیحدہ ہیں۔ ان فرقوں کے ایک نہایت ہی قلیل المقدار حصہ پر ان

سے اور اُسکے آزادی حاصل کرنے کی چالوں کے متعلق مشوش ہونے کا اعلیٰ ترین سبب ہے۔ ارمنی مفسدہ پردازوں کی یہ تمنا ہے کہ کسی قابل لحاظ حصہ ایشاے کوچک مین جو کہ سلطنت عثمانیہ کی جان ہے ایک آزاد حکومت قائم کی جاے لہذا مین چاہتا ہوں کہ اِس جگہہ ارمنی معاملات کی نسبت کچھہ تحریر کروں خاصکر اسلئے کہ گویہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۷۔ غیر ملکوں کے اشخاص کا کمترین اثر ہوتا ہے جن سے کہ روزانہ معاملہ پڑتا ہے مثلاً مسلمان مستورات اور لڑکیاں محض کبھی کبھی صرف خاص موقعونپر ٹریموے پر سوار ہوتی ہین لیکن ترکی خیالات کو نظر رکھکر گاڑیاں دو حصوں میں منقسم ہوتی ہیں زنانہ اور مردانہ اور عورتین مردون سے علیحدہ بیٹھتی ہیں۔ سمرنا اور سلونکا میں ترکوں کی آبادی بمقابلہ دوسری اقوام کے نسبتاً بہت کم ہے۔ لیکن قسطنطنیہ میں ترک کثرت سے موجود ہیں تقریباً کل استنبول اور باسفورس کی دونون جانب کے آس پاس کے بہت سے حصون مین آباد ہیں اور باوجود عام طور پر مختلف الاقوام آبادی کے دار الخلافہ میں کوئی شخص کبھی اس امر کو نظر انداز نہین کرسکتا کہ ترک فرمانروا ہیں اور قسطنطنیہ اسلامی دنیا کا دار السلطنت ہے۔

آج کل پولیٹیکل کشیدگی کی وجہ سے پیشتر کی بہ نسبت اور بھی کم ارتباط ترکون اور اُن کی عیسائی رعایا میں ہے۔ تجارتی اور میونسپل معاملات کی وجہ سے قدرتی طور پر تمام فرقوں کے افراد میں تعلقات پیدا ہوتے ہیں اور سرکاری حکام کے درمیان قومی تیوہاروں کے موقعوں پر تو ایک دوسرے کے ہان ملاقات کے لیے بھی آتے جاتے ہیں۔ لیکن ایسے موقعونپر مرد و زن ایک ساتھہ شریک نہیں ہوتے ہیں یعنی مرد مردون سے ملنے جاتے ہیں اور عورتیں عورتوں سے یونانی طبقہ کے لوگ بھی نہایت الگ تھلگ رہتے ہیں اور اُن کی مستورات ترکی زبان نہیں بولتیں۔ برخلاف اسکے ارمنی لوگ جنکے رسوم اور طرز خیالات

معاملات بالفعل نظر سے علیحدہ اور پس پشت معلوم ہوتے ہیں تاہم پولیٹکل مفتری اپنے اس کھیل کو کبھی نہ کبھی پھر عرصہ وجود میں لائینگے۔

جیسا کہ میں گذشتہ باب میں کہہ چکا ہوں پینتالیس طالب علموں میں سے جو قانونی تعلیم حاصل کرتے تھے تیرہ ارمنی تھے۔ اگر سلطنت عثمانیہ کی دیگر قوموں کا ارمنی قلیل التعدادی سے مقابلہ کیا جاوے تو پینتالیس میں تیرہ ارمنی طالب علموں کی نسبتاً بڑی تعداد ہے۔ اسمیں کلام نہیں کہ ارمنی نہایت محنتی لوگ ہیں اُنہوں نے مدرسۂ قانونی کے امتحان داخلہ میں اچھے نمبر حاصل کئے اور سررشتہ تعلیم نے کوئی خاص تعدادی حد مقرر نہ کی بلکہ جتنے طالب علم کامیاب ہوئے اُنہیں داخل کر لیا۔ لیکن مجھے شک ہے کہ اُنکی گذشتہ مفسدہ پردازیوں کے بعد اس قوم کے لوگوں کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۸۔ خصوصاً اندرونی حصہ ملک کے شہروں کے فرمانروا قوم کے ساتھ زیادہ ملتے جلتے ہیں عموماً ترکی زبان بولتے ہیں۔ درحقیقت ترکوں کو عیسائی باشندوں کی عورتوں سے ملنے کا کچھ مذاق نہیں گو استنبول کے اچھے درجہ کے مسلمان عموماً یوروپین لیڈیوں سے تعارف پیدا کرنے کا کوئی موقع فروگذاشت نہیں کرتے۔ قسطنطنیہ میں عیسائیوں کا ایک فرقہ جسمیں متلاشیان رعایات و ملازمان سفارت وغیرہ شامل ہیں اپنا کام نکالنے کے لئے ترکی حکام میں رسوخ حاصل کرنے اور اُنہیں خوش کرنے کی غرض سے اُن غیر ملک کی لیڈیوں سے حکام کی ملاقات کراتے ہیں جو کہ قسطنطنیہ میں رہتی ہوں یا بطور سیاحت وہاں آئی ہوں۔

اندرونی حصہ ملک کے شہروں میں ترکی اثر سب پر حاوی ہے اور غیر ترکی حصہ آبادی کے عادات و اطوار اور رسوم حتی کہ زبان پر بھی فرمانروا قوم نے بہت بڑا اثر کیا ہے۔"

محمد حسن خاں

ساتھ جملہ محکمجات عثمانیہ میں اس قسم کا منصفانہ برتاؤ عمل میں لایا گیا ہو - اور اگر ایسا نہ
بھی کیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے جبکہ اس امر پر غور کیا جائے کہ ان لوگوں نے
ترکی گورمنٹ اور اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا ہے -

ہاں انگلستان میں لوگوں نے ارمنیوں کے قتل کے بارہ میں بہت کچھ سنا تھا
اسمیں شک نہیں کہ یہ خونریزی نہایت نفرت انگیز تھی اور بلاشبہ بہت سے معصوم اشخاص
بھی مارے گئے - لیکن یہ محض معمولی انصاف کی بات ہے کہ اس سے پہلے
کہ ارمنیوں پر حملہ کرنے والوں کو مجرم و قصوروار قرار دیا جاوے اولاً یہ دریافت کرنے
کی کوشش کرنی چاہیئے کہ اس حملہ کے وجوہ کیا تھے - یہ ایک امر واقعی ہے
کہ پیشتر کبھی اس قسم کا ہنگامہ ارمنی لوگوں کے خلاف برپا نہیں کیا گیا اگر ایسا ہوا
ہوتا تو اسوقت سلطنت عثمانیہ میں بیس لاکھ ارمنی سکونت پذیر نہوتے - ارمنی قوم
میں ہمت اور اولوالعزمی ہے - یہ لوگ ہر جگہہ جا سکتے ہیں جہاں چاہیں بود و باش
اختیار کر سکتے ہیں اور کوئی حکومت ہو اسکی رعایا بن سکتے ہیں ان فتنہ پردازیوں
سے چند سال پیشتر بہت سے ارمنی جو دوسرے ملکوں کی رعایا میں سے تھے کبھی
بحیثیت واعظانِ مذہبی اور کبھی بصورت معلموں کے ترکی میں داخل ہوے اور
اپنے تئیں فرانسیسی انگریز اور امریکن بیان کرتے تھے - ان سربازوں نے
روسی رعایا کے مفسدہ پرداز ارمینوں سے ملکر جو کہ زیادہ تریں کوہ قاف سے
آئے تھے تمام ایشیائی مقبوضات ترکی میں اپنی قوم کو قومی آزادی کیلئے بغاوت کیواسطے بھڑکانا
شروع کیا - نئی نسل کے نوجوان ارمنیوں نے قومی حکومت کے بڑے بڑے
منصوبوں اور خیالات خام سے مدہوش ہوکر یہ امر نظر انداز کر دیا کہ مملکت عثمانیہ کے

کسی خاص حصہ میں اس قسم کی فرمانروائی قایم کرنا ناممکن ہے اور یہ بھی نہیں سمجھے کہ انکی قوم کے لوگ ہر جگہ بُری طرح تعداد میں کم تھے۔ ان کے انگریزی پولیٹیکل ہمدردوں کا بیان ہے کہ اُن کا اس قدر شور و غل صرف اس غرض سے تھا کہ اُن پر بہتر طریقہ سے حکومت کی جائے اور یہ غرض ہرگز نہ تھی کہ وہ آزاد ہو جائیں۔ لیکن یہ بالکل مہمل ہے اور محض پس اندیشی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ارمنیوں نے اپنی نئی آرزوں کو بلند آہنگی کے ساتھ یہ کہکر ظاہر کیا تھا کہ وہ مشرقی ایشیا کے کوچک میں آزاد حکومت کے خواہشمند تھے۔ ہر جگہ ہم اُن سے یہی سنتے تھے کہ عیسائی طاقتیں اور سب سے بڑھکر برطانیہ عظمیٰ رو بہ تنزل سلطنت عثمانیہ کے اس حصہ حکومت کو اُس سے لیکر ارمنیوں کو دیدیگا جسطرح کہ پہلے بھی عیسائی سلطنتوں نے دیگر حصص عثمانیہ دوسری مشرقی عیسائی قوموں کو حوالہ کر دیے تھے۔ وہ صرف اُس لحظہ کے منتظر تھے کہ ٹرکی کے تقسیم کرنے کا موقع آئے گا جسکی نسبت پیشگوئیاں کیجا چکی ہیں تاکہ ممالک منقسمہ کے اوس ٹکڑے میں جو اُن کے حصہ میں آئے اپنی آزادی قائم کریں۔ میں نے خود ارمنیوں کو آپس میں یہ گفتگو کرتے سنا ہے کہ اُن میں سے آیندہ کون کون اشخاص حکمران و فرمانروا ہونگے۔ ان سب واقعات کو دیکھکر ترکوں نے اپنے دل میں یہ سوال کرنے شروع کئے "یہ لوگ کیوں ہمارے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہیں جس صورت میں کہ ہم خود ملکی بدنظمی سے بہ نسبت اُن کے زیادہ مصیبت میں ہیں اور خاصکر جبکہ سرکاری برائیوں کا ایک حصہ خراب ارمنی[۵۱] افسروں کی وجہ سے ہے؟" ارمنیوں کی شورش روز بروز بدتر

[۵۱] سلطان کے بہت سے اعلیٰ افسر اور مخبر ارمنی قوم کے ہیں۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ ارمنی

ہوتی گئی اُنہوں نے وہی قدیم طرزِ عمل اختیار کیا یعنی یہ کہ ترکی باشندوں کو غصہ دلانے اور برانگیختہ کرنے کی کوشش کی تاکہ وہ اِن مفتریوں کا جواب ترکی بہ ترکی دینے پر آمادہ ہوں اور یہ امید کی کہ یورپ میں اِسے اسطرح بیان کیا جائیگا کہ اسلامی مذہبی جوش کا یہ اُبال ہے جسکی وجہ سے عیسائی طاقتیں دخل دینے پر آمادہ ہوجائینگی اور بہ ترکی مقبوضات کی تقسیم جلد ہوجائیگی۔ ترک بلکہ وسعت کلام کو راہ دیجاسے تو ترکی مقبوضات ایشیا کی کل مسلمان آبادی اہمیت اور سنجیدگی کے ساتھ اس امر پر گفتگو کررہی تھی کہ ارمنیوں کے اس قسم کے متکبرانہ وضرر رساں برتاو کا کیونکر انسداد کیا جاسے۔ ترکی مستورات اور بچے تمام ایشیاے کوچک میں معرضِ بدسلوکی وبیحرمتی میں تھے۔ ترکوں میں طاقتِ برداشت وصبر تقریباً لاانتہا ہے لیکن اگر اُنکے اہل وعیال پر حملہ کیا جاسے تو اُن کا غصہ بھڑک اٹھتا ہے اور دنیا میں کوئی شے اُسے نہیں روک سکتی ساتھ ہی اُنہوں نے دیکھا کہ دوسری قوم کے بھڑکانیوالوں اور باغیوں کو سزا دینے سے سلطان المعظم بالکل عاجز تھے۔ کیا انگلستان کے انسانی ہمدردی کے مدعی اِن باتوں سے واقف تھے؟ نہیں اسلئے کہ وہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۱۔ مفسدہ پردازوں نے صرف اُن ترکوں پر حملہ کیا جو سرکاری ملازم نہ تھے اور اُن حکام کو مطلق اُنہوں نے تکلیف ندی جو کہ سلطان المعظم کے گویا دست راست تھے اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ خونریزی ہوتا کہ اس ذریعہ سے خارجی مداخلت مدعو کی جاسے علاوہ بریں یہ ظاہر ہے کہ اسمیں اُنکا فائدہ تھا کہ ترکی حکام کی بدانتظامی قائم رہے کیونکہ اسکی وجہ سے اُنہیں زیادہ مناسب موقع اپنی کارروائی کے لیئے ملیگا اور اسکا تو ذکر ہی کیا کہ خارجی امداد یقینی طور پر ملیگی۔

کسی ایسی بات سے آگاہ ہونے کی پروا نہیں کرتے جوکہ ترکوں کے موافق ہو۔
کیا انگلستان کے پولیٹکل اخبارات نے اِن واقعات کا ذکر بھی کیا جنہیں ہمینے
بیان کیا ہے؟ درحقیقت نہیں اسلیئے کہ اگر صاف صاف کہا جائے تو بات یہ
تھی کہ اِن اخباروں کو علم تھا کہ اس ارمنی معاملہ میں خود اُن کے بعض مدبر بھی حصہ
لیتے تھے۔ ارمنی لوگوں کے قتل کے کچھ روز پیشتر ہیں نے بہت سے ترکوں کو
جو صدیوں سے اِن لوگوں کی ہمسائیگی ہیں زندگی بسر کرتے آئے تھے یہ کہتے
سُنا کہ کُردوں نے جو سلوک ارمنیوں کے ساتھ مشرقی ایشیا سے کوچک میں
کیا تھا اُسکی وجہ سے کُردوں سے ناراض ہونا غلطی تھی اور ارمنیوں کو دبانا مناسب
تھا۔ اِسکے بعد اُن کے خوفناک قتل کے سیاہ روز نظر آئے۔ ارمنی مفسدہ پردازوں
نے جوکہ کسی طرح ملک سے بیداغ بچکر نکل گئے اِس طریقہ سے مسلمانوں کو بہت
زیادہ بھڑکایا کہ بہت سے موقعوں پر گولے پھینکے جس سے مسلمانوں کی عورتیں
اور بچے ضائع ہوئے۔ اِسکے بعد مسلمانوں کو امید باقی نہ رہی کہ گورنمنٹ ترکی اِس
شورش کا خاتمہ کرنے اور زیادہ فساد کو روکنے کے لیئے کوئی کارروائی کریگی اور اِسلیئے
آخرش مجبور ہو کر اُنہوں نے قانون خود اپنے ہاتھ میں لیا اور ارمنی فتنہ پردازی کو
جیسا کہ ہم سب واقف ہیں فرو کر دیا۔

گو ارمنی جفاکش اور محنتی ہیں لیکن اپنی سابق سرسبزی کبھی دوبارہ حاصل
نہ کرسکیں گے۔ اُنہیں ہمیشہ ہر قسم کا موقعہ متمول ہونے کا حاصل رہا ہے۔ اُنہیں
سلطانی ملازمت میں بالا آخر عہدے اور اچھا رسوخ حاصل تھا جسکی وجہ سے وہ عملی
طور پر محاصل سلطنت کے امین و بخشی بنے ہوئے تھے۔ اُن کو ترقی و سرسبزی

کے مواقع ملنے کی ابتدا اُسی زمانہ سے ہوئی جبکہ طاقت عثمانیہ کی بنا ایشیاے کوچک میں قائم ہوئی۔ اُسوقت وہ ایک قوم کے محض منتشر باقیماندہ افراد تھے اور اُن کی پولیٹکل زندگی کا اُن کو فتح کرنیوالے خاتمہ کر چکے تھے۔ طاقت عثمانیہ نے گو اُنہیں پولیٹکل آزادی واپس ندی تاہم کم از کم شخصی سرسبزی حفاظت جان و مال اور نرمی کے برتاؤ کے فوائد کی ذمہ داری کی۔ ترک کیا کچھ ارمنیوں کے واسطے کرنے کے خواہاں رہے ہیں اسکے لیئے تمثیلاً میں اُن مذہبی مشکلات کا ذکر کرونگا جو گذشتہ صدی کے شروع میں پیش آئیں وہ وہ زمانہ تھا جبکہ یورپ میں مشنری تحریک کی ابتدا ہوئی تھی اور پراٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک دونوں فرقوں کے پادریوں نے بکثرت ترکی میں داخل ہو کر ارمنیوں کو عیسائی بنانا شروع کیا تھا اور اس میں بہ نسبت احتیاط کے جوش سے زیادہ کام لیا تھا۔ ارمنیوں کے مذہبی پیشواؤں نے گورمنٹ ترکی سے درخواست کی کہ اُن خارجی عیسائی پادریوں کو جو کہ اُسکی جماعت کو تکلیف دے رہے تھے ملک سے نکالدیا جاے جسکے جواب میں گورمنٹ نے فوراً بڑی قیود و پابندیاں عیسائی مشنریوں پر لگائیں حالانکہ ایسا کرنے سے یورپین دشمنی کا خطرہ تھا۔ اس بیان سے میں تبلیغ مذہب کے کام کے خلاف کچھ نہیں کہتا ہوں میں نے اس واقعہ کا ذکر صرف یہ دکھلانے کے لیئے کیا ہے کہ ترکوں نے ارمنیوں اور اُن کے مذہب کے ساتھ کیسا آزادانہ سلوک کیا ہے اور اُن پر باقاعدہ مذہبی جور و تعدی کا الزام لگانا کس قدر غلط ہے۔

لیکن مجھے شک ہے کہ مسلمان کبھی ارمنی رعایا کا ویسا ہی اعتبار کرینگے جیسا کہ بیشتر کرتے تھے فی الحال ہم اُتنے پھلتے پھولتے ارمنی باشندے ترکی گورمنٹ کے

اعلیٰ عہدوں پر سرفراز نہیں دیکھتے جتنے کہ پہلے دیکھتے تھے گو سرکاری طبقوں میں وہ اپنا پہلا سا رسوخ کسیقدر پھر حاصل کرتے جاتے ہیں۔ اس قوم کے لیے اس ناراضگی کا یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ اُسکے افراد کا سرکاری تعلیم گاہوں میں داخل ہونا غالباً بہت آسان نہ رہیگا۔

باب ہفتم

نئی پوشاک اور نیا ذریعہ معاش

مدرسہ قانونی کا جب میں آخری امتحان پاس کر چکا تو میں نے عدالتوں میں جانا شروع کیا تاکہ وہاں کی عملی کارروائی اور ضوابط سیکھوں۔ اس وقت تک میں علما کے لباس میں ہوکر محکمات و عدالتوں میں جایا کرتا تھا لیکن اب اس پوشاک سے مجھے نفرت ہونے لگی۔ درحقیقت کالج میں بھی میرے ہم جماعتوں میں سے چند اشخاص مدارس سے متعلق تھے اور وہی اس قسم کی نیم مذہبی پوشاک پہنتے تھے۔ اپنی جماعت کے بقیہ طلبا کے ساتھ جو کہ معمولی عام لباس استعمال کرتے تھے مقابلہ کرنے سے ہم پرانی فیشن کے لوگ معلوم ہوتے تھے۔ لہٰذا اپنے بہت سے دیگر ہم وطنوں کی طرح مجھے بھی یہ شوق دامنگیر ہوا کہ بالکل تازہ فیشن کا نظر آؤں اور جدید طرز کی پوشاک پہنوں یعنی سوائے ترکی ٹوپی کے تمام یوروپین لباس لیکن اس سے پہلے کہ میں ایسا کر سکتا یا یوں کہیئے کہ معمولی دنیادار بن سکتا مجھے

مدرسے کے طریقہ زندگی کو قطعاً خیر باد کہنا پڑا اسلئے کہ ان قدیم تعلیم گاہوں کے لوگ عامہ
عمامہ اور عبا کے ترک کرنے اور یوروپین لباس کے اختیار کرنے سے یہ مراد لیتے
ہیں کہ گویا فرقہ علما سے علیحدگی اختیار کرلی - جو شخص اس قسم کی ہمت کرتا ہے
اُسکا مدرسہ میں رہنے کا حق زائل ہوجاتا ہے - اسلئے مدرسہ سے علیحدہ ہوکر
میں بھی بے خانماں ہوگیا چونکہ ترکی خاندان اپنے مکانوں میں کسی اجنبی شخص کو
اسطریقہ پر نہیں رکھتے کہ وہ اُجرتاً کھانا کھا سکے اور ایک جوان مسلمان کے لئے
کسی یونانی یا ارمنی خاندان میں رہنا بہت سے وجوہ سے نامناسب تھا - پس
ایک سرائے میں دو کمرے میں نے کرایہ پر لیے - یہ سرائے ایسی ہی غلیظ تھی
جیسی کہ اس قسم کی قیامگاہیں ہمیشہ ہوا کرتی ہیں - اسکے بعد میں قسطنطنیہ کے اُس
حصہ کی طرف گیا جہاں کہ یوروپین آبادی ہے اور اُن بیشمار سلے ہوئے کپڑے
فروخت کرنے والوں کی ایک دوکان سے ایک جوڑا خرید کیا - یہ دوکاندار زیادہ تر
آسٹریا کے یہودی ہیں اور بنے بنائے کپڑے آسٹریا سے لاتے ہیں - اُنکا
مال ازحد ارزاں ہوتا ہے لیکن قطع اور سلائی اور کپڑا سب چیزیں بیحد خراب ہوتی
ہیں - قسطنطنیہ میں یہ ایک مثل مشہور ہے کہ اگر ان آسٹریا والوں کی دوکانوں سے
ایک جوڑا کپڑا پہنو تو اس سے پہلے کہ پل گولڈن ہارن پار ہوکر تم استنبول واپس آؤ
وہ جوڑا گھسکر پھٹ جائیگا - تعجب کی ایک بات یہ ہے کہ اُن میں سے بعض دوکاندار
یہ دھوکا دیتے ہیں کہ اُنکا اسباب انگریزی ساخت کا ہے اسلئے کہ ترکی میں بھی
اس قسم کا مال آسٹریا کے مال کی بہ نسبت بہتر سمجھا جاتا ہے -
مگر گو میری نئی پوشاک خراب تھی میں اُسے اچھی طرح قائل تھا اس سبب سے کہ یوروپین

اشخاص کی طرح لباس پہننے کا جنوں جو مجھے تھا اسکے پورا کرنے کے لئے گویا میں ایک قدم آگے بڑہا تھا - یہ امر واقعی ہے کہ بہت سے لوگ جو "مشرق قریب میں" اس قسم کی پوشش اختیار کرتے ہیں اُن اشخاص کو "مہذبانہ" عادات حاصل کرنے کے ناقابل سمجھتے ہیں جو کہ یہ لباس اختیار کرنا چاہیں - چندسال کا عرصہ ہوا کہ جب انگلستان میں ترکوں کے خلاف شور و غل ہو رہا تہا میں نے بعض ریڈیکل فرقہ کے اخبارات میں اس قسم کے بیانات دیکھے کہ جو مشرقی عیسائی ترکی حکومت سے آزاد کر دئے گئے تہے اُنہوں نے مہذبانہ طریقے اختیار کر لئے تہے برخلاف اسکے ترکوں میں ترقی اور تہذیب کا مادہ ہی نہیں معلوم ہوتا تہا - لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ یہ مشرقی عیسائی جو یوروپین وضع کے بن گئے ہیں ایشیاے کوچک کے پگڑی پوش دہقانوں سے زیادہ تہذیب یافتہ نہیں ہیں - مہذبانہ طریقوں اور عادات کی جو اُنہوں نے نقل اُتاری وہ محض سطحی ہے لیکن صورت و شکل میں وہ اپنے تئیں مثل یوروپین کے دکہلاتے ہیں اور دنیا کا قاعدہ ہے کہ زیادہ تر ین معاملات میں ظاہری شہادت پر فیصلہ دیا جاتا ہے - زیادہ زمانہ نہیں ہوا کہ اخبار اسپکٹیٹر میں ایک مضمون میری نظر سے گذرا جسمیں اس امر پر بحث کی گئی تہی کہ سیاہ قوموں میں مہذبانہ وضع اختیار کرنے کا مادہ ہی نہیں ہے اور تائید میں یہ نظیر پیش کی تھی کہ مدحت پاشا مرحوم کو بعض قسم کی یوروپین طرز کی پوشاک سے نفرت تہی خاصکر اُس سے جو کہ شام و شب کے جلسوں یا دعوتوں میں پہنی جاتی ہے اور ایوننگ ڈرس کہلاتی ہے - اس مضمون میں مجھے ایک نئی بات یہ معلوم ہوئی کہ مدحت پاشا اور اُن کی قوم سیاہ اقوام کے زمرہ میں داخل کی گئی تہی اور یہ بہی تعجب ہوا کہ اسپکٹیٹر کو یہ یاد نہ رہا

کہ بہت سے انگریز جو کامل طور پر مہذب عادات کے اور اعلیٰ تربیت یافتہ ہیں یوروپین لباس کی بعض بیڈھنگی وضعوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بہرحال زیادہ تر یوروپین اشخاص میں اسی قسم کا خیال تھا جس نے ہم میں اُن کی کم از کم ظاہرا وضع کی نقل اُتارنے کی خواہش پیدا کی تاکہ ہم پر بھی یہ الزام نہ لگایا جائے کہ ہم مہذبانہ طریقہ اختیار کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اگر ترکی گورنمنٹ پردہ نشین مستورات کو اُن اشخاص کے خیالات کے مطابق وحشیانہ نقابیں دور کرنے پر مجبور کرے اور نیز اس امر پر کہ وہ یورپ کی عورتوں کی طرح چلیں پھریں اور اس امر پر زور دے کہ اُسکی تمام رعایا یوروپین پوشش اختیار کرے حتیٰ کہ بجائے ترکی ٹوپی اور عمامہ کے یوروپین ٹوپیاں بھی استعمال کی جائیں تو ہمیں شک نہیں کہ اُسکا یہ فعل بہت سے لوگوں کے نزدیک ایسا سمجھا جائیگا کہ گویا ترکی کے مہذب بننے کی یہ قرار واقعی ابتدا تھی۔

سلطان محمود ثانی ینی چری فوج کے بیخ کن پہلے شخص تھے جنہوں نے تقریباً اسّی سال ہوئے کہ یورپ کے اس متعصبانہ خیال کو محسوس کیا۔ وہ جانتے تھے کہ مغربی یورپ کی اقوام کی لازوال و مستقل عداوت جو سلطنت عثمانیہ کے ساتھ تھی اُس کا باعث صرف یہ تھا کہ ترکی عیسائی سلطنت[۵۱] نہ تھی چونکہ وہ نصرانیت کی متعدد شکلوں میں

[۵۱] اس سلسلہ میں میں اس موقعہ پر ایک حکایت تحریر کرونگا جو ترکی میں بیان کی جاتی ہے گو یہ نہیں معلوم کہ صحیح ہے یا غلط۔ کہتے ہیں کہ گذشتہ زمانہ میں ایک ترکی مدبر اپنے ہم عصر پوپ سے ملنے کے لیے گیا۔ اثنائے گفتگو میں پوپ نے کہا "میں تمہاری قوم کی خوبیوں سے واقف ہوں تاہم تم عیسائیوں میں اسقدر بدنام ہو۔ بین الاقوام جو نزاع پیش آئی ہ یورپ ہمیشہ یہی

سے کوئی مذہب اختیار نہیں کر سکتے تھے انہوں نے خیال کیا کہ یورپ کی دشمنی کو (جسکا کم ہونا لازمی امر ہے اگر ترکی قائم رہنا چاہیے) وہ اس طریقہ سے کم کر سکیں گے کہ کم از کم ظاہر داری میں یورپ کی دیگر قوموں کی تقلید کی جائے۔ لہذا انہوں نے حکم دیا کہ تمام سرکاری ملازم یوروپین لباس اختیار کریں اور سب سے پہلے خود سر کی پوشش یعنی عمامہ اور قبا کو ترک کیا اور بجائے اُسکے ایک قسم کی ترمیم کردہ یوروپین وردی پہنی۔ ترکوں کے اُس حصہ نے جو اس قسم کی تبدیلیوں کے سخت مخالف اور پابند مذہب تھا اس تجویز کے خلاف خوب شور و شغب کیا لیکن اپنے کلام کی تائید میں کوئی معتبر شرعی مسئلہ پیش نکرسکا یہ حدیث کہ من تشبہ بقوم فھو منھم یعنی "جو شخص اپنے تئیں کسی قوم کے مشابہ بنائے اُنھیں سے ہے" موضوع[۵۱] ثابت ہوئی مگر باوجود اُن سب نئی باتوں کے جو انہوں نے جاری کیں۔ سلطان محمود یوروپین وضع

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۸۔ سمجھتا ہے کہ تم غلطی پر ہو۔ کیا تم اس عام عداوت کا باعث سمجھتے ہو؟" ترک نے جواب دیا "یہ اس لیے کہ ہم عیسائی نہیں ہیں"۔ پوپ۔ "وہ بالکل درست۔ پھر تم مذھب عیسائی کیوں نہیں قبول کر لیتے؟" اسپر اُس مدبر نے یہ نا مدبرانہ جملہ کہا "دو عیسائی تثلیث پر یقین لائے ہوئے ہیں اور ہم توحید کے قائل ہیں۔ ہم میں سے بعض حضرات ایک خدا کی پرستش سے بھی تھکے جاتے ہیں۔ اس حالت میں آپ کیونکر امید کر سکتے ہیں کہ ہم تین خداؤں کی پرستش کرینگے؟"

۵۱ نہیں معلوم کہ یہ کہاں تک صحیح ہے لیکن کسی مسلمان کے لیے ایسی صورت شکل اور وضع و قطع بنانا کہ اُسمیں اور کسی دوسری قوم و ملت کے شخص میں مطلق تمیز نہ ہو سکے کم از کم اچھا و مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ محمد حسن خاں۔

کی ٹوپی اختیار نکر سکے اسلئے کہ اُن کے پُرجوش مخالفین کو یہ دریافت ہوا کہ آنحضرت صلعم نے صاف طور پر ممانعت فرمائی تھی کہ آپکے پیرو اُس وضع کی سر کی پوشش نہ استعمال کریں جو کہ بیدینوں کی تھی۔ آپکے زمانہ میں یہ لوگ سہ گوشہ ٹوپی پہنتے تھے جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ تثلیث کے قائل تھے اور اس مسئلہ سے کہ مسلمان جو کہ توحید پر یقین رکھتے ہیں انکار کرتے ہیں معترضین نے علاوہ بریں یہ عذر بھی پیش کیا کہ یوروپین وضع کی کسی قسم کی ٹوپی سر پر رکھکر کوئی شخص نماز میں سجدہ نہیں کر سکتا۔ پس سلطان نے بجائے یوروپین ٹوپی کے ترکی ٹوپی اختیار کی جو کہ زیادہ تر بین مجمع الجزائر بحیرہ روم کے یونانی استعمال کیا کرتے تھے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ سلطان محمود ثانی نے عقلمندی نکی جو اپنے آبا و اجداد کا عمامہ دار تاج اور لنبی سمور لگی ہوئی قبا ترک کردی۔ لیکن یہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ اُنہوں نے قدیم قومی لباس کم از کم مراسم خاص کے موقعوں کے لئے بھی قائم نہ رکھا گو وہ محض امور سلف کی دلچسپی ہی کے لحاظ سے ہوتا۔ قدیم زمانہ کی تصاویر و نقشے دیکھکر ممکن نہیں کہ اُن زرق برق پرانی وضع کی ترکی پوشاکوں کی تعریف نہ کیجائے۔ ہر فرقہ اور ہر پیشہ کے لوگوں کی لنبی پگڑیاں خاص شکل کی لنبی قبائیں چوڑے پائیجامے اور علی ہذا القیاس اسی قسم کے دوسرے کپڑے ہوتے تھے اور اس لباس میں وہ صرف خوشنما ہی نہیں معلوم ہوتے تھے بلکہ شاندار و وجیہہ بھی جب سے کہ سلطان محمود ثانی نے تبدل وضع کی ابتدا کی ٹرکی کے لوگ یوروپین طرز کی پوشاک اختیار کرتے جاتے ہیں اور جن لوگوں میں کہ پُرانے انداز کا لباس آجکل باقی ہے وہ صوبجات کے کم آمدنی والے باشندے۔ سوداگر۔ دہقان اور فرقہ علما ہیں۔

مجھے دیکھکر چار اور قانونی کالج کے طالب علموں نے جو نیز مدارس سے آئے تھے
اپنی قدیم پوشاک بدل دی اور انہیں بھی اس وجہ سے اپنے مدرسے چھوڑنے پڑے۔

فوجی ملازمت سے برات اور قانونی کالج کے طول طویل آخری امتحان میں کامیابی
حاصل کرنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ سچی تکالیفِ زندگی بس اب شروع ہوئی تھیں اسلئے
کہ دنیا میں اپنی حیثیت درست کرنیکا مسئلہ میرے روبرو تھا۔ کسب معاش کا انحصار
اب بالکل میری اپنی ہی محنت وجانفشانی پر تھا۔ جیسا کہ ابتداء کتاب میں کہہ چکا ہوں
اپنی ضبط شدہ اراضیات کے واپس پانے کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی اور جو چھوٹی
چھوٹی رقمیں مجھے وقتاً فوقتاً اُن کی آمدنی سے گورمنٹ کے ساتھ دورانِ مقدمہ
میں جو کہ پندرہ سال تک چلتا رہا ملا کرتی تھیں وہ اب نہایت بیقاعدہ طور پر بلا تعین وقت
آتی تھیں۔ درحقیقت میں اس امر سے نہایت ہی سخت متنفر ہوتا جاتا تھا کہ مدمغ حکام
کے پاس اسکے لیے نہایت ہی خاکسارانہ خوشامدیں کرنی پڑتی تھیں کہ وہ اُس روپیہ کو
ادا کریں جو ہمارا اُن کے ذمہ تھا۔ میں چاہتا تھا کہ عدالتوں یا محکمہ قانونی میں مجھے
ملازمت ملجائے لیکن کامیابی کی بہت کم امید معلوم ہوتی تھی۔

مجھسے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ بجائے سرکاری ملازمت کے حاصل کرنے کی
کوشش کے میں نے دیگر ذریعہ معاش اختیار کیوں نہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کل
سرکاری نوکری ہی ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے کچھ بھی تعلیم پائی ہو ٹرکی میں
حصول معاش کا صرف ایک ذریعہ ہے۔

بالفعل ترکی رعایا صرف دو طریقوں سے روزی حاصل کر سکتی ہے۔ یا تو
اسطرح کہ لوگ اپنی شان وشوکت وغیرت کو بالائے طاق رکھکر اسیر قناعت

کریں کہ کسی قسم کے کاریگر چھوٹے سوداگر[ف۵] معمولی پیشہ ور کاشتکاروں کے مزدور اور علیٰ ہذا القیاس اسی قسم کے کام کرنے والے بنیں یا کسی نہ کسی طرح سرکاری ملازمت کریں۔ ہر تعلیم یافتہ شخص کے لئے ضرور ہے کہ سرکاری تنخواہ پانا اپنی زندگی کا بلند ترین حوصلہ قرار دے اور اپنی تمام ہمت و طاقت اُس تنخواہ کے زیادہ کرنے کیجانب

ف۵ لوسی گارنٹ صاحبہ نے ترکی کے اہل حرفہ و صنعت کی تعلق مفصلۂ ذیل حالات تحریر کیے ہیں:-

"ایک قابل لحاظ اور دلچسپ خصوصیت جو ترکی کے اہل حرفہ و صنعت میں پائی جاتی ہے وہ تمام اہل پیشہ کی مجالس اور انجمنیں ہیں جو اصناف کہلاتی ہیں جنکے ممبر مختلف تجارتوں حرفوں اور پیشوں کے لوگ بلالحاظ قوم و مذہب باہم ایک دوسرے کی امداد اور محافظت کے لئے ہوتے ہیں گو شاہی دربار کے قدیم تزک و احتشام اور حکامی پوشاک اور ساز و سامان کے ترک کرنے اور مغربی وضع کی فوجی وردیاں و اسلحہ و سامانِ جنگ کے اختیار کرنے سے جو کہ انیسویں صدی عیسوی کی امتیازی باتیں ہیں بہت سی صنعتیں جو ایک وقت نہایت اچھی حالت میں تھیں اب ناپید ہو گئی ہیں اور بہت سی ویسی سرسبز نہیں رہیں جیسی پہلے تھیں تاہم یہ تجارتی مجلسیں اب بھی کثرت سے ہیں اور خاصکر قسطنطنیہ میں جہانکہ اُن تمام حرفوں اور پیشوں کے جو کہ سلطنت عثمانیہ میں رائج ہیں نائب اور وکلا کے ایک یا ایک سے زیادہ شہر اور اُسکے مضافات کے ہر حصہ میں کلب یا انجمنیں ہیں اور اُسکے اہلکار اپنے اپنے عہدہ و درجہ کے مطابق شیخ نائب۔ اُستا یعنی پریزیڈنٹ۔ وائس پریزیڈنٹ۔ سپرنٹنڈنٹ اور انسپکٹر کہلاتے ہیں۔ اُن کا آپسمیں سالانہ انتخاب ہوتا ہے اور گورنمنٹ بھی باقاعدہ طور پر انہیں تسلیم کرتی اور انجمن کی خوش اطواری کا ذمہ دار بناتی ہے۔ بعض اصناف کی کثیر آمدنی ہے اور بعض کو خاص حقوق گذشتہ صدیوں میں بذریعہ فرامین شاہی حاصل ہوئی ہیں جو کہ نازک موقعوں پر اہم خدمات کے صلہ میں عطا کیے گئے تھے۔ آخر الذکر میں سے

مائل کرے۔

کوئی راہ ایسی نہ تھی جس سے مجھے سرکاری ملازمت حاصل ہوسکتی۔ لیکن مدرسہ قانونی سے جو سند مجھے ملی تھی اُسکے بموجب میں بیرسٹری کرنے کا مجاز تھا۔ لہٰذا میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اسی پیشہ میں اپنی ہمت و طاقت صرف کروں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۱۔ ایک تو کفش دوز ہیں جنکی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اُنہی کے پیشہ کے خاص علیحدہ افسر ہیں جو بلا مداخلت حکام قانونی اپنی قوم کے آپس کے مقدمات فیصل کرتے اور سزائیں دیتے ہیں۔ یہ عجیب و غریب استحقاق سولھویں صدی عیسوی میں سلطان سلیمان ثانی نے عطا فرمایا تھا۔

شاگرد اور نو آموز اشخاص جو کہ مختلف حرفے و پیشے سیکھتے ہیں جب اُن کے اُستاد جن کے ماتحت اُنہوں نے کام سیکھا ہے سفارش کرتے ہیں تو وہ بھی معمولی فیس داخلہ ادا کر کے اور اس امر کا اقرار کر کے کہ تمام قواعد انجمن کی پابندی کرینگے اصناف میں بطور ممبر کے داخل ہو جاتے ہیں۔ بعض اصناف میں بالکل مسلمان ہی ممبر ہیں اسلئے کہ بعض حرفے صرف ترکوں ہی کے ہاتھ میں ہیں اور بعض میں صرف عیسائی ممبر ہیں۔ بعض میں مسلمان و عیسائی دونوں شریک ہیں اور اس میل جول اور تجارتی فوائد کی وجہ سے اُنکا آپس کا برتاؤ اُس معمولی سوشل راہ و رسم کی بہ نسبت جو ترکوں اور عیسائیوں میں پایا جاتا ہے کہیں بہتر اور آزادانہ خیالات پر مبنی ہوتا ہے۔ ہر انجمن سال میں ایکبار کسی کھلے پر فضا میدان میں چاء پانی اور کھانے کی دعوت کرتی ہے جو کہ عموماً کسی تیوہار کے دن ہوتی ہے اور اسکے اخراجات بذریعہ چندہ یا انجمن کے فنڈ سے ادا کیے جاتے ہیں۔ اِن موقعوں پر نہایت عمدہ اشیاء خوردنی وغیرہ مہیا کی جاتی ہیں اور ممبروں کے صرف احباب ہی بلا لحاظ مذہب مدعو نہیں کیے جاتے بلکہ ایسے اجنبی اشخاص بھی شریک کر لیے جاتے ہیں جو اتفاق سے اُسوقت مقام دعوت کے قریب گذرتے ہوں۔ دوپہر کے

"میرے ساتھی طالب علموں میں سے جو کہ سند حاصل کرتے ہیں میرے ہمعصر تھے صرف بعض کا منشا بیرسٹری کرنیکا تھا باقی متلاشی ملازمت سرکاری تھے۔ وہ جو پیشۂ قانونی اختیار کرنا چاہتے تھے اتنی بچ کی آمدنی نہ رکھتے تھے کہ اپنے کام کی ابتدا کریں لیکن میں بہت سوں سے اس بارہ میں زیادہ خوش قسمت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۳ ۔ کھانے کے بعد تفریح طبع کے لیے مختلف قسم کی بازیگری اور کھیل تماشے اور کشتی ہوتی ہے۔ عیسائیوں اور اہل البینیا کے لئے اُنکے قومی ناچ کا ساماں ہوتا ہے جیسے کہ ان کے ترکی ہم پیشہ کسی دیہاتی قہوہ خانہ کے سامنے مونڈھوں پر بیٹھکر دیکھتے اور تما کو اور قہوہ پیتے جاتے ہیں۔ ایسے مجمعوں میں نہایت ہی اتفاق و اتحاد نمایاں ہوتا ہے اور شاذ ہی کبھی کوئی جھگڑا یا فساد ہوتا ہے۔ بقول ایک سیاح کے جس نے حال ہی میں ٹرکی میں سفر کیا ہے "تمام ترکی تیوہاروں یا خوشی کے موقعوں پر تقید۔ سختی اور از حد احتیاط کے ساتھ شائستگی ایک لازمی امر ہے" اور درحقیقت خواہ کسی درجے کے لوگ ہی شریک کیوں نہوں ایسے مشرقی جلسوں میں عموماً مطلقاً کسی ایسی بات کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا جسپر کہ ناتراشیدگی یا بدوضعی کا گماں بھی ہو سکے۔

ہر ایک انجمن کے علیحدہ علیحدہ خاص روایتی قوانین اور رسم و رواج ہیں جنکی پابندی اُسکے تحریری باضابطہ قواعد سے کسیطرح کم نہیں ہوتی۔ انکے ذریعے سے اکثر مزدوری پیشہ لوگوں کے بہت سے عجیب و غریب و دلچسپ معاشرتی امور کا پتہ لگتا ہے۔ مثلاً ملاحوں ہی کو لیجئے جو قسطنطنیہ ایسے شہر میں جو کہ سطح پانی سے گھرا ہو بکثرت ہیں۔ اس انجمن کے ممبر زیادہ تر عیسائی اور مسلمان لڑکے ہوتے ہیں جو کثرت سے ایشیائے کوچک سے تلاش روزگار میں دار السلطنت آتے ہیں۔ ان میں سے چھ یا اس سے زیادہ ایک ساتھ ہو کر ایک

تھا۔ اس زمانہ میں چونکہ مجھے وقت بہت ملتا تھا میں ایک مشہور ترکی مالک مطبع کے دفتر میں جایا کرتا تھا۔ یہ شخص اڈنون قونیہ واقع ایشیا سے ترکی میں جلاوطن کر دیا گیا ہے۔ اُس دفتر میں جاکر میں پروف دیکھتا اور صحیح کرتا تھا اور اُسکے رسالہ میں مضامین لکھا کرتا تھا وہاں مجھ سے ایک یوروپین سے ملاقات ہوئی جو کہ قسطنطنیہ کا قدیم باشندہ اور

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۴۔ معمولی سے مکان میں بود و باش اختیار کرتے ہیں اور ایک مقررہ رقم روزانہ یا ہفتہ وار ایک ضعیف شخص کو دیا کرتے ہیں جو اُن کا کھانا پکایا کرتا ہے اور انکا مشیر و صلاح کار اور جو آپس کی نزاع ہو اُسکا تصفیہ کرنے والا بھی ہوتا ہے۔ اُنکا برتاؤ اپنے اُستاد کے ساتھ بھی جسکے پاس وہ عرصہ دراز تک کام سیکھتے ہیں بالکل فرزندانہ ہوتا ہے وہ کشتیبان جو کہ شاہی کشتیوں پر ملازم ہیں نہایت طاقتور ہوتے ہیں سر پر بال نہیں رکھتے اور چھوٹے لیکن پھولے ہوئے پہن ہیں زیادہ سفید ترکی پاجامے اور بروسہ کے باریک کپڑے کے قمیص پہنتے ہیں۔ یہ قمیص سامنے سے کھُلے رہتے ہیں اور اس وجہ سے اُن کے چوڑی اور طاقتور سینے بھی کھُلے رہتے ہیں۔ تقریباً بارہ ملاح ایک سرکاری کشتی کو جسکا طول قریب بتیس فٹ اور عرض ۳ سے ۴ فٹ تک ہوتا ہو نہایت عمدہ رفتار کے ساتھ باسفورس کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک لے جاتے ہیں۔

اور دوسرے پیشے جنکے لیے بجائے ہنر کے طاقت کی زیادہ ضرورت ہے مثلاً حمال یعنی قلی) اُن کے کرنے والوں کے لیے بھی اسی قسم کا انتظام ہے اور کوئی چھ برس کی مجموعی محنت اور کفایت شعاری کے بعد تھوڑا روپیہ جمع کرکے یہ لوگ اپنے اپنے گاؤں کو جو کہ زیادہ تر اناطولیہ میں واقع ہوتے ہیں چلے جاتے ہیں اور دوسرے کاروبار میں یہ روپیہ لگاتے ہیں۔

ایک اور فرقہ جو خصوصاً قسطنطنیہ سے مخصوص ہے سقوں کا ہے جو کہ لوگوں کے لیئے

لنڈن کے اخبار ٹائمز کا نامہ نگار تھا - یہ شخص اور اُسکے یوروپین احباب جنہیں ترکی گورنمنٹ کے ساتھ بعض رعایتوں یا اجاروں کے متعلق تصفیہ کرنے کا کچھ کام تھا کبھی کبھی مجھسے ترکی کاغذات تحریر کراتے اور اپنی جانب سے حکام سے ملنا کبھی میرے سپرد کرتے تھے - جو تحریر کا کام اُن سے وقتاً فوقتاً مجھے ملا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۵ - پینے کا پانی اُن مشہور چشموں سے لاتے ہیں جو کہ دار الخلافہ کے قرب وجوار میں واقع ہیں اور بعض ان میں سے بڑے فاصلہ پر بھی ہیں - فاصلہ کے لحاظ سے یہ پانی مشکوں میں آدمیوں یا گھوڑوں کی پشت پر لایا جاتا ہے - ایک دوسری قسم ان سقوں کی وہ ہے جو کہ متقی و پرہیز گار اشخاص کی ملازمت میں اُن راستوں پر جہاں کہ کثرت سے آمد و رفت رہتی ہے جاکر شہداے کربلا کی یادگار میں پیاسوں کو یہ آواز لگاکر پانی پلاتے ہیں کہ یہ آب کوثر ہے - موسم گرما میں یہ سقے اکثر اُس برتن کو جسمیں کہ پانی لئے رہتے ہیں سبز پتوں یا شاخوں سے چھپا دیتے ہیں اور بعض اُسمیں اس قسم کی نلیاں لگاتے ہیں کہ برتن سے پانی بآسانی اُن گلاسوں میں نکالا جاسکے جنکے نیچے ایک قسم کی تھالی لگی رہتی ہے اور دونوں کو سے بند رہتے ہیں - ۱۸۲۶ء میں ینی چری فرقہ کے فرد ہونے سے بیشتر سقوں کی اصناف کا شیخ یا پریزیڈنٹ وہی شخص ہوا کرتا تھا جو اُن سقوں کی جماعت کا کرنل ہوتا تھا جو کہ ینی چری کی فوج کے متعلق تھے -

ایک اور خصوصیت ترکی اہل پیشہ و حرفہ میں یہ ہے کہ تجارت و صنعت کی ہر شاخ اس طریقہ سے خاص لوگوں کے قبضہ میں ہے کہ ضروریات زندگی کے مہیا کرنے میں عموماً درمیانی اشخاص بالکل ندارد ہیں - دار الخلافہ کے اُن محلوں کے علاوہ جہاں کہ یوروپین اشخاص آباد ہیں ایسی عام دوکانیں اب تک نہیں ہیں جہاں کہ ہر قسم کی اشیا ایک جگہہ دستیاب ہو سکیں

کرتا تھا اُسکے ذریعے سے صرف اُن ہی اعلیٰ حکام تک مجھے رسائی نہوتی تھی جو منجانب سلطان المعظم متعین کیئے گئے تھے بلکہ خود قصر یلدز تک اسطرح مجھے بہت سے مواقع اس امر کو اچھی طرح دیکھنے کے ملے کہ قسطنطنیہ میں حکومت کرنے والے اشخاص کس طرح اپنے فرائض ادا کرتے ہیں - اب میں ترکی سلطنت کے اُس

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۶ - مثلاً اگر کسی کو ایک جوڑا جوتا خریدنا ہے تو وہ موچی کے پاس جاتا ہے اور اگر کسی گرہست بی بی کو نئے فرائی پان کیتلی یا قہوہ دان کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اپنے شوہر یا نوکر کو ٹھٹھیروں کے کوچہ یا محلہ میں بھیجتی ہے جہاں کہ سیکڑوں ہتھوڑوں کی بھرمار کرنے والی ٹھک ٹھک کے شور میں وہ اپنی ضرورت کی شے کا انتخاب کرتا ہے اور قیمت کے متعلق ضروری ردو بدل کے بعد وہ شے خرید کرتا اور لے جاتا ہے اسلیئے کہ ٹرکی میں یہ رواج نہیں ہے کہ دوکاندار خریداروں کے مکان پر چیزیں بھیجدیں اور سوائے مٹھائی کے کسی چیز کو کاغذ میں لپیٹکر دیتے ہیں خریدار اپنی خرید کردہ شے رومال یا کسی اور کپڑے خواہ ٹوکری میں جیسی کہ ضرورت ہو رکھہ لیتا ہے اور اگر صاحب استطاعت ہے تو ایک نوکر بھی اُسکے ہمراہ اُسے لیجانے کے لیے ہوتا ہے بہت بھاری یا بڑی چیزیں عموماً حمال لیجاتے ہیں جنکی مضبوط ٹانگیں کتنی ہی وزنی شے کیوں نہو اگر اُن کی پشت پر باندھدی جاوے تو تیل کے پیپے سے لیکر بڑی سی بڑی الماری تک کا بوجھ سنبھال سکتی ہیں - شاید دنیا کے کسی اور حصہ میں اس حد تک پھیری کرکے خوردہ فروشی نہیں کیجاتی جسقدر کہ قسطنطنیہ میں جہاں کہ کھانے کی تقریباً ہر شے عام راستوں میں لوگ بیچتے پھرتے ہیں - مساجد کے صحن بھی ان بیچنے والوں سے خالی نہیں ہوتے - میوہ فروش شربت مٹھائی اور چھوٹی چھوٹی چیزیں فروخت کرنے والے وہاں چھتری کی شکل کا ایک بڑا اسفید کپڑا تانکر اُسکے سایہ میں تپائیوں پر خوانچے لیکر بیٹھتے ہیں - اس قسم کی چھوٹی موٹی تجارت میں

حقیقی مرکز حکومت کا کچھہ ذکر کرونگا جسکو میرا خیال ہے اُن انگریزی مدبروں نے بھی اچھی طرح نہیں سمجھا ہے جوکہ یورپ کے دوامی مشرقی مسئلہ سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

باب ہشتم

باب عالی اور قصر یلدز

سلطان حال کی حکومت سے پہلے ترکی میں مرکز فرمانروائی بابِ عالی تھا۔ لیکن

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۷ - جو آسانی ہے بلاشک یہ کسیقدر اسی کا باعث ہے کہ ترکی میں محتاجوں اور مفلسوں کا فرقہ ہی نہیں ہے۔ اسلیئے کہ اگر کسی کے پاس ایک شلنگ (آجکل بارہ آنے کے برابر ہے) ہو تو وہ ایمانداری سے اتنے پیسے کما سکتا ہے جوکہ اپنے اور اپنے خاندان کے لیے ضروریات زندگی مہیا کرنے کے لیئے کافی ہوں۔ ایک پھیری کرنے والے قہوہ فروش کی بالکل پونجی چند پیالے گلاس ایک انگیٹھی اور ایک یا دو چھوٹی چھوٹی قہوہ کی پیالیاں ہوتی ہیں اور اس قسم کا شخص ظاہرا بلا کسی مخالفانہ رقابت کے کسی ایسے حصۂ شہر میں کھڑے ہوکر جہانکہ آمد و رفت زیادہ ہو معاش حاصل کر سکتے ہیں۔ حال میں استنبول کی خوبصورت مسجد بایزید یہ دیکھنے کے بعد میں اور میرے چند احباب مونڈھوں پر مسجد کے شمالی دروازہ پر بیٹھ گئے اور ایک ترک قہوہ فروش سے جو قریب چھہ گز کے فاصلہ پر کھڑا ہوا تھا قہوہ مانگا۔ اُس نے خوش اخلاقی سے ہمکو جواب دیا کہ مسجد کا زینہ میرے حلقہ سے باہر ہے اسکے بعد ایک دوسرا قہوہ فروش مسکراتا ہوا آیا اور اُس نے بھی یہی کہا کہ جو مونڈھے دروازہ کی دوسری جانب بچھے ہوئے ہیں عفسر وہ میرے ہیں" محمد حسن خاں

اُن کی تخت نشینی کے وقت سے ملک کے تمام اختیارات قصر یلدز یعنی اُن کے محل نے جذب کر لئے ہیں۔ قصر یلدز کا ذکر کرنے سے پہلے میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ باب عالی سے کیا مراد ہے۔ ٹرکی میں ہر سرکاری محکمہ "باب" کہلاتا ہے اسلئے کہ ہر سرکاری دفتر کے دروازہ کی نسبت یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ ہر متلاشی انصاف و دادخواہ کے لیے کھلا رہتا ہے۔ سب سے اعلیٰ ترین محکمجات باب عالی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان میں وزیر اعظم و تین خاص مشیر جو مجالس شوریٰ کے پریزیڈنٹ ہیں اور وزیر خارجیہ و وزیر محکمہ داخلی معہ اپنے مختلف محکمجات کے حکام کے شامل ہیں۔ دوسرے وزرا کے دفاتر یعنی وزراے قانونی - مال - تعمیرات عامہ جنگ وغیرہ کے جو علیحدہ علیحدہ مکانات ہیں نسبتاً اُن سے درجہ میں کم سمجھے جاتے ہیں اور صرف "باب" کہلاتے ہیں۔

وزرا کی کونسل کے جلسے بصدارت وزیر اعظم باب عالی میں ہوا کرتے ہیں۔ باب عالی کے دفاتر جن عمارتوں میں ہیں وہ قسطنطنیہ کے اُس حصہ میں واقع ہیں جو کہ استنبول کہلاتا ہے اور سینٹ صوفیہ کے قریب ہیں۔

اب میں قصر یلدز کا ذکر کرونگا۔ یلدز ترکی زبان میں ستارہ کو کہتے ہیں۔ وہ عظیم الشان پہاڑی جو آبناے باسفورس کے یورپ کی طرف کے حصہ پر بحر مارمورا کے قریب واقع ہے یلدز کہلاتی ہے۔ لفظ "کشق" جو یلدز کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اسکے معنی قلعہ اور چھوٹا بنگلہ دونوں ہیں۔ میرا یقین ہے کہ سلطان عبدالمجید خاں نے یہ قلعہ اس پہاڑی کی چوٹی پر تعمیر کرایا تھا اور "یلدز کشق" اسکا نام رکھا۔ کہتے ہیں کہ یہ قلعہ سلطان موصوف کی ایک چاہیتی خاتون کی رہائش کے لیے بنوایا گیا

تھا جسکے محل سرا میں رہنے کے اُن کی والدہ اور بی بی خلاف تھیں۔ چھبیس سال ہوئے سلطانِ حال نے شاہی قیام کے لیے یہ مکان پسند فرمایا۔ اُسوقت یہ ایک معمولی چھوٹا سا بنگلہ تھا۔ تخت نشینی کے بعد اسقدر جلد تبدیل سکونت کے بہت سے وجوہ بیان کئے گئے۔ ظاہر اسبب یہ تھا کہ بلند یلدز پہاڑی کی ہوا قدیم محل کے اردگرد کی ہوا سے زیادہ صاف تھی اسلئے کہ آخر الذکر عمارت باسفورس کے مرطوب ساحل پر واقع تھی۔ لیکن اصل باعث یہ تھا کہ یلدز کا مکان ازحد مضبوط و مستحکم تھا اور وہاں سلطان بالکل محفوظ رہیں گے۔ جو جنگل کہ یلدز پہاڑی کی چوٹی سے ساحل باسفورس تک پھیلا ہوا ہے وہ بلند اور موٹی دیواروں سے محدود ہے۔ مجھے کبھی اس جنگل میں جانے کا موقعہ نہیں ملا لیکن کہا جاتا ہے کہ ہر وقت کثیر التعداد سنتری دیواروں کی حفاظت کے لیے پہرہ دیتے ہیں۔ چند سال ہوئے کہ سفرمینا کی ایک پوری پلٹن نے صیتوں قصر یلدز کے جنگل میں کام کیا۔ سپاہیوں کے بیانات سے جو کچھ میں دریافت کرسکا یہ تھا کہ کئی جانب جنگل میں سرنگیں لگائی جارہی تھیں اور ضرور زیر زمیں راستوں کا کامل باقاعدہ انتظام ہوگا۔ دیواروں کی بیرونی جانب اسی سلسلہ میں ایک دوسرے سے تیس یا چالیس گز کے فاصلہ پر بارکیں بنی ہوئی ہیں جن میں مختلف اقوام کے سپاہی مثل عرب اہل البینیا اور ترکوں کے مقیم ہیں۔ مختلف پلٹنوں کے سپاہیوں میں میل جول وراہ ورسم تقریباً ندارد ہے لیکن ان سادہ لوح پہرہ کے سپاہیوں کے دلوں میں ایسی احتیاط سے اور باقاعدہ طور پر سلطان کے لیے بلا کسی قسم کے چوں وچرا کے وفاداری کی روح پھونکی گئی ہے کہ وہ بخوشی تمام اپنے آقا کی بیش قیمت زندگی کی حفاظت میں اپنے خون کا آخری قطرہ تک تصدق کردینگے

ان بارکوں کے بعد پہاڑیاں اور گھاٹیاں ہیں جنکی محافظت کے لیے بھی قلعبندی اور سنتریوں کا نہایت وسیع انتظام ہے۔

سلطانی حرم سرا و دیگر مختلف چھوٹے لیکن پرتکلف مکانات جنگل کے اندر واقع ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حصہ پھولوں کے خوبصورت باغات سڑکون۔ جھیلوں اور نہروں سے آراستہ ہے۔ قصر یلدز کے باغوں میں علیحدہ علیحدہ کئی شامیانے بھی ہیں جن میں سب سے اعلیٰ و خوشنما ترین وہ کہا جاتا ہے جنمیں کہ سلطان اپنے ممالک غیر کے شاہی مہمانوں کی خاطر و تواضع کرتے ہیں۔ شاہنشاہ جرمنی دو بار جو قسطنطنیہ آئے تو اسی میں فروکش ہوئے۔ سلطان کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی ہے کہ اُن کے شاہی مہمان قصر یلدز کے اندر مقیم ہوں تاکہ اُن سے ملاقات کرنیکے لیے محل سے باہر نہ جانا پڑے۔ لوگ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ سلطان اس امر کا از حد لحاظ رکھتے ہیں کہ اُنکے مہمانوں کو ہر طرح آرام و آسایش پہونچے اور خوب اُنکی خاطر و مدارات کرتے ہیں۔ سلطان کی تفریح و ریاضت گاہ یہی قلعہ کا جنگل ہے۔ تفنن طبع کے ذرایع میں ایک تھیٹر بھی قصر یلدز میں ہے جہانکہ وہ معہ اپنے بچوں اور ممالک خارجیہ کے مہمانوں کے ناٹک کی سرپرستی کرتے ہیں اور اُسمیں نہایت سرگرمی سے دلچسپی لیتے ہیں۔

وہ مکانات جن میں درباری افسر اور کثیر التعداد ملازمانِ قلعہ رہتے ہیں یلدز پہاڑی کے جنگل کے سب سے اونچے حصہ پر واقع ہیں اور اُسکے مقابل کے سرے پر دامن جنگل میں تقریباً ساحل پر محل چارہ گان ہے جہاں کہا جاتا ہے کہ سابق سلطان[۵۷] مراد قید ہیں

[۵۷] بتاریخ ۳۰۔ اگست ۱۹۰۴ء سلطان مراد نے اس دارِ فانی سے رحلت کی۔
محمد حسن خاں

کوئی شخص جو کہ ان کے پہرہ والوں میں نہو اس محل کے قریب تک نہیں جا سکتا پہاڑی کی چوٹی پر جو افسروں اور دیگر ملازمین کے دفاتر بنے ہوئے ہیں وہ ٹھیک باغ کی دیوار کے باہر ہیں وہ راستہ جو کہ حکام کے مکانات و دفتر اور سلطان المعظم کے خاص بود و باش کے مکان (جو کہ وسط میں ہے) کے درمیان ہے "مابین" کہلاتا ہے - یہی وجہ ہے کہ سلطانی حرم سرا کو اصطلاحاً "مابین" کہتے ہیں تاکہ وہ دیگر شاہی محلوں کی حرم سراؤں سے علیحدہ سمجھا جائے - متذکرہ بالا دفتروں کے سامنے ایک اور میدان ہے جہاں بیشتر خاصکر ترکی اور ارمنی خاندان آباد تھے ان لوگوں کے مکان خاص سلطانی آمدنی کے روپیہ سے خرید کر لئے گئے ہیں اس غرض سے کہ قصر یلدز اور عام آبادی کے درمیان فاصلہ زیادہ ہو جائے - اس میدان کے بعد ایک اور بلند پہاڑی ہے جو کہ درباریوں کے نجی کے مکانوں سے پر ہے - حکام کے لئے جو یہ مکانات سلطان نے اپنی طرف سے بنوائے ہیں اس سے غرض یہ ہے کہ پیرا کے یوروپین باشندے قصر یلدز کی جانب زمین پر قبضہ نکر سکیں اور اس ذریعے سے اپنے مکانات قلعہ کی طرف نہ بڑھائیں -

سوائے چند مستثنیات کے سلطان کے درباری اشخاص اور خاص سکرٹری پہلے تمام معاملات خواہ وہ کسی محکمہ سرکاری سے متعلق ہوں سلطان کے روبرو پیش کرتے ہیں اور اسکے بعد اُن کے متعلق کارروائی عمل میں لاتے ہیں - مثلاً قصر یلدز میں ایک فوجی کونسل ہے جسمیں اسٹاف کے نہایت برگزیدہ افسر شامل ہیں جو تمام اہم فوجی معاملات کو طے کرتے ہیں گو وزارت حربی بھی علیحدہ موجود ہے اور بموجب مقررہ قوانین سلطنت جملہ امور متعلقہ فوج کی نگرانی کرتی ہے - اسیطرح قلعہ میں سلسلہ خبر رسانی

اورخفیہ پولیس قائم ہے گو قدیم وزارت پولیس اور اُسکے کثیر التعداد ملازمین بھی اب تک باقی ہیں۔ قلعہ ہی میں وہ مشیران سلطانی بھی رہتے ہیں جو مسلمانوں کے معاملات کو دیکھتے بھالتے ہیں اور نیز یہ کہ اسلامی دنیا میں سلطان کا مرتبہ بحیثیت خلیفۃ المسلمین قائم رہے حالانکہ عہدۂ شیخ الاسلام جسکے متعلق اُصولاً اس قسم کے مذہبی امور کی نگرانی ہونی چاہیئے مع متعدد عمال کے اب تک برقرار ہے۔ قصر یلدز میں محکمۂ تراجم و سیاسی بھی ہے جسکے سپرد یورپ کے پولیٹیکل اخبارات اور پولیٹیکل کتابوں کے ایسے مضامین کی جانچ ہے جن میں ترکی معاملات پر بحث کی گئی ہو۔ یہ محکمہ پولیٹیکل امور پر نئی تحریکیں بھی پیش کرتا ہے گو یہ باتیں وزارت خارجیہ واقعہ بابعالی سے متعلق سمجھی جاتی ہیں۔ ٹرکی کے تمام ڈاکخانوں سے قصر یلدز کا یکجائی تارگھر اور ڈاکخانہ زیادہ بڑا ہے اور وہاں کام بھی سب ڈاکخانوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ تمام گورنر کمانڈر۔ ایجنٹ۔ سفیر اور ایلچی اسی ڈاکخانہ کے ذریعے سے براہ راست قصر یلدز کو نامۂ پیام بھیجتے ہیں۔

وہ خاص اشخاص جو کہ سلطان کے دائرہ تقرب میں ہیں اور ملک پر حکومت کرتے ہیں مختلف اقوام کے ہیں اور اُنہیں سے بعض یوروپین ہیں۔

سینکڑوں عمال افسر اور دیگر ملازم قلعہ ہی کے احاطہ میں رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے محلسرا کے لئے کھانا تقسیم ہوتے ہوئے دیکھا۔ کثیر التعداد ملازم ہر طرف تیزی کے ساتھ آجا رہے تھے اور اُن کے سروں پر چوبی کشتیاں رکابیوں سے پُرتھیں لکاولوں اور اُنکے ماتحت باورچیوں کی تعداد دو سو سے زیادہ بیان کی جاتی ہے۔ قلعہ کے اخراجات تخمیناً قریب پانچ ہزار پونڈ روزانہ کے ہیں۔ یہ رقم عظیم سلطان کے

صرفِ خاص سے ادا کی جاتی ہے۔ صرفِ خاص کی آمدنی بہت زیادہ ہے اور مختلف ذریعوں سے حاصل ہوتی ہے تقریباً تمام بیش قیمت جائداد میں اور اراضیات اناطولیہ اور شام کے زیادہ ترین زرخیز اضلاع۔ اور علی الخصوص صوبجات بغداد میں اور ساحل خلیج فارس پر اب کلیتہً سلطان کے دستِ تصرف میں ہیں اور اُن کی ذاتی آمدنی کا ذریعہ ہیں۔ سلطان کی مقررہ آمدنی پچاس ہزار پونڈ ماہوار تصور کی جاتی ہے۔ باب عالی نے ایکمرتبہ اتنی بہت کی تھی کہ اس رقم کو کم کر کے تیس ہزار پونڈ کر دیا تھا۔ لیکن اب باب عالی با عتبار اختیارات برائے نام باقی ہے۔ گذشتہ بیس سال یا زیادہ سے جس زمانہ میں کہ صرفِ خاص کی آمدنی بہت ہی بڑھ گئی ہے اس آخرالذکر محکمہ کے افسران بالا بلا استثنا ارمنی رہے ہیں۔ جو محکمہ خبر رسانی کہ قلعہ میں ہے اُسکے صرف کے لیے خزانہ عامہ سے تخمیناً نوّے ہزار پونڈ سالانہ دیے جاتے ہیں۔ شاہی محلسرا کے اخراجات کے علاوہ صرفِ اُن ملازمین کی تنخواہیں جنہیں کہ خاص طور پر دربار سے تعلق ہوا اور سلطانی انعام واکرام وتحائف صرفِ خاص سے دیئے جاتے ہیں۔ جو وظائف کہ خاندان سلطانی کے شاہزادوں اور شاہزادیوں کو دیئے جاتے ہیں وہ خزانہ عامہ سے متعلق ہیں۔

باب نہم

رسم سلاملق

چونکہ سلطان المعظم نے جملہ اختیاراتِ حکومت اپنے قلعہ میں جمع کر رکھے ہیں

یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ جویندگان عدل وانصاف قلعہ ہی نہیں آتے ہونگے لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ سوائے مخبروں کے کوئی شخص قلعہ کے محکموں میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنی پوری تشفی وہ کیفیت اور یہ نہ بیان کرے کہ کس غرض سے وہ جانا چاہتا ہے۔ تقریباً دس سال ہوئے ہر شخص کو یہ موقع حاصل تھا کہ اگر اُسکے ساتھ بے انصافی اور ظلم ہوا ہو تو خود سلطان کے پاس اپیل کر سکے اور یہ اس طور پر کیا جاتا تھا کہ سلطان جب رسم سلام لق کے موقع پر مسجد کو جاتے تھے تو بھیڑ چیر کر درخواست پیش کی جاتی تھی۔ یہی ایک دن ہے جبکہ سلطان المعظم قلعہ سے باہر تشریف لے جاتے ہیں۔ لیکن آج کل اس طریقہ سے درخواست پیش کرنا ممکن نہیں ہے اسلئے کہ اب رسم سلام لق دوسرے قاعدہ سے ادا کی جاتی ہے۔

وقتاً فوقتاً لفظ سلام لق انگریزی اخبارات میں دکھلائی دیتا ہے لیکن صرف وہی خوش قسمت اشخاص جو ممالک غیر میں سیاحت کرتے ہیں یا جنہیں اپنے رتبہ کی وجہ سے غیر معمولی مواقع دوسرے ملکوں کے حالات دریافت کرنے کے حاصل ہوتے ہیں جانتے ہیں کہ اس لفظ سے کیا مراد ہے۔ سلام لق ایک بڑی فوجی رسم ہے جو اُس وقت برتی جاتی ہے جبکہ فرمانروائے سلطنت عثمانیہ تزک واحتشام کے ساتھ اپنے قلعہ سے ہر جمعہ کو نماز کے لئے مسجد جاتے ہیں۔ جو فوجی اعزاز کہ اس موقع پر سلطان المعظم کا کیا جاتا ہے اُسے سلام لق کہتے ہیں اور لفظ "سلام" سے یہ لفظ مشتق ہے۔

• علاوہ ان معمولی سلام لق کے پانچ اور سالانہ موقعے ہوتے ہیں جبکہ اسی قسم کی شان وشوکت عمل میں لائی جاتی ہے۔ لیکن ان موقعوں پر یہ رسم اور بھی زیادہ رونق کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور تمام ملکی فوجی مذہبی اور قانونی حکام سلطنت جو

اُسوقت دارالخلافہ میں موجود ہوں بارگاہ سلطانی میں حاضر ہوتے ہیں۔ اس وضع کی سلامِ لق دو بڑے سالانہ تہواروں کے دن بھی مقرر ہے تیسری ماہ رمضان کی پندرہویں تاریخ جبکہ جملہ ممبرانِ گورنمنٹ مع سلطان المعظم تبرکاتِ رسول برحق محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے ہیں اور چوتھی آنحضرت صلعم کی ولادت کے روز جبکہ اعلیٰ اکابر سلطنت کسی بڑی مسجد میں ذکر ولادت شریف سنتے ہیں۔ پانچویں سلامِ لق اُس روز ہوتی ہے جو کہ مقدس کارواں کی روانگی کا دن ہوتا ہے جبکہ عظیم الشان رونق و دھوم دھام کی جاتی ہے۔ گو سلطان المعظم باہر تشریف نہیں لاتے تاہم قصر یلدز کی کھڑکی سے اس جلوس کو دیکھتے اور سلام کرتے ہیں۔ عوام الناس کو بھی اس جلوس کو دیکھکر اور اُسکی مشایعت سے نہایت خوشی ہوتی ہے اس لیے کہ دوسرے شاہی جلوسوں کی بہ نسبت اسمیں مذہبی رنگ زیادہ ہے۔ یہ مقدس قافلہ ہر سال نصف ماہ رمضان کے قریب دارالخلافہ سلطانی سے روانہ ہوتا ہے صندوق جن میں کہ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے لئے تحائف ہوتے ہیں اونٹوں پر لادے جاتے ہیں۔ اونٹوں پر زرق برق کام دار محمل ہوتے ہیں اور قسطنطنیہ کے بازاروں میں وہ گشت کرتے ہیں ساتھ ساتھ دس بارہ عرب ہر بیٹر بہاڑ کے گنجان موقع پر شمشیر بازی کا تماشہ دکھاتے ہیں اور تیزی کے ساتھ ڈہل بجتا جاتا ہے۔ ہزاروں لوگ اس جلوس کو دیکھتے ہیں۔ قافلہ کے روانہ ہونے سے پہلے خوشحال اشخاص تیاریاں کرتے ہیں اور خیرات۔ تحائف اور نذرانے رہنماؤں کے لیے اور اپنے خاندان کے مذہبی پیشواؤں کے واسطے مقدس سرزمین عرب کے شہروں میں سوغات بھیجتے ہیں۔ اس جلوس میں جو نمایاں ترین خاص چیزیں ہیں وہ ہوادار کی شکل کے محمل ہیں جن پر کہ اُن میں

بیٹھنے والوں کو دھوپ سے بچانے کے لیے نہایت خوشنما کام کیے ہوئے ریشمی پردے پڑے رہتے ہیں۔

اس جلوس کے ہمراہ فوج کے سوار بھی ہوتے ہیں اور خلق کا ہجوم ہوتا ہے وہ نہایت ہی خوشنما منظر ہوتا ہے جبکہ لوگوں کی لمبی قطاریں ندرکی پہاڑیوں پر قصر سلطانی کو جانے کے لیے چڑھتی ہے۔ جو سڑک کہ اس طرف جاتی ہے اُسپر شاہی گارڈ کے سپاہیوں کی لائین بندھی ہوتی ہے اور دونوں جانب گھنے درختوں سے پُر پہاڑیوں پر مستورات کی بھیڑ ہوتی ہے جو فرغلوں میں لپٹی ہوئی اور چھتریوں کی آڑمیں اور ہر رنگ جو کہ خیال میں آسکتا ہے اُسکی نقاب چہروں پر ڈالے ہوتی ہیں۔ یہ پورا اسلامی مجمع ہوتا ہے اور نہایت باقرینہ اور باقاعدہ۔ جھگڑا فساد یا غل باہمی تکرار بھی شاذ نظر آتی ہے اس ہجوم کثیر میں گہری خاموشی ہوتی ہے صرف کبھی کبھی اُس سال کے حج کی کامیابی کے لیے کسیکی دعا کی گنگناہٹ ادھراُدھر سے کان میں آجاتی ہے۔ پھر ایوان خلیفۃ المسلمین کے سامنے نماز ادا کرکے یہ ازدحام ساحل کی طرف اُترتا ہے جہاں سے خاص اسٹیمر میں سوار ہوکر آبنائے باسفورس عبور کرتے اور شہر کی ایشیائی جانب پہونچ جاتے ہیں۔

گذشتہ زمانہ میں یہ ازدحام برابر اسقوطاری سے حجاز تک خشکی کی راہ سے جایا کرتا تھا لیکن اب بیروت کو دخانی جہاز میں جاتے ہیں اور اصل قافلہ اسوقت تک تیار نہیں ہوتا جب تک کہ تحائف دمشق نہیں پہونچ لیتے جہاں کہ وہ ایک درباری عہدہ دار کی زیر نگرانی لائے جاتے ہیں جو "امین صرّہ" کہلاتا ہے۔ ہزاروں عازمانِ حج کارواں کی دمشق سے روانگی کا انتظار کرتے ہیں اور اُسکے ہمراہ حجاز کو جاتے ہیں اسلیے

کہ قافلہ کے ساتھ فوجی سپاہیوں کے ہونے کی وجہ سے بدوؤں کے حملوں سے وہ محفوظ رہتے ہیں - تاہم باوجود اس حفاظت کے کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ چالاک بدو قزاق کو چپ چاپ شب کے وقت اونٹ کی لمبی ٹانگوں کے پیچھے چھپکر غریب مسافروں کو قتل کرنے اور لوٹنے میں کامیابی حاصل ہوئی ہو اور اسکے بعد وہ صحرا میں غائب ہوگیا - بہت سے مسافر ایسے ہوتے ہیں جو جدہ ہوکر سمندر کی راہ پر صحرائی خشکی کے راستہ کو ترجیح دیتے ہیں اسوجہ سے نہیں کہ اس میں کوئی خاص فائدہ ہے بلکہ محض اسلیئے کہ انہیں صعوبات سفر اور زیادہ اُٹھانی پڑیں اور امید کرتے ہیں کہ خداوند کریم اس کا اور زیادہ اجر انہیں دیگا چونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اپنے فرض مذہبی ادا کرنے میں جسقدر مصیبت اور تکلیف وہ برداشت کرینگے نسبتاً اُسیقدر زیادہ اجر بھی ملیگا - یہ اُسی قسم کا ذوق وشوق ہے جسکی وجہ سے روسی زائرین بیت المقدس کے سفر میں یافہ سے ریل میں نہیں جاتے اور بہتر سمجھتے ہیں کہ اپنے سامان کے بورے اور تھیلے کندھوں پر لیکر پیدل راہ طے کریں - علاوہ اِن سالانہ جلوسوں اور اس مقدس کارواں کے جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں ہر جمعہ کو معمولی رسم سلاملق ادا ہوتی ہے - اس سے یوروپین اشخاص زیادہ تر واقف ہیں جمعہ کی سلاملق کے بعد سلطان عموماً دول خارجیہ کے سفیروں اور دیگر بیرونی معززین سے جو قسطنطنیہ میں موجود ہوں ملاقات کرتے ہیں -

سلطانی جلوس کا قلعہ سے کسی ایک بڑی مسجد کو ہر جمعہ کے روز شاندار فوجی تزک کے ساتھ جانا وہ قدیم رسم ہے جسپر نہایت احتیاط سے عمل درآمد ہوتا ہے - سلطان کے لیے لازم ہے کہ وہ علانیہ مسجد کو جائیں اور صرف اُس صورت میں وہ معذور سمجھے

جا سکتے ہیں کہ کوئی ایسا ضروری امر پیش آجائے کہ وہ اُن کے دست قدرت سے باہر ہو اور انہیں جانے سے باز رکھے - لیکن خاندانی خیالات کے لحاظ سے تو یہ بھی ضرور ہے کہ اگر ممکن ہو تو اس ضروری امر کو برطرف کرنا چاہیئے اسلیے کہ ہوسکتا ہے کہ سلطان کے زندہ ہونے کے متعلق عوام الناس میں شک و شبہہ پیدا ہو اور اسکی وجہ سے پُر از خطرات عام بیچینی اور شاید پر انقلاب پیچیدگیاں پیش آئیں - موجودہ سلطان زمانہ قریب کے پچھلے فرمانرواؤں کی بہ نسبت اس جمعہ کے روز مسجد کو جانے کے فرض کو اور بھی زیادہ احتیاط کے ساتھہ ادا کرتے ہیں - جب کبھی اُن کی ناسازی طبع کی افواہ باہر ممالک غیر میں مشہور ہوتی ہے تو وہ فوراً اپنے سفیروں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ اس قسم کی رپورٹ کی فوراً تردید کریں تاکہ وہ خبر والپس آکر رعایائے ترکی میں نہ پھیلے - گو اُنکی طبیعت کسی قدر ناساز بھی ہو تاہم وہ ایسے موقعوں پر برابر رسم سلاملق کو ادا کرتے ہیں -

سابق سلاطین کا قاعدہ تہا کہ مختلف بڑی مساجد میں نماز جمعہ کے لئے گھوڑے پر سوار ہو کر جایا کرتے تہے - لیکن سلطان حال نے اپنے واسطے ایک مسجد قصر یلدز کی بڑی دیواروں کے باہر ہی بنوائی ہے - وقت سلاملق کے ذرا پہلے دار الخلافۃ کی فوج کے پہلے اور دوسرے ڈویژن کے سپاہی مسجد کے آس پاس جمع ہو جاتے ہیں - سب سے اول البینین پلٹن کے آدمی پھر عربی پلٹن کے اُن کے بعد بحری سپاہی اور اخیر میں اناطولیہ کے پیدل آتے ہیں - سڑک کے دونوں طرف کئی صفوں میں یہ سپاہی کھڑے ہوتے ہیں اور ان کے ٹھیک پیچھے دو صفیں سواروں کی ہوتی ہیں سواروں کے بعد پھر ایک قطار فوجی پولیس کی ہوتی ہے اور ان کے پیچھے دو دو پولیس والے ہر چند قدم پر کھڑے ہوتے ہیں - خفیہ خبر رسان بھی ادہر اُدہر موجود رہتے ہیں

جب قصر یلدز سے سلطانی سواری کے روانہ ہونیکا وقت آتا ہے تو بگل بجتا ہے اور تمام فوج جو اسوقت حاضر ہوتی ہے زور سے تین بار نعرۂ خوشی بلند کرتی ہے - جو الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں "پادشاہم چوک یشا" یعنی "ہمارے شاہنشاہ کی عمر دراز ہو" بعد مختلف پلٹنوں کے بینڈ دیگر سلطانی فوجی راگ کا باجا بجاتی ہیں سلطان ایک ہلکی چار گھوڑوں کی گاڑی میں سوار ہوتے ہیں کبھی کبھی قلعہ کے میرک سلطان کے مقابل گاڑی میں بیٹھتے ہیں اور بعض وقت سلطان کے سب سے چھوٹے شاہزادے ان کے ہمراہ ہوتے ہیں - سلطان کی گاڑی کے بعد ہی تقریباً دوسو قصر یلدز کے ملازم اور صاحب ہوتے ہیں - سلطان فوج کو سلام کرتے جاتے ہیں اسوقت ہر طرف گہری خاموشی ہوتی ہے - اور اگر خلاف قاعدہ کوئی حرکت ہو مثلاً اگر کوئی سپاہی سلطان کی خدمت میں درخواست پیش کرنے کی کوشش کرے تو کسی خفیہ خبر رساں اسطرح فوراً پہنچ جاتے ہیں کہ یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کہاں سے آئے اور یہ کامل انتظام بہ خوبی ظہور پذیر ہوجاتا ہے - جب سلطان مسجد کے دروازہ پر پہونچتے ہیں اور اسمیں تین چار منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوتے تو چند لوگ جو اس خاص موقعہ کے لیئے قدیم محلوں سے لائے جاتے ہیں ہم آہنگ ہوکر چلاتے ہیں "ہمارے پادشاہ بہت زیادہ غرور نہ کیجئے آپ پر ایک اور بھی فرمانروا ہے یعنی اللہ تعالیٰ" پرانے رسوم میں سے یہ ایک رواج آجتک باقی ہے - سلطان المعظم مسجد کے ایک علیحدہ حجرہ میں نماز ادا کرتے ہیں اور اسکی کھڑکی سے فوج کی قواعد دیکھتے ہیں اور تقریباً بیس منٹ کے بعد کسیقدر کم دھوم دھام کے ساتھ قلعہ کو واپس تشریف لے جاتے ہیں۔

باب دہم

نوجوان ترکی جماعت

اس حامی ترقی و اصلاح فرقہ کی نسبت جو "نوجوان ترکی جماعت" کے نام سے موسوم ہے انگلستان میں بہت کچھ سنا جاتا ہے لیکن حقیقت حال سے لوگوں کو بہت کم واقفیت ہے۔ لہذا میں اس فرقہ کی ابتدائی تاریخ اُسکے اغراض اور موجودہ حالت پر اس باب میں بحث کرونگا۔

جس نام سے کہ یہ گروہ عام طور پر پکارا جاتا ہے یعنی "نوجوان ترکی جماعت" گو اسکا استعمال بہت زیادہ کیا جاتا ہے تاہم یہ نام صحیح نہیں ہے اور میں خود ان حامیان اصلاح کے متعلق اسے استعمال نکرونگا۔ کوئی باقاعدہ گروہ اس قسم کا نہیں ہے جسے "پارٹی" کے لقب سے نامزد کرنا مناسب ہو گو متعدد موقعوں پر مختلف سوسائٹیاں خواہندگان اصلاح نے قائم کی ہیں جنکے خاص اغراض اور آرزوئیں وہی رہی ہیں جو کہ اس گروہ کی۔ یعنی یہ کہ شخصی حکومت کو روکنا جمہوری سلطنت کا طرز اختیار کرنا اور ضروری اصلاحوں کو جاری کرنا۔ ترکی میں اس انقلاب پیدا کرنے والے مادہ کی ترقی کی بنا کسی طور پر فرانس کی بغاوت عظیم و انقلاب سے منسوب نہیں کی جاسکتی اسکا باعث سب سے پہلے انگریزی خیالات آزادی اور انگریزی طریقہ سلطنت سے عام واقفیت کا زیادہ پھیلنا تھا۔ اس امر سے شاید بہت کم لوگ واقف ہیں کہ پہلا ترکی رفارمر (مصلح)

پہلی ترکی سفارت کا ایک ممبر تہا جو کہ لنڈن میں مقرر کی گئی تہی۔ آغا آفندی اول ترکی سفیر متعینۂ انگلستان کے ہمراہ جنکے تقرر کو سو برس ہوئے ایک نوجوان ترک الفا محمود آفندی بحیثیت اُن کے پرائوٹ سکرٹری کے گیا تہا۔ یہ نوجوان سکرٹری بہت سال انگلستان میں رہا اور تحصیل سائنس اور خصوصاً علم جغرافیہ کے سیکھنے میں مصروف رہا۔ بعدہٗ ایک انگریزی ایٹلس (نقشہاے ممالک کتاب کی شکل میں) کا ترجمہ ترکی زبان میں کیا جو کہ آخر الذکر زبان میں سب سے پہلا ترجمہ تھا۔ جب تک انگلستان میں رہا محمود آفندی بالعابی کو انگلستان کے طرز و انتظام سلطنت کے متعلق رپورٹیں بہیجا کرتا تہا۔ جب سلطان محمود ثانی تخت نشین ہوئے تو یہ کم عمر مدبر اس غرض سے قسطنطنیہ بلایا گیا کہ نظم و نسق حکومت کی ترمیم و اصلاح میں امداد کرے۔ لیکن ینی چری پلٹن کے نیست و نابود ہونے سے پہلے جو متعصبانہ و پرجوش شورش برپا ہوئی تو اس سب سے پہلے جدید طرز کے ترک پر "آزادانہ و وسیع خیالات" کا الزام لگایا گیا اور اُس ہنگامہ میں وہ قتل ہوا۔ لیکن اصلاح کا جو تخم اُس نے بویا تہا وہ بالکل ضائع نہوا اور یہ خاصکر بابعد کے اُن ترکی مدبرین کے کام کا نتیجہ تہا جنہوں نے اپنے ملک کے انتظام کی اصلاح میں اُسکی پیروی کی کہ وہ مشہور خط[۵۱] شریف یعنی سلطنت عثمانیہ کا پہلا فرمانِ اصلاح تحریر کیا گیا اور طرفدار دول خارجیہ کی امداد سے اُسکا اعلان کیا گیا۔

جیسا کہ میں بیشتر کہہ چکا ہوں کہ سلطنت عثمانیہ کو "نہ تبدیل ہونے والے مشرق" کا ایک

---

۵۱ یہ وہ فرمان ہے جو کہ ۱۸۳۹ء میں خط شریف منتظمات کے نام سے رشید پاشا کی کوشش سے سلطان نے عطا فرمایا تہا اور جسکی غرض یہ تہی کہ بہت سے ملکی انتظامات کی خرابیاں اور نقص رفع کئے جائیں۔ محمد حسن خاں۔

حصہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ ٹرکی میں بہت سے اہم تبدلات گذشتہ صدی میں پیش آئے ہیں گو ہمیشہ بہتری کے لیے نہیں۔ اپنی تخت نشینی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد سلطان عبدالعزیز خاں نے نئے قائم کئے ہوئے قوانین سلطنت کا پاس ولحاظ نہ کرنے کی کوشش کی اور چاہا کہ نہایت ہی بیقاعدہ طور پر اور خلاف قوانین فرمانروائی کریں۔ بجائے اسکے کہ ملک کے اُن حسب ضابطہ طریقوں کی پابندی کریں جو کہ بیشتر اُن کی سلطنت کی بستگی کا باعث ہوئے تھے انہوں نے روسی مطلق العنان فرمانروائی کی طرح خود مختاری اختیار کی اور قصر سلطانی کی ایک پارٹی قائم ہوئی کہ اُسوقت جو نشو و نما قومی آزادی پارہی تھی اُسکا مقابلہ کرے۔ اُس زمانہ کے نوجوان رفارمروں نے سختی اور تیزی کے ساتھ سلطان اور مشیر کاروں کے جابرانہ طرز عمل پر نکتہ چینی کی لیکن خود ملک کافی تعلیم یافتہ نہونے کی وجہ سے اُنکی تائید نکر سکا اور گورمنٹ نے اُنہیں سخت سزائیں دیں۔ اُن کے بعض سرگروہ سلطنت کے مختلف قلعوں میں قید کئے گئے اور باقیماندہ یورپ بھاگ گئے اُسے تیس برس سے زیادہ کا عرصہ ہوا کہ "نوجوان ترکوں" نے جس خطاب سے کہ وہ اولاً نامزد کئے گئے سرگرمی کے ساتھ عملی تحریک اصلاح شروع کی رفارمروں نے رسالے اور مضامین انگلستان میں شائع کئے اور ٹرکی میں ایسے ذریعوں سے بھیجے جن سے کہ سلطان عبدالعزیز خاں کے حکام لاعلم تھے۔ چونکہ وہ ایسے تعلیم یافتہ اشخاص تھے جنکی لیاقت مسلمہ تھی اُنکی تحریرات اُن کے ہموطنوں کیلئے ذریعہ تربیت و آگاہی ہوئیں اور مسئلہ تعلیم کو بھی اُن سے بہت زیادہ مدد ملی۔ اُن کے اس شور و شغب کا اثر سلطانی قلعہ کی پارٹی اور بابعالی کے پُرانی وضع کے ناکارہ حکام کو

بہی محسوس ہونے لگا۔

"سلطان حال کے ابتدائے حکومت کے قریب فوج اور عوام الناس کے تعلیم یافتہ گروہوں میں سے اتنے پیروان رفارمروں کے ہوگئے کہ سلطان عبدالحمید خاں کو مدحت پاشا سے جو کہ رفارمروں میں ایک خاص سربرآوردہ شخص تہے یہ وعدہ کرنا پڑا کہ تاجپوشی کے بعد ہی وہ باقاعدہ قانونی طریقہ حکومت کا اعلان فرمائیں گے اور سلطنت کے مختلف فرقوں کے وکلا کی ایک مجلس شوریٰ بہی منظور کرینگے۔ اُنہوں نے ایسا ہی کیا بہی لیکن وہ صرف ایسے موقعہ کے منتظر تہے کہ کسیطرح ان رفارمروں کے سرغنہ رفع دفع کردے جائیں اور پہر شاہنشاہ کی شخصی حکومت قائم ہوجائے۔ روس سے جو ۱۸۷۷ء میں جنگ ہوئی اُسوقت یہ موقع ہاتہہ آیا اور چونکہ لوگ اس جنگ کے خوفناک نتائج سے مصیبت زدہ ہورہے تہے اس بارہ میں قصر یلدز کی کارروائیونکی پیشبندی نکرسکے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ ٹرکی کی باقاعدہ حکومت کا یہ قلیل الحیات نیا قانون جس کو سلطان عبدالحمید خاں نے معدوم کردیا "نوجوان ترکی جماعت" ہی کی کوششوں کا نتیجہ تہا۔ اس جماعت کی یہ غرض تہی کہ بقول مسٹر گلڈسٹون ایک ایسا طرز حکومت قائم کرکے اپنے ملک کی اصلاح کی جائے جسمیں کہ مناسب تعداد وکلائے رعایا کی ہو۔ یہ محض سلطان کا دہوکا نہ تہا جس کے ذریعہ سے دول مغربی کی آنکھوں میں خاک ڈالنا منظور تہا جیسا کہ سلطنت عثمانیہ کے ہمیشہ خلاف رہنے والے دشمن اسے معنی پہناتے تہے۔ لیکن مسٹر گلڈسٹون اور اُن کے پولٹیکل احباب کو درحقیقت کبہی ٹرکی میں اس قسم کی حکومت قائم کرنے کی کوششوں کے ساتہہ ہمدردی نہ تہی۔ ڈیوک آف آرگائل متوفی نے اپنی ایک کتاب میں جو مشرقی مسائل

کے متعلق ہے بیان کیا ہے کہ "ہم انگلستان کے لوگ اُن کے مجوزہ طریقہ سلطنت پر ہنستے تھے" لیکن حقیقت یہ ہے کہ مدبرانِ انگلستان سلطنت عثمانیہ کی صنف عیسائی رعایا کے لیئے اصلاح اور ترقی کے خواہاں تھے - لہذا جنگ روم و روس کے بعد ملک اس قابل نہ تھا کہ مصلح پارٹی کی پوری مدد کرتا اور ساتھ ہی اس جماعت کو بھی خواہان سلطنت عثمانیہ سے جو انگلستان میں بھی بیکار آمد امداد نہ ملی بعض سربرآوردہ اشخاص اس جماعت کے دور کے صوبوں میں بطور گورنروں کے بھیجے گئے بعضوں نے ترکی گورنمنٹ سے مالی امداد منظور کرلی اور اسلیئے لوگوں کو انکا اعتبار جاتا رہا چند متلاشیانِ روزگار و جویندگانِ رعایت وغیرہ تھے جن میں سے بعض ترک نہ تھے بلکہ محض نمائشی رفارمر تھے لنڈن اور نیز دیگر شہروں میں سلطان سے ڈراکر روپیہ وصول کرنے کی غرض سے باغیانہ مضامین شائع کیئے اور اسطرح نوجوان ترکوں کو بدنام اور شرمندہ کیا اور انکی عزت پر حرف آنے کا باعث ہوئے اس سے معلوم ہوگا کہ گو نوجوان ترکی پارٹی درہم برہم ہوگئی ہے تاہم وہ بالکل نیست و نابود نہیں ہوئی - یہ ممکن ہے کہ وہ پھر سنبھل جائے اور اپنا کام دوبارہ جاری رکھے -

باب یازدہم

انگلستان اور خلافت عثمانیہ

علاوہ دیگر امور کے سلطان عبدالحمید خاں کے لئے خلافت اسلامی بھی اُن کی

پشت پناہ ہے۔ مسلمانان ٹرکی کی اطاعت و جان نثاری اور ممالک دیگر کے راسخ الاعتقاد مسلمانوں کے دلوں میں خلیفۃ المسلمین کی عزت بہت زیادہ ہے اور روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو جو محبت و تعلق ہے وہ منصب خلافت سے ہے نہ کہ اس خاص شخص سے جو کہ خلیفہ ہوا اور جو اوصاف کہ ایک خلیفہ میں ہونا ضروری ہیں اُنکے مطابق ایک سچے خلیفہ کے لئے لازم ہے کہ وہ ایک کامل نمونہ انسانیت کا ہو۔ اگر وہ اسلامی قانون کی شرائط مقررہ پورے طور پر بجا نہیں لاسکتا تو اسی قانون کا حکم ہے کہ مسلمان اُسے معزول کردیں اور جایز ہے کہ ایک ایسا شخص جو عہدہ خلافت کے لئے موزون و مناسب ہو منتخب کریں۔ تاریخ اسلام میں ایسی نظیریں معدوم نہیں ہیں کہ خلیفہ محض انہی مذہبی وجوہ کی بنا پر معزول کیا گیا ہو۔ لہذا خالی از دلچسپی نہ ہوگا اگر میں مجملاً مسئلہ خلافت اور جو اثر اسکا دنیا کے مسلمانوں میں ہے اسکے متعلق اس موقع پر بحث کروں۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ برطانیہ عظمیٰ کے زیر حکومت یا زیر حفاظت مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد ہے۔ بعض واقفکاروں کا بیان ہے کہ اُسکی مسلمان رعایا خاص ترکی گورنمنٹ کی اسلامی رعایا سے پنج چند ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ برطانیہ عظمیٰ کی مشرقی عملداری کی یہ عظیم اسلامی آبادی ایک روز اس امر کے تجویز کرنے میں از حد مفید اور اہم ثابت ہوگی کہ مشرق میں اُسے کس قسم کی پالسی اختیار کرنا چاہیئے۔ سلطان روم اور اُن انگریزی حکام میں جنکا کام اسلامی دنیا میں اپنے ملک کا رعب وداب اور اثر قائم رکھنا ہے۔ آجکل رقابت کے آثار نمایاں ہیں۔ اسی رقابت کی وجہ سے بعض انگریزی اہل قلم اور سیاست دان جسقدر مذہبی اثر کہ سلطان کا ہے اُسے اُس حد سے

کم ظاہر کرنیکی کوشش کرتے ہیں اور بعض خلافت عثمانیہ کے جواز سے انکار کرتے ہیں - لیکن جو کوئی تخت ترکی پر رونق افروز ہو اُسکے اطوار و چال چلن سے قطع نظر کرکے اُسکا دعوی خلافت قطعی طور پر بلا حجت جائز ہے - جو لوگ کہ اس سے انکار کرتے ہیں یا سلاطین عثمانیہ کے اثر کو مسلمانوں میں کم ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اوقات معینہ پر ٹرکی پر بدکلامی کی بوچھار کرتے ہیں جیساکہ شورش آرمینیا کے موقع پر ہوا تھا جس سے شاید یہ غرض ہوتی ہے کہ انگریزی عملداری اور ٹرکی دونوں کی اسلامی آبادی میں ناچاقی پیدا ہو - لیکن میرا تو خیال ہے کہ اس پالسی کا بالکل اُلٹا اثر ہو رہا ہے - برطانیہ عظمی کی مسلمان رعایا میں انگریزی تعلیم بالاستقلال اور یقیناً زیادہ ہوتی جاتی ہے اور اسیلیے یہ لوگ بہت سے مخالفانہ خیالات جو خلافت عثمانیہ کے خلاف انگلستان میں ظاہر یا شائع کیے جاتے ہیں پڑھتے یا سنتے ہیں اور بدگمان اور ناراض ہوتے ہیں - درحقیقت جسقدر زیادہ کہ مخالفت کا اظہار ہوگا اتنی ہی انگلستان کی اسلامی رعایا کی رفاقت خلافت عثمانیہ کے ساتھ زیادہ ہوتی جائیگی - خیالات کا اسطرح برگشتہ ہونا انگلستان کے لیئے کسیطرح مفید نہیں ہوسکتا اگر ممالک مشرقیہ کے کسی حصہ میں دوسری قوموں کے ساتھ کوئی پیچیدگی پیدا ہو - بعض ایسی یورپین طاقتیں بھی ہیں جو اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں اور برٹش گورمنٹ کی بہتری کے خلاف اُسے کام میں لاسکتی ہیں - قیصر جرمنی نے جو تقریر دمشق میں کی تھی وہ لوگوں کی یاد میں ابھی تک بخوبی تازہ ہوگی - اُس تقریر میں جو اُنہوں نے یہ کہا تھا کہ میں تیس کروڑ مسلمانوں کے سردار کا ساتھ دونگا اُس کا ضروریہ منشا تھا کہ اُن کے ملک کا اقتدار مشرق میں زیادہ ہو - جس زمانہ میں کہ بعض اشخاص لارڈ سالسبری سے مصر ہو رہے

تھے کہ انگریزی جہازوں کا بیڑہ ایشیائے کوچک کے پہاڑوں پر چڑھا دیں تاکہ ارمنی حق تلفیوں اور بے انصافیوں کا اس ذریعے سے انتقام لیا جائے مجھ سے ایک انگریز نے جسے اپنے ملک کی عظمت و بزرگی پر حد سے زیادہ ناز تھا اور دوسرے ملکوں کو اسیقدر حقارت سے دیکھتا تھا دریافت کیا کہ "فرض کرو کہ ٹرکی نے اُن مسلمانوں کے جوش مذہبی کو اشتعال دی جو کہ ہمارے ماتحت ہیں تو وہ کر ہی کیا سکتے ہیں؟" اور پھر اور بھی زیادہ تیقن کے ساتھ کہا "ہم انہیں ہر وقت اور ہر موقع پر فرو کر سکتے ہیں" میں نہیں خیال کر سکتا کہ ٹرکی کا اس میں کوئی فائدہ ہو سکتا ہے کہ وہ برطانیہ عظمیٰ کی اسلامی رعایا کو بھڑکانے کی کوشش کر کے اُس گورنمنٹ کو برگشتہ خاطر کرے۔ پس کوئی معقول وجہ نہیں کہ وہ بداندیش حاسدانہ برتاؤ خلافت عثمانیہ کے خلاف اختیار کیا جائے جو کہ بعض انگریزوں نے پسند کیا ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ زمانہ کے انگریزی مدبروں میں موجودہ نسل کے اشخاص کی بہ نسبت ضرور صحیح و معقول تر مدبرانہ اوصاف تھے اسلئے کہ خلافت کے رسوخ کے ذریعہ سے وہ اپنے ملک کو فائدہ پہونچاتے تھے۔ مثلاً فتح ہندوستان کے ابتدائی زمانہ میں انگریزی سفیر متعینہ ٹرکی نے بابعالی سے اس امر کی درخواست کی تھی کہ وہ انگلستان کے حق میں ہندوستان کے بعض مسلمان فرمانرواؤں سے سفارش کرے۔

پولیٹکل پہلو سے درگذر کر کے ٹرکی کے دعوی خلافت کے جواز کے متعلق اب میں کچھ کہونگا۔ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے بعض انگریز اہل قلم اس قسم کے فقرے استعمال کرتے ہیں مثلاً "سلاطین عثمانیہ کے خلافت مسلمین کے متعلق جھوٹے دعوے" وغیرہ۔ جب تک کہ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا حصہ اس دعوے کو صحیح تسلیم

کرتا ہے تو متعصب خارجی اشخاص کی جانب سے اُسکے متعلق شک کرنے کی
کوششوں کی کیا وقعت ہوسکتی ہے؟ بحث کی جاتی ہے کہ اہل تشیع اس خلافت
کے قائل نہیں ہیں ۔لیکن اسوقت قوی آثار نمایاں ہیں کہ وہ جلد تر یا کچھ دیر بعد
مذہبی اسباب سے نہیں تو پولیٹکل وجوہ سے اُسے ماننے لگین گے اس لئے
کہ باقیماندہ اسلامی آزادی کے ناپید ہونیکا خوف سنی اور شیعہ دونوں کی نظروں میں
اسوقت بہت بڑا دکھائی دے رہا ہے ۔ایک دلیل جو خلافت عثمانیہ کے خلاف
پیش کی جاتی ہے یہ ہے کہ خلیفہ کو قوم قریش یعنی آنحضرت صلعم کے اپنے
قبیلہ اور آپکی اولاد میں سے ہونا چاہیئے ۔اغلب ہے کہ جو حدیث کہ اسکے متعلق
پیش کی جاتی ہے وہ موضوع ہو اسلئے کہ آپ کی طرح منصف و حق پرست واضع
قانون اپنے خاندان اور قوم میں حق خلافت محدود کرکے اظہار پاسداری نفرماتے
آپکے اصول کے مطابق ہم مذہب ہونا ہم قوم ہونے کے برابر ہے اور اپنے پیروں
میں کامل جمہوری مساوات قائم فرمائی گو وہ کسی رنگ و قوم کے ہوں اور سب کو
اُمتی فرمایا ۔اسلئے ضروری نہیں ہے کہ خلیفہ پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم
کی نسل سے ہوں۔علاوہ برین آپ نے اولاد نرینہ نہیں چھوڑی اور قانون اسلامی
کے مطابق لڑکی کو حق خلافت حاصل نہیں ہے۔

دوسری قوی دلیل وہ مدت دراز ہے جب سے کہ سلاطین عثمانیہ خلیفہ کہلاتے
آئے ہیں ان سلاطین نے سب سے پہلے یہ لقب ۱۵۱۷ء میں سلطان سلیم اول
کے مصر فتح کرنے کے زمانہ میں اختیار کیا تھا جبکہ مقدس مقامات مکہ معظمہ و مدینہ منورہ
کی کنجیاں بمقام قاہرہ ایک سفارت نے جو کہ حجاز سے سلطان موصوف کو خلیفہ تسلیم

کرنے کے لیے آئی تھی انہیں حوالہ کیں۔ اُسوقت سے اب تک سلاطین عثمانیہ علی التواتر اس لقب سے نامزد ہوتے آئے ہیں اور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے نگہبان رہے ہیں۔ تب ہی سے صوبجات مکہ و مدینہ سلطنت عثمانیہ میں کلیتہً شامل رہے ہیں۔ خلیفہ کے لیئے یہ ضرور ہے کہ وہ خود مختار ہو اور خصوصاً متذکرۂ بالا مقدس مقامات کا بھی فرمانروا ہو۔ اس سے یقیناً ہرگز کام نہیں چلنے کا کہ ایک عرب کسی غیر اسلامی طاقت کی طرف سے خلیفہ اسلام مقرر کیا جائے اس قسم کی ضرر رسان تحریکیں صرف اُس پولیٹکل مخاصمت کا اظہار ہے جو کہ بعض افراد انگلستان میں خلافت عثمانیہ سے رکھتے ہیں۔ ایک حد سے زیادہ محب وطن شام کے وقت شائع ہونے والے انگریزی اخبار نے ایک مرتبہ لکھا تھا کہ انگریزی راج سے بہتر کوئی دوسرا خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ تمام مسلمانوں کو اس امر پر مجبور کرنا کہ وہ انگریزی راج کو اپنا اعلیٰ ترین مذہبی سردار مانیں اُسیقدر ناممکن اور مضحکہ انگیز ہے جیسا کہ انگلستان کو مسلمان کرنے کی کوشش کرنا۔ اگر انگریزوں کو واقعی سچی حب الوطنی ہے کہ اسلامی دنیا میں اپنے ملک کے فوائد اور اقتدار کی حفاظت کریں اور اُنہیں ترقی دیں تو چاہیئے کہ خلافت عثمانیہ پر حملہ نکیا کریں بلکہ اُسکے اثر کا اچھا استعمال کریں۔

باب دوازدہم

آخری مرتبہ ایشیائے کوچک جانا

اس زمانہ میں جب کہ میں ایک معقول رقم بسر اوقات کے لئے اُس کام سے جو کہ

میرے یوروپین آشناساؤن نے جنکا میں پیشتر ذکر کرچکا ہوں میرے سپرد کیا تھا حاصل کرنا تھا میں نے اسی میں آسائش دیکھی کہ پیرا میں مکان کرایہ لیکر سکونت اختیار کروں جو کہ قسطنطنیہ کا وہ حصہ ہے جہاں کہ یوروپین اشخاص بود و باش کرتے ہیں غیر ملک کے لوگوں کے درمیان رہنے کی وجہ سے قصر یلدز سے تعلق رکھنے والے بعض اشخاص نے شاید مجھے اس قابل سمجھا ہو کہ مجھ پر نگاہ رکھیں ۔ مجھے شبہہ ہونے لگا گو میں یقیناً نہیں کہہ سکتا تھا کہ میری حرکات پر پوشیدہ اشخاص ہمایہ فگن تھے ۔ میں نے اپنے انگریز دوست کو جو اخبار لنڈن ٹائمز کا اسوقت نامہ نگار تھا اطلاع دی کہ مجھے خوف ہے کہ مخبر میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ وقت آگیا کہ اپنا ارادہ قدیم انگلستان جانے کی نسبت پورا کروں ۔ اُس نے مجھ سے اس بارہ میں تو اتفاق کیا کہ میرا ٹرکی سے چلا جانا مناسب تھا لیکن اس امر سے مجھے متنبہ کیا کہ جب تک پہلے سے کسی ذریعہ معاش کا انتظام نکر لو یہ ایک نہایت ہی خطرناک بات ہے کہ اپنا کام اپنی امیدیں اور موقعے وطن میں چھوڑ دو اور ایک ایسے ملک کو جاؤ جس سے کہ تم مطلق آشنا نہیں ۔ لیکن ایک بڑا وسوسہ میرے دل میں خودبخود پیدا ہوا کہ میں ہی کبھی نہ کبھی مورد عتاب سلطانی ہونگا ۔ پس چونکہ موسم گرما کی تعطیل قریب تھی میں نے خیال کیا کہ کم ازکم قسطنطنیہ سے تھوڑے عرصہ کے لیئے چلا جانا ہی بہتر ہوگا ۔ میرے انگریز دوست نے اناطولیہ کی ریلوے لائن کے ڈائرکٹر کے پاس مجھے سفارشی خط دیا ۔ یہ ریل اسوقت تازہ جاری ہوئی تھی ۔ ڈائرکٹر نے مجھکو درجہ اول کا ٹکٹ مفت انگورا جانے کے لیئے دیا جسے کہ کئی سال سے میں نے نہیں دیکھا تھا

چند روز بعد بندرگاہ قسطنطنیہ کو پار کرکے میں ایشیائی ساحل کی طرف
چلا گیا۔ اور اسٹیشن حیدر پاشا سے ریل میں سوار ہوا جو کہ قلب ایشیائے کوچک
کی طرف مجھے فوراً لے چلی۔ لنڈن اور گلاسکو کے درمیان جسقدر فاصلہ ہے
اُس سے حیدر پاشا سے انگورا تک کی مسافت کم ہے لیکن ڈاک پورے
دو روز میں پہونچتی ہے۔ اس جرمن ریلوے کمپنی کو مسافروں کی آسایش کا
چنداں لحاظ نہیں معلوم ہوتا۔ پہلے روز نصف راہ طے کرکے شام کو یہ ٹرین ٹھہر جاتی
ہے اسلئے کہ رات کو اسکے چلانے کی اجازت نہیں ہے اور دوسری شب کو متعدد
موقعوں پر اسباب اور ٹکٹ کی تکلف دہ جانچ پڑتال کے بعد مسافر انگورا پہونچتے
ہیں۔ جبکہ اناطولیہ لائن اولاً انگورا تک بنی تھی تو لوگوں کا عام خیال یہ تھا کہ عرصہ
دراز کی مجوزہ خاص بڑی لائن دار الخلافہ سلطنت عثمانیہ سے خلیج فارس تک
انگورا ہی ہو کر جائیگی۔ لیکن ایسا نہوا اور اس لائن کا رخ اسکشہر جاکر بدل جاتا ہے
جو کہ قسطنطنیہ اور انگورا کی نصف راہ پر واقع ہے اور وہاں سے ریل جانب جنوب
قونیہ کی طرف جاتی ہے۔ بلاشک بہت سے لوگوں کو یاد ہوگا کہ جو تجویز یورپ اور
مشرق قریب اور ہندوستان کے درمیان مسافت کم کرنے اور سفر کو آسان کرنے
کی اس ذریعے سے سوچی گئی تھی کہ ایک بڑی ریلوے لائن ایشیائی ٹرکی سے ہوکر بنائی
جائے اُسکے مجوز سب سے پہلے انگریز انجنیر تھے اور گورمنٹ برطانیہ اسکی موید تھی۔
لیکن یہ تجویز عملی صورت اختیار نکر سکی۔ اہل جرمن نے جو کہ انگریزوں کے ہاتھ سے
نکلے ہوئے تمام تجارتی اور پولیٹکل رسوخ کو دبا لینے کے لیئے ہمیشہ مستعد رہتے ہیں
اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیا اور سلطنت عثمانیہ سے ہوکر ہندوستان کو

جانے کا وہ راستہ جو خصوصیت کے ساتھ انگریزی ہوتا اب اہل جرمن کے تحت میں ہوگا - میں یہ نہیں جانتا کہ اس لائن کا جرمن قبضہ میں چلا جانا انگلستان کے لئے باعث نقصان ہے یا نہیں لیکن میرے ہموطنوں کو تو درحقیقت نقصان ہوا کہ یہ کام کسی انگریزی کمپنی کے ہاتھ میں نہوا اسلئے کہ وہ جانتے ہیں کہ انگریزوں کے ساتھ کاروبار میں طرفین کو فائدہ پہونچنا اچھی طرح ممکن ہے برخلاف اس کے اہل جرمن کے ساتھ معاملہ کرنے میں جو کہ جملہ طماع یوروپین اقوام سے زیادہ حریص ہیں گورنمنٹ ترکی جو کچھ دیگی اُسکے عوض اُسے کچھ ملنے کی کم امید ہے -

روانہ ہونے کے دوسرے دن شام کو ٹھیک غروب آفتاب کے وقت ریل انگورا پہونچی - میں نے گاڑی کی کھڑکی سے دیکھا کہ شہر کے بعض خام مکان اور قلعہ کی دیواریں سفید اور چمک رہی تہیں - اولاً مجھے خیال ہوا کہ نئی عمارتیں تھیں جنکا تعمیر ہونا ریل کے جاری ہونے کی وجہ سے ملک کی سرسبزی کی علامت تھی - لیکن جلد مجھے اپنی غلطی معلوم ہوگئی - اصل میں گورنر جنرل نے حکم دیا تھا کہ ریل کے باقاعدہ جاری ہونے سے پہلے میونسپلٹی قلعہ کی اور اکثر باشندے اپنے مکانوں کی سپیدی کرائیں - گورنر کا نام عابدین پاشا تھا اور آجکل وہ ترکی مجمع الجزائر کے والی ہیں - وہ قوم کے البینین ہیں اور اولاً ایتھنز میں تعلیم پائی - قدیم یونانی زبان میں وہ اشعار لکھ سکتے ہیں اور زبانداں اور عالم سمجھے جاتے ہیں -

آخیر مرتبہ جو میں ایشیائے کوچک آیا تھا اُس وقت سے اب تک کئی سال کا زمانہ گذر چکا تھا اور اس عرصہ میں بڑی بڑی تبدیلیاں اس حصۂ ملک میں واقع ہوئی تھیں - مثلاً انگورا میں محکمہ جنگلات[۵۱] قائم ہوا تھا اور دو خاص رسمونیں

[۵۱] اخبار لیوانٹ ہرلڈ مطبوعہ ۱۸ جولائی ۱۹۰۴ء میں جو زبان انگریزی قسطنطنیہ سے شائع ہوتا ہے مفصلۂ ذیل

جن موقعوں پر کہ لوگ کثرت سے جمع ہوا کرتے تھے ترمیم کی گئی تھی - ان میں سے ایک تو شادی کا جلسہ تھا اور دوسرا وہ جنگی کھیل جو کہ جریدہ کے نام سے مشہور تھا - کہا جاتا تھا کہ اول الذکر کے متعلق سادگی اختیار کرنے کے لئے حکم سلطانی اسلئے نافذ ہوا تھا کہ ایسے موقعوں پر لوگ برباد کن اخراجات کے مرتکب ہوتے تھے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۳ - مضمون "صنعتی مدارس عثمانیہ" پر شائع ہوا ہے جو دلچسپ ہے -

کچھ عرصہ سے گورنمنٹ عثمانیہ حسب الحکم ہز میجسٹی سلطان المعظم اس مسئلہ پر غور کر رہی ہے کہ سلطنت کے ٹکنیکل مدارس زیادہ کئے جائیں تاکہ لائق دستکار اور ایک صنعتی اسٹاف ایسا تیار ہو جائے جو مختلف صوبجات کے خاص خاص شہروں کے مجوزہ خاص مدارس صنعت و حرفت کے معلم بنائے جا سکیں - کسی پہلو سے اس تجویز پر نظر کیوں نہ ڈالی جائے امید ہے کہ اس سے بہترین نتائج پیدا ہونگے اور چونکہ یہ مسئلہ زیر تجویز ہے مناسب ہے کہ احتیاط کے ساتھ اسکی ذرا ذرا سی تفصیل پر غور کیا جائے اسلئے کہ اگر اسکی اہمیت پوری طرح نہ سمجھی جائے تو ممکن ہے کہ صرف ایک ادھوری تدبیر پر عمل درآمد ہو اور ادھوری تدابیر سے عموماً بہ نسبت فائدہ کے نقصان زیادہ ہوتا ہے - صنعتی علوم کے بارہ میں اور علی الخصوص لوہے کی صنعت کے متعلق "مدرسہ فنون و حرفت استنبول" جو کہ زیر نگرانی موسیو فور فرانسیسی انجنیر بہر صورت مغربی یورپ کی اسی قسم کی درسگاہوں کے ہم پلہ ہے صوبجات کے مجوزہ مدارس کے لیے نمونہ بنایا جا سکتا ہے - اسی مدرسہ میں یہ انتظام بھی کیا جا سکتا ہے کہ ریلوے انجنیر تیار کئے جائیں تاکہ تمام سلطنت میں آجکل کی بہ نسبت ریلیں ارزاں طور پر بنائی جا سکیں - حجاز ریلوے جو کہ حسب الحکم سلطان المعظم اسوقت بن رہی ہے ایک نمایاں مثال اس امر کی ہے کہ ٹرکی میں ریل سازی کے بارہ میں کہاں تک کام کیا جا سکتا ہے - مزید براں کس قدر فائدہ عظیم گورنمنٹ کو ہوگا اگر ملک کی تمام معادن

اوراس باعث سے ارمنی و دیگر مہاجنوں کے پنجہ میں گرفتار ہو کر اُن کے جور اور زیادتیوں کا
شکار بنتے تھے۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ ایشیائے کوچک میں زوجہ کے نان و نفقہ
میں زیادہ خرچ نہیں ہوتا لیکن لوگوں کو شادی کے موقع پر بڑے بڑے جلسے
دینے کا شوق ہے۔ شادی کے چند روز بیشتر امیروں اور غریبوں کی بڑی بڑی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۴ - سرکاری انجنیروں کے ذریعہ سے چلائی جائیں۔ اگر تھوڑی دیر کیلئے
فرض کر لیا جائے کہ مدارس معادن او رجنگلات گذشتہ دس سال سے سلطنت میں موجود ہوتے
(اور وہ صرف کافی ہوتے) تو اُسوقت تک گورنمنٹ عثمانیہ کو ایک گروہ لائق انجنیروں کا
ملگیا ہوتا جسکی زیر نگرانی ملک کے مختلف صوبجات کی بیش بہا کانیں ہوتیں اور اُس نے اپنا کام
غیر ملک کے معادنی اجارہ داروں سے زیادہ تر ایمانداری سے سرانجام کیا ہوتا۔

ایک بڑی مشکل ٹکنیکل مدارس کے متعلق اُن کے لیے معلموں کا مہیا کرنا ہے۔ یہ لازمی
بات ہے کہ مثل دوسرے ملکوں کے ٹرکی بھی اس قسم کے مدارس کے بنیادی اُصول
اور اُن میں طریقۂ تعلیم کی تجویز کے لئے ایک غیر ملک کے ماہر فن سے مدد لے لیکن یہ صرف
ایک محدود وقت کے لئے۔ اسلئے کہ ان ہی مدارس میں ایسے اشخاص پیدا ہو جائینگے
جو اسی قسم کی دیگر درسگاہوں میں معلم بنائے جاسکیں اور اسکے بعد خارجی اشخاص کی
ضرورت نہ رہیگی۔ ترک خصوصیت کے ساتھ اہل صنعت و حرفہ ہیں۔ مشرقی صنعت کی
ہمیشہ سے عام طور پر تعریف ہوتی آئی ہے بلکہ مغربی صنعت کے لیے اُس نے اکثر
نمونہ کا کام دیا ہے۔ سلطان المعظم کو اس امر کا فخر ہے کہ اپنی سلطنت میں وہ فنون کی
محافظت کرتے ہیں اور اسی غرض سے قالین بافی اور کشیدہ کاری کو دوبارہ زندہ کرنے کی
آپ نے تجاویز کی ہیں۔ پورسلین (اعلیٰ قسم کی چینی) کے برتن بنانیکا کارخانہ جاری

جماعتوں کی دعوتیں کی جاتی اور انکو کھانے کھلائے جاتے ہیں اور اُن کی تفریح کے لیے باجے اور تماشوں کا انتظام کیا جاتا ہے - ایک لمبی چوڑی بارات شہر کے خاص راستوں کا دورہ کرتی ہے اور دولہا دولہن بھی بند پالکیوں میں جو کہ خچروں اور گھوڑوں پر رکھی جاتی ہیں ہمراہ ہوتے ہیں - شب کو آتشبازی چھوڑی جاتی ہے اور مشعلوں کی روشنی کی جاتی ہے اور دن کے وقت مقامی پہلوان کشتی کے کرتب دکھلاتے ہیں - کشتی ترکی میں قدیم اور مرغوب ترین ذریعہ تفریح ہے اور صوبجات میں تمام طالب علم اور بڑی تعداد جوان اشخاص کی اسکی مشق کرتی ہے - صوبجات کے ترکوں کی جسمانی قوت کو ترقی دینے کا یہ مفید ترین ذریعہ ہے - بارات

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۵ - جاری کیا گیا ہے جس سے تھوڑے عرصہ میں نمایاں ترین نتائج ظاہر ہوئے ہیں - یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اس شاہی کارخانہ میں صرف اشخاص رعایائے سلطانی ملازم ہیں اور جن لوگوں نے وہاں کی بنی ہوئی چیزیں دیکھی ہیں اُن کی بیحد تعریف کرتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ اس زمانہ کے عثمانی کاریگر اپنے کام میں ویسے ہی ہوشیار ہیں جیسے کہ زمانہ قدیم میں تھے - لیکن ملک کے لئے صرف اسی قسم کی صنعت کی ضرورت نہیں ہے ساتھ ہی یہ بھی ہونا چاہیئے کہ کاشتکاری تجارت اور حرفت کو ترقی دی جائے اور آخر الذکر کے لیے صنعتی مدارس کا ہونا لازمی ہے - استنبول کے "مدرسہ فنون و حرفت" کے نصاب میں اگر کچھ اضافہ کر دیا جائے تو علم جر ثقیل کے قابل انجنیر پیدا ہو جائیں اور وہ اُن کارخانوں کے افسر بنا دئے جائیں جہاں کہ آلات کتنا ورزی و دیگر کلیں تیار ہوں - اسکے بعد ترکی کو دو سرے ملکوں سے اس قسم کی چیزیں منگانے کی ضرورت نہ رہیگی -

محمد حسن خاں

اور اُن دیگر تماشوں میں ڈھول اور قرنا متواتر بجائے جاتے ہیں اور بعض وقت ایک قسم کی بیگ پائپ ۵۷ (ایک وضع کی پونگی جو کہ انگلستان کے گورے اور گورکھا سپاہی بجاتے ہیں) بھی بجائی جاتی ہے جو کہ مرغوب ترین اور درحقیقت ایک ہی باجا زیب [illegible]

۵۷ مشرقی لوگوں کو کوئی یوروپین باجا اتنا پسند نہیں ہے جسقدر کہ بیگ پائپ۔ مغرب کے بڑے بڑے سازندوں کی معمولی یوروپین باجوں پر اُستادانہ کارسازی کو سمجھنے اور اُسکی تعریف کرنے میں ایک اوسط درجہ کے مشرقی باشندہ کو بہت عرصہ لگتا ہے۔ لیکن بیگ پائپ سے فوراً اُسے دلبستگی ہو جاتی ہے اور اُسکے سننے سے وہ شاد ہی ہوتا ہے۔ بیگ پائپ اور ایک خاص مشہور مشرقی باجے کی آواز اور جس طرز سے کہ وہ بجایا جاتا ہے دونوں میں بہت زیادہ مشابہت ہے۔ اس مشرقی باجے کو زیادہ تر ترک۔ عرب۔ کرد اور ارمنی لوگ بجاتے ہیں تاہم اس باجے اور بیگ پائپ کی شکل و صورت و ساخت میں بہت فرق ہے۔ اول الذکر کا تھیلا بھیڑ کے چمڑے کا ہوتا ہے اور علاوہ اُس نلی کے جو منہ میں لیکر بجاتے ہیں صرف ایک بڑی بانسری ہوتی ہے جس سے تمام سر نکلتے ہیں۔ سازندہ پھولی ہوئی بھیڑ کی کھال کو سینے سے لگاکر اور اپنے بائیں بازو کے اوپر کے حصہ سے اُسے سنبھالکر اپنی انگلیاں اُس بانسری کے سوراخوں پر اوپر نیچے پھیرتا ہے۔ اس باجے کی آواز دوسرے مشرقی باجوں کی طرح یوروپین اشخاص کو بے لطف اور بے سر معلوم ہوتی ہے لیکن معمولی مشرقی اشخاص اس سے خوش ہوتے ہیں خوشی کے موقعوں اور تقریبوں پر یہ عام بات ہے کہ بہت سے ادھیڑ اور جوان لوگ ایک دائرہ بناکر ناچتے ہیں اور پونگی اور ڈھول کی آواز متواتر گونجتی رہتی ہے۔ اس باجے کا اصلی وطن دریافت کرنا یعنی یہ کہ اسکی ابتدا کہاں سے ہوئی مشکل ہے۔ لیکن یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ شاید مغرب ہی وہ لوگ اسے لائے ہونگے جو کہ صلیبی جہادوں میں شریک ہوکر مشرق گئے تھے یا یہ کہ مشرق والوں نے انہیں سے اسے نقل کیا ہو اور پھر اس میں ترمیمیں کر دیں۔

کے لوگوں اور دہقانیوں کا ہے ۔ قدیم قومی کھیل جریدکی جسے دیکھنے کے لئے ایک
مجمع کثیر تماشہ دیکھنے والوں کا جمع ہوا کرتا تھا میں ۔نے اِس مرتبہ جاکر سنا کہ انگورا میں
ممانعت ہوگئی تھی ۔ ٹرکی کے ایشیائی حصہ کے ہر شہر میں یہ کھیل نہایت ہی مقبول
عام تھا ۔ جمعہ کے روز سہ پہر کے وقت جب مسجدوں میں نماز جمعہ ختم ہوجاتی
تو لوگ سدھے ہوے گھوڑوں پر سوار ہوکر اور متعدد لنبی اور بھاری چھڑیاں لیکر شہر
کے باہر چلے جایا کرتے تھے ۔ یہ کھیل صرف مضبوط اور طاقتور لوگوں کے لینے
ہے ۔ کھیلنے والوں کے لیے دو باتیں لازمی طور پر ضروری ہیں اولاً یہ کہ وہ
شہسوار ہوں اور جسوقت کہ گھوڑا تیز دوڑ رہا ہو اپنی لکڑیاں سیدھی اور زور سے
پھینکنے میں مشاق ہوں ۔ تقریباً بیس بیس آدمی ایک ایک جانب اور بیس گز کے
فاصلہ پر ہوتے ہیں تماشائی کسی اونچی جگہہ سے کھیل کو دیکھتے ہیں جہانکہ دوڑتے
اور جد وجہد کرنے والے گھوڑوں کے پیچھے کچل جانے کا خوف نہیں ہوتا کھیل
ایک شخص اسطرح شروع کرتا ہے کہ گھوڑا دوڑا کر اپنی جانب سے آگے بڑھتا ہے
اور مخالف جماعت کے اشخاص میں سے ایک پر اپنی لکڑی پھینکتا ہے لکڑی پھینکتے
ہی اُسکا تعاقب کیا جاتا ہے ۔ تعاقب کرنے والے بھی اسی طرح اپنی اپنی لکڑیاں
پھینکتے ہیں اور کھیل جاری رہتا ہے ۔ اُسمیں کسی قسم کی بے ترتیبی اور بے ایمانی
نہونی چاہیئے اور ہر شخص کو دلیری کیساتھ کھیلنا چاہیئے یہ ہرگز نہیں چاہیئے کہ مخالفونکے سر قصداً
لکڑیوں کا نشانہ بنائے جائیں ۔ کھیلنے والونکو اجازت ہے کہ جسطرح چاہیں لکڑیوں
کی ضرب سے اپنے تئیں بچائیں اور چوٹ سے بچنے کے لئے وہ پر از خطر کرتب
دکھاتے ہیں مثلاً زین سے علیحدہ ہوکر دوڑتے ہوئے گھوڑوں کی گردن اور شکم کی

جانب جھک جاتے ہیں - کھیلنے والوں میں سے جو شخص کہ اپنی سب لکڑیاں پھینک چکتا ہے مجاز ہے کہ زمین پر جو چھڑی پڑی ہوا اُسے یا تو ایک لکڑی سے جسکے ایک سرے پر ہک لگا ہوتا ہے یا چالاکی سے گھوڑے پر سے جھک کر جھپٹ کر ہاتھ سے اُٹھا لے بعض وقت ایسا ضرور ہوتا ہے کہ دو مخالفوں کے گھوڑے آپس میں ٹکرا جاتے ہیں اور دونوں شخص گر جاتے اور اکثر تو گھوڑوں کے نیچے آجاتے ہیں - سب سے زیادہ دلچسپ اور جوشیلا طریقہ اس کھیل کے کھیلنے کا اُس شخص کا ہوتا ہے جسکا گھوڑا غیر معمولی طور پر تیز ہو - یہ شخص اپنے مخالف پر چھڑی پھینک کر اپنی صف کی طرف واپس نہیں دوڑ جاتا بلکہ کھلے میدان کی جانب جسقدر تیزی کے ساتھ ممکن ہے گھوڑا دوڑاتا ہے - بعض مخالفین دور تک اُسکا پیچھا کرتے ہیں حتیٰ کہ یا تو اُسے پکڑ لیتے ہیں یا وہ بچکر نکل جاتا ہے -

اس مرتبہ جو میں انگورا گیا تو یہ کھیل موقوف ہو گیا تھا اسلئے کہ چند سنگین حادثے پیش آئے تھے جن میں کئی جانیں ضائع ہوئی تھیں اور گورمنٹ نے اسکی ممانعت کردی تھی - ان سب ممانعتوں کو دیکھکر شاید میں نے کسیقدر خلاف مصلحت اور کھلے الفاظ میں گورمنٹ پر نکتہ چینی کی - اسپر میرے ایک عزیز نے وہ پرانی مثل یاد دلائی کہ کہ "انسان کی سلامتی زبان کو روکنے میں ہے" میں نے ایشیائے کوچک میں زیادہ قیام نکیا اپنے معاملات طے کرکے اسباب باندھنا شروع کیا اور قسطنطنیہ واپس آیا جہاںکہ ٹرکی سے بھاگ جانے کے نسبتاً بآسانی ذریعے ملسکتے ہیں - ہم لوگوں میں ہر سمجھدار شخص کا یہ فرزندانہ فرض ہے کہ کتنی ہی عمر اُسکی کیوں نہ ہو اُسے چاہئے کہ کسی قسم کی قسمت آزمائی کرنے سے پہلے اپنے والدین کی رضامندی حاصل کرے - لہذا احتیاط کے ساتھ اور پوشیدہ طور پر میں نے اپنی والدہ سے انگریزوں کے ملک کو جانے کا

ارادہ ظاہر کیا۔ وہ بیچاری اس خیال کو سنتے ہی ڈر گئیں اور مجھ سے اس قسم کے سوالات کرنے لگیں۔ تمہاری نگرانی کون کریگا؟ اگر اس بعید اور بیگانہ ملک میں تم بیمار ہوئے تو کون تمہارا خبرگیراں ہوگا؟ اور اگر خدانخواستہ تم نے وہاں وفات پائی تو کیا چاہو گے کہ بیدینوں کے رسوم کے مطابق دفن کئے جاؤ؟ لیکن انہیں شاید یہ خیال نہ گذرا کہ جن خدشوں کا انہوں نے ذکر کیا تھا ان سے بڑھکر بھی ایک خطرہ تھا اور وہ یہ کہ ایک غیر ملک میں محتاج اور تہیدست ہونا۔ یہ احتمال ایسا لگا ہوا تھا جس سے کہیں سب سے زیادہ ڈرتا تھا اسلئے کہ میں جانتا تھا کہ جو شخص مملکت عثمانیہ سے بلا اجازت باہر جائے تو وہ اس ذریعہ معاش پر بھروسہ نہیں کرسکتا جو کہ وطن میں رکھتا ہو لہذا جبکہ میں قسطنطنیہ واپس جانے کی تیاری کر رہا تھا میری والدہ منتیں کرتی تھیں کہ انگلستان جانے کے ارادہ سے میں باز آؤں۔ ان کی تشفی کے لئے میں نے ایک معیوب بات یہ کی کہ ان سے گریز آمیز وعدے کئے جنکے میرے نزدیک کچھ معنی نہ تھے۔

باب سیزدھم

جاسوس بازاری حمام میں

قسطنطنیہ واپس آکر میں نے تصفیہ کیا کہ کم و بیش عزلت کی زندگی بسر کرونگا تاکہ اگر ممکن ہو تو سرکاری مخبروں کا شکار ہونے سے محفوظ رہوں۔ ایک سال بلاکسی تازہ خوف و خطر کے گذر گیا اور اس درمیان میں کوئی آسان موقعہ ملک چھوڑنے کا نہ ملا مجھے اب اطمینان ہو چلا تھا کہ جو احتیاط اسبارہ میں میں کر رہا تھا اسکی وجہ سے کوئی ناگوار

خاطر واقعہ پیش نہ آئیگا کہ ایک شب میں یہ دریافت کرکے گھبرا گیا کہ جاسوس درحقیقت میری بربادی کے لئے میرے خلاف سازش کر رہا تھا۔ یہ واقعہ ایک ترکی حمام مین پیش آیا اس سے پہلے کہ میں یہ تشریح کروں کہ یہ امر کس طرح ظہور میں آیا میں اس جگہہ ترکی حماموں کی کیفیت بیان کرونگا۔ ترکی وضع کے حمام انگلستان میں نہایت مرغوب خاطر ہیں اور ممکن ہے کہ میرے ناظرین میں ایسے اشخاص بھی ہوں جو کہ ٹرکی میں جو حماموں کی حالت ہے اُس سے کچھہ واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہوں۔ کیا ٹرکی مین ترکی حمام سے لوگ واقف ہیں؟ جو سیاح مشرقی ممالک سے واپس آتے ہیں اُن سے انگریز اکثر یہ عجیب وغریب سوال کیا کرتے ہیں یہ سچ ہے کہ انگلستان کے نام کے ترکی حمام اور ٹرکی کے حماموں کی ظاہرا شکل وصورت اور انتظام میں زیادہ مشابہت نہیں ہے۔ باہر سے آخرالذکر حمام کسیقدر مقبرہ نما گنبد دار عمارت کی طرح دکھلائی دیتا ہے۔ اُسکی چھت پر جو چھوٹے چھوٹے گنبد ہوتے ہیں اُنمین بیچ کا گنبد سب سے زیادہ بلند ہوتا ہے اور اُسمین بہت سے چھوٹے چھوٹے روشندان ہوتے ہیں۔ حمام کی چوڑی دیواروں میں کھڑکیان نہیں ہوتین۔ اسلئے کہ خیال کیا جاتا ہے کہ اگر ایسا کیا جائے تو بیرونی ہوا اندر داخل ہو کر حمام کی حرارت کو یکسان نہ رھنے دیگی جسکا کہ ایک حالت پر رکھنا ضروری خیال کیا جاتا ہے پس اکثر اوقات حمام میں دم رُکتا ہے چونکہ تبدل ہوا نہایت آہستگی کے ساتھہ صرف آنے جانے والوں کے اُن دوہرے دروازون کے کھولنے سے ہوتا ہے جو کہ ٹھنڈے داخلہ کے کمرے سے گرم کمرے تک جانے والے راستہ میں لگے ہوئے ہیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ملازمین ہوا صاف کرنے کی غرض سے لوبان جلاتے ہیں۔ اُس بڑے گرم کمرے میں جو وسطی برج کے نیچے ہوتا ہے معمولاً تین بڑے طاق ہوتی ہین در دلتو ہر ایک

بازو ہیں اور ایک سامنے اور دو چھوٹی کوٹھریاں بھی ہوتی ہیں - ان کوٹھریوں اور طاقوں
کی چھتیں ربع کرہ ارض کی شکل کی ہوتی ہیں جنمیں چند چھوٹے چھوٹے شیشے کے
جھروکے لگے ہوتے ہیں اور یہ چھتیں وسطی گنبد کی چھت سے ملی ہوئی ہوتی ہیں
ان سب طاقوں اور کوٹھریوں میں حمام کی وسعت کے لحاظ سے ایک دو یا تین
سنگ مرمر کے برتن دیوار کے نیچے کے حصہ میں لگائے جاتے ہیں اور ہر برتن
میں گرم پانی کی نلیاں ہوتی ہیں - ان برتنوں کے ارد گرد لوگ سنگ مرمر یا لکڑی
کی چوکیوں پر جو فرش سے پانچ چھ انچ کے قریب اونچی ہوتی ہیں بیٹھکر غسل کرتے
ہیں - چھوٹی کوٹھریاں درخواست کرنے سے نج کے استعمال کے لیئے بھی
کرایہ پر لی جاسکتی ہیں ایک ان میں ازحد گرم ہوتی ہے اسلیئے کہ گرم پانی کے خزانہ
کے قریب ہوتی ہے - بعض لوگ اس سب سے زیادہ گرم کوٹھری میں جاتے ہیں نہ
صرف اسوجہ سے کہ وہاں زیادہ پسینہ آتا ہے بلکہ اس باعث سے بھی کہ حمام میں
گرم ترین پانی سے وہ غسل کریں - گرم کمرے میں ٹھیک وسطی گنبد کے نیچے ایک
بڑا گول سنگ مرمر فرش سے دو فٹ اونچا رکھا ہوتا ہے - ہر ایک نہانے والا پانی
کے برتنوں کے قریب جانے سے پہلے اس گول سنگ مرمر پر اسوقت تک
بیٹھا یا لیٹا رہتا ہے جب تک کہ کافی طور پر اُسے پسینہ نہ آئے - جسوقت کہ وہ اس
پتھر پر بیٹھا یا لیٹا ہوتا ہے ایک ملازم آکر گھوڑے کے بالوں کے کھرّے کیسے
سے اُسکا بدن رگڑتا ہے اور مشت مال کرتا ہے - اسکے بعد نہانے والا ان برتنوں
میں سے ایک برتن کے قریب جاتا ہے جو کہ دیوار میں لگے ہوتے ہیں اور وہ ملازم
اُسکے پیچھے ایک بڑا تانبے کا برتن اور ایک بڑا ٹکڑا صابون کا لئے ہوئے جاتا ہے -

اُسوقت نوکر گرم و سرد پانی کی نلیاں کھولدیتا ہے تاکہ سنگ مرمر کے برتن میں جسقدر پانی کی ضرورت ہو لے لیا جائے - پھر وہ نہانے والے کے جسم پر صابون ملکر اُس تانبے کے برتن سے پانی ڈالتا ہے - غسل ختم ہونے کے بعد ملازم اتنے زور سے تالی بجاتا ہے کہ اُسکی آواز دروازہ کے قریب کے کمرے تک پہونچے - تب ایک اور ملازم ایک خشک تولیا لیکر آتا ہے اور نہانے والے کا جسم خشک کرتا ہے اور پھر اور تولیاں اُسپر ڈالکر اور اُسکا بازو پکڑکر اُسے باہر لے جاتا ہے - حمام کے اندر ہر شخص اونچی اونچی کھڑاؤن پر چلتا ہے اس لئے کہ غسل کے بعد اُس فرش کو چھونا نہ چاہیے جسپر کہ استعمال کیا ہوا پانی بہتا ہے علاوہ بریں ننگے پیر سنگ مرمر کے فرش پر چلنا کسیقدر خوفناک بھی ہے اس لئے کہ وہ نہایت پھسلوان ہوتا ہے - گرم کمرے اور دروازہ کے قریب کے کمرے کے درمیان ایک بڑا مربع کمرہ ہوتا ہے جسمین چاروں طرف کئی چارپائیاں بچھی ہوتی ہیں - لوگ بعض وقت اسی کمرے میں کپڑے پہنتے اور اُتارتے ہیں اور خاصکر موسم سرما میں ایسلیے کہ بہ نسبت دروازہ کے قریب کے کمرے کے یہ زیادہ گرم اور ہوا سے محفوظ ہوتا ہے - دروازے والا کمرہ سرد ہوتا ہے اور درمیانی کمرے کی طرح اُسکی ہوا بند اور گھٹی ہوئی نہیں ہوتی -

دروازہ کے نزدیک کا کمرہ بڑی مربع ہوتا ہے جسکی ہر جانب بہت سی چارپائیاں پڑی ہوتی ہیں مالکِ حمام ہمیشہ دروازہ کے قریب اپنی جگہہ پر حقہ یا پائپ پیتا اور لوگوں کو جوکہ نہانے کے لیے آتے جاتے ہیں سلام کرتا رہتا ہے اس کمرے کے وسط میں ایک فوارہ ہوتا ہے جسکا صاف اور سرد پانی متواتر ایک سنگ مرمر کے حوض میں چھپ چھپ کرتا رہتا ہے - موسمِ گرما میں اس پانی میں تازہ پھل اور شربت [illegible]

بوتلیں خریداروں کے لئے ٹھنڈی کرنے کے لئے رکھی جاتی ہیں۔ اسی فوارہ کے
قریب ایک شخص ہمیشہ کوئلہ کی آگ پر قہوہ تیار کرتا ہوا نظر آتا ہے اسلئے کہ بہت سے
لوگ بلالحاظ وقت دن کو ایک چھوٹی پیالی قہوہ کی پینے کے لئے تیار رہتے ہیں
بعض شخص حمام میں بہت دیر تک ٹھہرتے ہیں اور کھانے کے وقتوں پر اکثر ملازم
کھانے کی کشتیاں محلہ کی کھانے کی دوکانوں سے لاتے ہوئے دکھلائی
دیتے ہیں۔

آتشدان کا کمرہ جسمیں شب و روز تمام سال خوب آگ جلتی رہتی ہے عمارتِ
حمام کے پیچھے ہوتا ہے۔ یہ زمین کے نیچے تہ خانہ کی طرح ہوتا ہے اور اسکے فرش
کے ایک بڑے حصہ پر پانی گرم کرنے کے لئے لکڑیوں کا انبار رہتا ہے۔ بھٹی
شکل و صورت میں بہت زیادہ تنور کی مانند ہوتی ہے اور اسکے اوپر ایک بڑا پانی گرم
کرنے کا برتن ہوتا ہے۔ اسمیں ایک جانب سے ٹھنڈا پانی ڈالا جاتا ہے اور
گرم ہونے کے بعد وہ گرم پانی کے خزانہ میں پہونچایا جاتا ہے۔ بہت سے
بے خانماں آوارہ گرد لڑکے موسم سرما میں اس تہ خانہ میں جا کر گھوڑے کی لید کے
انبار پر سوتے ہیں جو کہ لکڑی کے ساتھ جلائی جاتی ہے اور آتشدان کے مقابل
جمع رہتی ہے۔ ان بیچارے لڑکوں کو اس غلیظ جگہ میں سوتا دیکھنا ایک رنجدہ
نظارہ ہے۔ آگ جلانے والے انہیں پناہ لینے کی اسلئے اجازت دیتے ہیں
کہ بلا اجرت ان سے اپنے کام کا سخت ترین حصہ کرا لیتے ہیں۔

بہت سے ترکی حمام دو حصے بنائے جاتے ہیں جنکا ایک حصہ عورتوں کے
لئے مخصوص ہوتا ہے۔ بعض مقامات میں عورتیں ہفتہ میں صرف بعض مقررہ دنوں

میں حمام جاتی ہیں۔ اُن دنوں میں حمام انھیں کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ بعض حمام ایسے بھی ہیں جو ہر روز صبح سے شام کے سات بجے تک مستورات کے استعمال میں رہتے ہیں اور اُسکے بعد مردوں کے کام میں لائے جاتے ہیں۔ اجرت جو ان حماموں میں دینی پڑتی ہے نہایت مناسب ہوتی ہے۔ ایک شخص صرف ایک شلنگ آٹھ پنس (آجکل ۱۲؍ کے برابر ہے) دیکر اچھی طرح غسل بھی کرسکتا ہے اور جب تک جی چاہے وہاں قیام کرسکتا ہے اور وہاں سے رخصت ہونے کے وقت مالک حمام اور ملازمین مودبانہ آداب بجالاتے ہیں۔ مستورات اس سے کہیں کم اُجرت دیتی ہیں یعنی چھ آنے سے زیادہ دینے نہیں پڑتے جسکی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنا ہی صابون تولیاں اور کھڑاویں لیجاتی ہیں۔ جو کچھ کہ اُنہیں دینا پڑتا ہے وہ در حقیقت بانی کی اُجرت اور دو ایک آنے ملازموں کے لئے ہوتے ہیں۔

مردوں کی بہ نسبت عورتیں حمام کو زیادہ جاتی ہیں اور تین تین چار چار یا اس سے بھی زیادہ جمع ہوکر اور ہمیشہ اپنے بچوں کو ساتھ لیکر۔ آٹھ یا نو برس کی عمر سے زیادہ کے لڑکوں کو زنانہ حمام میں جانے کی اجازت نہیں ہے بلکہ اس سے کم عمر کے لڑکے بھی اگر دراز قد ہوں تو بعض وقت منتظمہ حمام اُنہیں دروازہ سے واپس کردیتی ہے۔ یہ منتظمہ ہمیشہ سخت درشت عورت ہوتی ہے اور اس قسم کے دراز قد لڑکوں سے عموماً سوال کرتی ہے "ماشاءاللہ! کیا تمہارا باپ بھی آرہا ہے؟" اور لڑکے کی ماں کیجاتب سے کچھ ہی رد و بدل اُسکی اصل عمر کے بارہ میں ہو وہ ایک نہیں سنتی۔ زنانہ حمام میں ہمیشہ بھیڑ رہتی ہے اور دیواروں میں لگے ہوئے برتنوں کے استعمال کے لئے جھگڑا اور تکرار غیر معمولی بات نہیں ہوتی۔ عورتوں کی چلی پکار بچوں کے شور و غل سے ملی ہوئی جو کہ

گرم کمرے سے باہر آنے کے لئے جہانکہ دم رکتا ہے مضطرب ہوتے ہیں ممکن ہے کہ باہر تک سنائی دے - اس سے ٹرکی میں وہ مشہور ضرب المثل پیدا ہو گئی ہے جو ایسی صورت میں استعمال کی جاتی ہے جبکہ لوگوں کا پر از شور و شغب مجمع ہو اور اسمیں بہت سے اشخاص ایک ہی وقت گفتگو کرنے کی کوشش کریں - ایسی حالت میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ وہ مقام زنانہ حمام بنگیا تھا" جب عورتیں حمام کو جاتی ہیں تو وہاں تمام دن قیام کرتی ہیں اور ایسے موقعوں پر بیچارے شوہروں کو اچھی طرح شام کا کھانا نہیں ملتا مرد کم از کم پندرہویں روز غسل کرنیکے لئے حمام[ف] کو جاتے ہیں لیکن اس سے بھی کم وقفہ میں خاصکر موسم سرما میں اُس طہارت کے لئے جسکا مذہباً حکم ہے وہاں جایا کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک ارمنی کو یہ امر نہایت ناگوار خاطر ہوا کہ اُسکے ہمسایہ مسلمان پانچ وقت ہاتھ منہہ اور پیر دھونے کے علاوہ حمام کو بھی اسقدر زیادہ جاتے تھے - اُس نے خیال کیا کہ یہ حد سے زیادہ مذہبی جوش کی بیچینی کا نتیجہ ہوگا لیکن جب کہ وہ مصر گیا اور وہاں کے غلیظ دہقانوں اور عربوں کو دیکھا تو اُسے مجبوراً اقرار کرنا پڑا کہ آنحضرت صلعم نے جو طریقہ صفائی قائم فرمایا تہا وہ بالکل مناسب تھا -

ٹرکی میں عام بازاری حمام زیادہ تر نہایت قدیم عمارتیں ہیں کیونکہ بہت کم نئے حمام

ف بازاری حمام خاص ملنے جلنے کے مقامات ہیں - مسلمانوں میں صفائی ہمیں پارسائی خیال کی جاتی ہے اسلئے کہ مذہبی طور پر اسکی سخت تاکید ہے - اور غالباً اُن کے باقاعدہ احتیاط کے ساتہہ نہانے دہونے اور بلاشک عادتاً مسکرات سے پرہیز کرنے کے سبب سے ترک بہت سے عوارض و امراض سے بہ نسبت اپنے عیسائی اور یہودی ہمسایوں کے نسبتاً زیادہ محفوظ رہتے ہیں - (لوسی کارنٹ)

بنائے گئے ہیں - لیکن مرفہ الحال خاندانوں کے تمام نئے مکانوں مین چھوٹے چھوٹے حمام دو یا تین کمروں کے موجود ہیں - تاہم باوجود انکی بند اور دم روکنے والی ہوا کے اور اُن بدنما چھوٹے چھوٹے کیڑوں کے جو "دولمنج حمام" کہلاتے ہیں متمول اشخاص بھی بڑے حماموں کو بہتر خیال کرتے ہیں - سنج کے مکانوں میں جو حمام ہوتے ہیں وہ صرف کبھی کبھی گرم کئے جاتے ہیں اور اسلئے انکی حرارت یکسان ایک حالت پر نہیں رہ سکتی عموماً وہ یا تو بالکل بہانیت زیادہ گرم ہو جاتے ہیں یا بعض حصے اسقدر زیادہ گرم ہو جاتے ہیں کہ دیوار یا فرش کو چھونا ناممکن ہوتا ہے - اور دیگر حصوں میں سنگ مرمر بالکل سرد رہتا ہے - جو لوگ ان حماموں کو موسم سرما میں استعمال کرتے ہیں اُنہیں اکثر سردی زکام ہونے کا خوف ہوتا ہے ایک نئی خصوصیت جو قدیم ترکی حمام میں جاری کی گئی ہے وہ ٹھنڈے پانی کا تریڑا ہے جو کہ لوگ بعد حمام کے سر پر ڈالتے ہیں آج کل لوگوں میں اسکا رواج ہوتا جاتا ہے - ترکی حمام ابتدائاً اہل روما کے ہاں کی نقل ہے یا ٹرکی کے بعض حمام عیسائی حکومت کے زمانہ میں وہاں کے عیسائیوں نے قائم کئے تھے یہ جو کچھ ہو تاہم یہ امر یقینی ہے کہ بڑے بڑے ترکی شہروں کے تمام اچھے حمام صدہا سال ہوئے ترکوں نے بنائے تھے اور گو آج کل اُنہیں سے زیادہ تر یں خاص لوگوں کی ذاتی ملکیت ہیں اُن کی آمدنی کا کچھ حصہ اولاً مساجد مدارس اور دیگر مذہبی اور خیراتی کاموں کے لئے مخصوص تھا - قسطنطنیہ میں تقریباً پچہتر عام حمام ہیں -

میں کہہ چکا ہوں کہ اپنے خلاف جاسوس کی سازش کی اطلاع مجھے سب سے پہلے ایک حمام میں ہوئی - ایک شب کو میں پیرا کے ایک حمام میں چند دوستوں کے ہمراہ گیا - یہاں یہ بھی تصریح کر دوں کہ بعض حمام رات کے وقت کھلتے ہیں اور وہ نوجوان اشخاص

جو حمام دن کام کرتے ہیں کئی ایک آپس میں ملکر وہاں جاتے ہیں وہاں وہ کھاتے پیتے اور دل بہلاتے ہیں اور بعد غسل کوچوں پر آرام کرتے ہیں جو حمام کے ٹھنڈے حصہ میں ہمیشہ تیار رہتے ہیں - میں اُس شام کو جسکا کہ ذکر کر رہا ہوں بالخصوص بشاش تھا ہمارے گروہ کے علاوہ چند اور اشخاص بھی وہاں موجود تھے اور ایک پست قد اور نحیف شخص جو میرے قریب گرم کمرہ میں وسطی گول اونچے سنگ مرمر پر بیٹھا ہوا تھا مجھسے ہمکلام ہوا - چونکہ ترکی حماموں میں عموماً شربت لیموں پیا کرتے ہیں اُس نے مجھے ایک گلاس دیا اُسکی باتیں نہایت دلچسپ تھیں - اولاً تو وہ معمولی چیزوں کی نسبت گفتگو کرتا رہا لیکن پھر فوراً ایسے مضامین شروع کئے جو کہ بالکل بیموقع تھے - ملک کے داخلی پولیٹکل معاملات پر جب میری راے اور خیالات دریافت کرنے میں اُسے کامیابی نہ ہوئی تو خود اُن معاملات پر اس انداز سے گفتگو کرنے لگا جو غیر معمولی طور پر آزادانہ تھی - میں اپنے بہت سے نوجوان ہموطنوں کی طرح جاسوسوں کے شر سے ہوشیار رہا کرتا تھا - اور اسلئے میں نے اُس معاملہ سے جسکے متعلق وہ مجھسے بحث کرتا جاتا تھا اپنی لاعلمی ظاہر کی اور بہانہ کیا کہ مجھے اُس سے دلچسپی نہ تھی - باوجود میری خاموشی کے وہ شخص ناگوارانہ طور پر مصر ہوا اور کہنے لگا کہ تمکو ضرور اچھی طرح واقفیت ہوگی اسلئے کہ کئی یوروپین اشخاص سے تم سے ملاقات ہے اس اخیر فقرہ سے میں کچھ کم پریشان نہ ہوا - وہ شخص میرے حالات سے کسیقدر آگاہ تھا اگو اُس شخص کی زیادتی برانگیختہ کرنے والی تھی اور میں اُس سے جسمانی طاقت میں کہیں زیادہ تھا تاہم میں اُسے حمام سے باہر نکالدینے اور حمام کی کھڑاوٗن سے زدوکوب کرنے سے باز رہا - سرکاری جاسوسوں کو مارنا جسکے وہ مستحق ہوتے ہیں نہایت

پُرازخطر کام ہے۔ لہذا میں نے نیند کا بہانہ کیا اور متواتر جماہیاں لیں حتیٰ کہ وہ خاموش ہو کر مجھ سے علیحدہ ہو گیا۔ اپنے شبہات کا ذکر میں نے اپنے ساتھیوں سے مطلق نکیا اور اُس شب کو ذرا بھی نہ سویا صبح کو جب میں حمام سے آیا تو پہلا کام یہ تھا کہ اپنے انگریز دوست سے ملاقات کی۔ اُس نے یہ دیکھکر کہ میں گھبرایا ہوا تھا دریافت کیا کہ بات کیا ہے۔ میں نے اُس سے درخواست کی کہ اِس کمبخت ملک سے نکلنے میں مجھے مدد دو۔ اُس معتبر شخص نے ترحم آمیز انداز اور ملائمت سے کہا کہ تمنے لفظ کمبخت جو استعمال کیا وہ شمن ملک ہو لیکن اُسکو خوب معلوم تھا کہ میں دشمن ملک نہ تھا اور اُس خاندان کا شخص تھا جس خاندان کی اولاد نے گذشتہ زمانہ میں ٹرکی کی محافظت میں لڑکر بہت کچھ خون بہایا تھا

باب چہاردہم

انگلستان فرار ہونا

جب میں نے اپنے انگریز دوست سے گذشتہ شب کا تجربہ بیان کیا تو اُس نے اس امر پر غور کرنے کا وعدہ کیا کہ ترک وطن کرنے میں وہ میرے لئے کیا کر سکیگا اور نیز یہ کہ جلد وہ اسکے نتیجہ سے مجھے مطلع کریگا۔ کچھ روز بعد اس نے مجھے کہلا بھیجا کہ آکر ملاقات کرو اور جب میں گیا تو کہا کہ ایک اور انگریز جسے کہ اُن جہازوں سے تعلق تھا جو انگلستان اور بحیرۂ اسود کی بندرگاہوں کے درمیان اسباب تجارت لاتے اور لیجاتے اور آتے ہوئے باسفورس سے گذرتے ہیں ایک جہاز کے کپتان سے میرے سفر کا انتظام کردیگا۔ اور چند روز بعد درحقیقت یہ طے بھی ہو گیا۔ اُس دوسرے انگریز کا جو کہ ہنوز قسطنطنیہ

میں ہوہے میں اس موقع پر نام نہیں ظاہر کرونگا اسلیے کہ اُس نے مجھے اُسکی ممانعت کردی تھی۔

میرے پاس اُسوقت کل چالیس پونڈ نقد تھے اور یہی میری پوری جمع تھی۔ اپنی ضبط شدہ جائداد سے اور روپیہ لینا ممکن نہ تھا اور کیسی ہی ضرورت نہ ہوتی اپنی والدہ سے کسی قسم کی اور زیادہ امداد طلب کرنے میں مجھے شرم آتی تھی چونکہ اب میری عمر اتنی ہوگئی تھی کہ مجھے خود اُنکی مدد کرکے اُنکی آسایش زندگی کو بڑھانا چاہیئے تھا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ میرا حکومت انگریزی کے بڑے دارالسلطنت کو ہمت کرکے چالیس پونڈ لیکر جانا اُن لوگوں کی بہ نسبت زیادہ پُر از خطر تھا جنکے متعلق مثل مشہور ہے کہ ڈہائی شلنگ لیکر جاتے ہیں اسلیے کہ کم از کم وہ لوگ یا تو پیدایشی انگریز ہوتے ہیں یا اُنکی زبان انگریزی ہوتی ہے۔ برخلاف اسکے میں ایک مشرقی ملک سے جا رہا تھا کسی شخص سے انگلستان میں واقف نہ تھا اور نہ انگریزی زبان بول سکتا تھا۔ بہرحال میں نے اسکی پروا نہ کی کہ مجھے کیا پیش آتی ہے۔ میں نے شوق سے اپنے ملک کے دارالخلافہ سے انگلستان جانے میں جلدی کی۔ میں جانتا تھا کہ آخر الذکر ملک میں کچھہ ہی پیش کیوں نہ آئے ایک پابند قانون شخص کی ذاتی آزادی محفوظ ہوگی۔ میرا خیال تھا کہ انگلستان میں اُسوقت تک رہوں کہ ٹرکی میں ملکی انتظام کی ایسی برداشت کی صورت ہوجائے کہ میں پھر قسطنطنیہ واپس جاسکوں یا اگر انگلستان میں قیام نکرسکا تو تہوڑی انگریزی سیکہہ کر انگریزی سلطنت کے کسی مشرقی حصہ میں چلا جاؤنگا جہاں بے تکلف زندگی بسر کرسکونگا۔

اپریل ۱۸۹۶ء کی بائیسویں تاریخ تھی کہ صبح کے وقت مجھے اطلاع ملی کہ ایک

انگریزی جہاز بحیرہ اسود کی کسی روسی بندرگاہ سے آیا ہوا ہے اور قسطنطنیہ سے اُسی روز سہ پہر کے وقت روانہ ہوجائیگا۔ اُس انگریز مرد شریف نے ازراہ مہربانی جہاز کے کپتان سے میرے بارہ میں تذکرہ کیا اور اُس سے وعدہ لیا کہ مجھے بعوض پانچ پونڈ اپنے جہاز پر لیجائیگا۔ یہ پورے سفر کی اجرت تھی اور اسمیں ہر قسم کا خرچ شامل تھا۔ میں چند روز پہلے ہی سے کسی انگریزی جہاز کی آمد کا منتظر تھا جسمیں کہ ملک سے بھاگ سکوں۔ اپنے تمام کپڑے اور کاغذات جو ہمراہ لیجانا چاہتا تھا۔ ایک چمڑے کے بکس میں بند کر دئے تھے۔ اُس انگریز نے مزید عنایت یہ کی کہ میرا بکس جہاز پر لیجانے کا وعدہ کیا جس سے یہ فائدہ تھا کہ بندرگاہ کی پولیس اور پرمٹ کے افسر اُسکی دیکھ بھال نکرینگے۔ لہذا اپنا بکس اُسکے پاس بھیجکر میں بندرگاہ قسطنطنیہ کے ایشیائی ساحل کی طرف چلا گیا اور وہاں میں نے ایک ملاح سے انتظام کیا کہ مجھے انگریزی جہاز تک پہونچا دے۔ میں نے پیشتر ہی سے اُس جہاز کو جہاں کہ وہ مقیم تھا پہچان رکھا تھا میری غرض ایشیائی ساحل کی جانب جانے اور پھر انگریزی جہاز تک واپس آنے کی یہ تھی کہ خفیہ پولیس کے شبہ اور تعاقب سے بچ جاونگا اسلئے کہ میرے پاس پروانہ راہداری نہ تھا اور واقعی میں اس قسم کا پروانہ حاصل ہی نہیں کرسکتا تھا حقیقت میں رعایائے عثمانیہ میں بہت کم لوگوں کو باہر جانے کے لئے پروانے دئے جاتے ہیں اور دئے بھی جاتے ہیں تو صرف خاص صورتوں میں اور اجازت سلطانی سے۔ خوش قسمتی سے یورپ جانے والے تجارتی جہازوں کی اسوقت بہت زیادہ نگرانی نہ تھی گو مسافر لیجانے والے تمام جہازوں کا روانہ ہونے سے پہلے پولیس سختی سے معائنہ کیا کرتی تھی۔ پس میں جہاز پر حالانکہ نہایت متردد تھا بلا کسی قسم کی دقت کے سوار ہوگیا اور اُس انگریز کو وہاں

موجود پایا۔ اُس نے مجھکو میر ایکس دیا کپتان سے تعارف کرایا اور خدا حافظ کہکر ساحل پر واپس گیا۔ کچھ دیر ہونے پائی تھی کہ جہاز روانہ ہوگیا۔

اِس جہاز پر میں ہی ایک تنہا مسافر تھا۔ اُسپر گیہوں لدے ہوئے تھے اور ہل نامی بندرگاہ کو وہ جا رہا تھا۔ کپتان ایک متوسط العمر شخص تھا جسکی صورت شکل سے کسیقدر درشتی عیاں تھی اُسکے ساتھ اُسکی بی بی اور سالی تھی۔ اور وہ سب مجھپر نہایت مہربان تھے۔ ہم سب نہایت بشاش تھے اور داروغہ باورچیخانہ جو کہ آیرلینڈ کا باشندہ تھا نہایت بامذاق شخص تھا اور میرا خیال تھا کہ میرے متعلق ظریفانہ کلام کرنے کا اُسے خصوصیت کے ساتھ شوق تھا جسکی وجہ سے میں اور دوسرے اشخاص بھی ہنسنے لگتے تھے گو بدقسمتی سے میں ایک لفظ بھی اُسکی گفتگو کا نہیں سمجھ سکتا تھا۔ انگریزی زبان میں میری واقفیت صرف بہت تھوڑے ہی الفاظ تک محدود تھی اور جب کبھی وہ لوگ مجھسے کچھ کہنا چاہتے تھے تو اولاً اُسے ایک پرچہ کاغذ پر لکھدیتے تھے اور نہایت ہی دقت سے میں اُنکی گفتگو کے ٹکڑوں کا ہر لفظ اپنی جیبی ڈکشنری میں دیکھکر کسیطرح ترجمہ کیا کرتا تھا۔ گو اپنے اسکول کے زمانہ میں ایشیاے کوچک میں یہ ممکن نہ تھا کہ میں کوئی یورپ کی زبان سیکھ سکتا تاہم کسیقدر فرانسیسی زبان سے میں اسطرح واقف ہوگیا تھا کہ جن دنوں میں ہیرآیس سکونت پذیر تھا میں نے ترکی زبان میں فرانسیسی زبان کی صرف و نحو پڑھی تھی اور میرا خیال تھا کہ یہ تھوڑی سی واقفیت جہاز کے لوگون کے ساتھ گفتگو کرنے میں میری مددگار ہوگی لیکن جہاز پر ایک شخص بھی فرانسیسی زبان سے واقف نہیں معلوم ہوتا تھا۔ جہاز پر میرا خاص ذریعہ تفریح کپتان کی دو شیرخوار لڑکیوں کے ساتھ کھیلنا تھا۔ یہ دونوں لڑکیاں انگلستان کے

صاف تندرست اور پیارے بچوں کا عمدہ نمونہ تھیں جو کہ اُس ملک میں اکثر دیکھنے میں آتے ہیں - میں ہر روز کئی کئی گھنٹے ان خوبصورت بچوں کے ساتھ صرف کرتا تھا اور میری یہ خود نمود کی امداد ضرور اُنکی خوبصورت اور بھورے رنگ کے بالوں والی دایہ کے آرام کا باعث ہوتی ہوگی جو کہ جب میں بچوں سے کھیلا کرتا تھا تو یا تو کتاب پڑھا کرتی تھی یا جہاز کے افسروں کے ساتھ باتیں کرکے اور ہنسکر دل بہلایا کرتی تھی - اُنکی گفتگو میں واقعی نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن یہ ظاہر تھا کہ مرد اُسکا دل بہلانے سے خوش ہوتے تھے - کپتان جسکا کہ جہاز کی ملکیت میں کسیقدر حصہ معلوم ہوتا تھا اچھی طرح بسر اوقات کرنے کا قدرداں تھا اور ہمکو اچھا کھانا دیتا تھا - انگریزی کھانا جو کہ میں نے پہلی مرتبہ اس جہاز پر کھایا اُس یوروپین وضع کے کھانوں سے بالکل مختلف معلوم ہوتا تھا جو کہ قسطنطنیہ کی تھی کھانے کی دوکانوں میں بکتا تھا ترکی کھانوں سے بھی یہ بالکل علیحدہ تھا جنکی نسبت باوجودیکہ میں دوسرے ملکوں میں اتنے عرصہ سے رہتا ہوں اور وہاں کے کھانے کا عادی ہوں میری اب تک رائے ہے کہ نہایت عمدہ ہوتے ہیں - گو کوئی وجہ نہ تھی کہ میں جہاز پر جو کھانا ملتا تھا اُسپر ناک بھوں چڑھاتا اور شکایت کرتا اسلئے کہ وہ قطعی طور پر اُس کھانے سے بہتر تھا جو کہ انگلستان میں محدود آمدنی کے خاندانوں اور کھانے پینے کے گھروں میں ملتا ہے تاہم دو چیزیں مجھے پسند نہ تھیں - ایک تو انگریزی قہوہ تھا جو کہ صبح کے وقت اور نیز آخری کھانے کے ساتھ جو قریب چھ بجے شام کے ملتا تھا ہمکو دیا جاتا تھا اور دوسرا لحم الخنزیر - مجھے اپنے ملک[۵۱] کا قہوہ بہت ہی یاد آتا تھا اور

۵۱ بہت سے لوگ جنہوں نے ترکی دیار میں سفر کیا ہے وہاں کے قہوہ کے نہایت جوش کے ساتھ مداح ہیں - کوئی وجہ نہیں کہ ترکی وضع کا بنا ہوا قہوہ انگلستان میں بھی مرغوب خاطر اور رائج نہو اور اگرچہ

اس چربی دار گوشت کا میز پر دیکھنا ہی میری اشتہا کو برباد کرنے کے لئے بالکل کافی ہوتا تھا جن مذہبی عقائد کا میں قائل ہوں اسقدر اُن کی وجہ نہ تھی جو یہ گوشت دیکھکر میرے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ مجھے جو ناممکن الرفع عذر ہے وہ اوائل عمر کے محسوسات اور اثر کے باعث سے بھی ہے جبکہ مجھے تعلیم دی گئی تھی کہ سور دنیا میں غلیظ ترین جانور ہے۔ اب تک میں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۳ - کہ اُسکا ویسا ہی پاکیزہ ذائقہ ہو جیسا کہ ترکی دیار میں تو لازم ہے کہ قہوہ کے دانے تازہ بھونے اور نہایت باریک پیسے جائیں۔ پانی ٹین یا تانبے کے قہوہ دان میں گرم کرنا چاہئے اگر چار یا پانچ اشخاص کے لیے چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں قہوہ تیار کرنا منظور ہو تو بقدر دو تین چاء کے چمچہ کے قہوہ اُس برتن میں ڈالدینا چاہیئے جبکہ پانی درحقیقت کھول رہا ہو۔ بعض لوگ قہوہ میں چینی ڈالنا نہیں پسند کرتے لیکن اگر چینی کی ضرورت ہو تو اُسے بھی کھولتے پانی میں ڈالدیں اور جب تک کہ وہ گھل نہ جائے قہوہ نہ ڈالا جائے۔ تھوڑے سے اکثر اشخاص زیادہ شیریں قہوہ پسند نہیں کرتے۔ جب پسا ہوا قہوہ کھولتے ہوئے پانی میں ڈالا جائے تو چاہیئے کہ قہوہ دان آگ سے اُتار لیں اور چاء کے چمچہ سے قہوہ کو پانی میں حرکت دیں۔ اسکے بعد پھر اُسے آگ پر رکھیں اور اُسوقت تک جوش دیں جب تک کہ اُسمیں جھاگ نہ اُٹھیں۔ تب وہ پیالیوں میں ڈالا جائے۔ یہ بہتر ہوگا کہ آہستگی کے ساتھ اُسے پیالیوں میں ڈالیں اور ذرا ذرا وقفہ کے بعد اُسے آگ پر رکھتے جائیں تاکہ پیالیوں میں ڈالنے کے لیے اور زیادہ جھاگ پیدا ہوتے جائیں۔ کیونکہ خیال کیا جاتا ہے کہ اگر زردی مائل جھاگ بھی سطح پر ہوں تو ذائقہ بہتر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جبکہ قہوہ کشتی میں سامنے لایا جاتا ہے تو حریص لوگ ترکی میں وہی پیالیاں منتخب کرتے ہیں جن میں کہ جھاگ زیادہ ہوں اور جنمیں کم جھاگ ہوں اُن لوگوں کے لئے چھوڑ دیتے ہیں جو اپنی باری آنے کے منتظر رہتے ہیں۔

وسی کارنٹ صاحب نے ٹرکی کے قہوہ خانوں کی مفصلۂ ذیل دلچسپ کیفیت لکھی ہے:۔

اس نفرت کو دور نہیں کرسکتا حالانکہ سور خور یوروپین لوگوں کے درمیان میں کئی سال سے رہتا ہوں۔

باسفورس سے روانہ ہوتے کے گیارہویں روز ہم جبرالٹر (جبل الطارق) پہونچے جہانکہ جہاز چند گھنٹے کے لیے ٹھہرا۔ اس سے فائدہ اُٹھاکر میں ہنے ایک کشتی کرایہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۴۔ اہل مغرب کے نزدیک قہوہ اور تماکو پینا ایک پکے ترک کی خاص علامتیں ہیں۔ یہ چیزیں آجکل واقعی اچھے اخلاق اور مہمان نوازی میں ہی داخل نہیں ہیں بلکہ ٹرکی کے جملہ مذاہب و اقوام کے باشندوں کے لئے عموماً مثل ضروریات زندگی کے سمجھی جاتی ہیں۔ ایک معمایم دوکاندار بازار میں نہایت خوش خلقی اور تواضع سے قہوہ کی ایک خوشبودار پیالی پینے کی آپ سے درخواست کریگا جبکہ آپ اُسکی دوکان پر اطمینان کے ساتھ مال فروختنی ملاحظہ کررہے ہوں۔ حتیٰ کہ کاروبار کے ہر موقع پر اور سرکاری خواہ معمولی ملاقات کے وقت بلا قہوہ اور سگرٹ کے کام نہیں چلتا۔ دن میں مجبوراً قہوہ اِس کثرت سے پیا جاتا ہے کہ اگر اُسکے تیار کرنیکا خاص طریقہ نہ ہو تو وہ نہایت ہی مضر ثابت ہو۔ لہٰذا قہوہ خانے ہر جگہ بہیڑ بہاڑ کے راستوں۔ مضافات کی سڑکوں۔ گہاٹوں اور بازاروں میں غرضکہ ہر ایسے موقع پر پائے جاتے ہیں جہانکہ لوگ تفریح یا کاروبار کے لیے جمع ہوں۔ ٹرکی میں شاید مشکل سے کوئی ایسا شہر ہوگا جسکے قریب ہی ایسے دو ایک مقام نہوں جہانکہ اُسکے باشندے تعطیلوں اور تیوہاروں کے دنوں میں جاکر جمع نہوتے ہوں۔ خود قسطنطنیہ کے قرب وجوار میں اور سواحل باسفورس پر کثرت سے اس قسم کے موقعے ہیں۔ اگر بوجہ عدیم الفرصت ہونے یا روپیہ کی کمی کے باعث سے ان جگہوں پر جانا ممکن نہ ہو تو ترک قناعت کے ساتھ کسی قریب کے قبرستان ہی میں چلے جاتے ہیں اور کسی قبر پر صنوبر کے سایہ میں بیٹھکر آپس میں بات چیت کرتے اور گفتگو کو مزیدار بنانے کے لیے تماکو اور نزدیک کے قہوہ خانہ سے قہوہ منگاکر پیتے جاتے ہیں نیچے

کی اور شہر گیا۔ شہر میں میں نے ایک حبشی کی دوکان دیکھی جسمیں ایک عمر رسیدہ عرب سفید عمامہ پوش بیٹھا ہوا تھا چونکہ انگریزی نہ جاننے کی وجہ سے جب سے قسطنطنیہ سے روانہ ہوا تھا میں کسی سے ہمکلام نہو سکا تھا مجھے ایسے شخص سے ملنے کا سخت اشتیاق تھا جس سے کہ میں بات چیت کر سکتا لہذا اُس عرب کو میں نے سلام کیا اور باتیں کرنے لگا۔ اولاً تو گفتگو کرنے میں وہ مجھسے رُکتا معلوم ہوتا تھا۔ اُسے شبہ تھا کہ میں کوئی فریبی یا دغاباز شخص تھا اور اپنے تئیں اسلئے مسلمان ظاہر کرتا تھا کہ دہوکہ دیکر اُسے ٹھگوں۔ لیکن آخرش ہم دونوں دوستانہ مراسم کے ساتھ رخصت ہوئے۔ اُسکی راے اہل ہسپانیہ کی نسبت اچھی نہ تھی لیکن انگریزوں کو وہ پسند کرتا تھا۔ اس شہر میں انگریزی سپاہی میں نے پہلی مرتبہ دیکھے اُسوقت وہ پریڈ کر رہے تھے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۵۔ درجے کے ترک علی الصباح قہوہ خانہ جاکر اپنے روزانہ کام پر جانے سے پہلے قہوہ اور تما کو پیتے ہیں اور جب موقع ملتا ہے تو دن میں بھی وقتاً فوقتاً وہاں جاتے ہیں۔

قہوہ خانے وہ خاص مقامات ہیں جہانکہ بجاے کلب کے متوسط اور چھوٹے درجے کے لوگ میل جول اور بات چیت کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ اِن موقعوں پر پڑھے لکھے اشخاص ناخواندہ لوگوں کو خبریں سناتے ہیں یہیں وہ خانہ بدوش گانے بجانے والے اور قصہ خواں بھی اپنے پیشہ کی قدیم پوشاک میں آتے ہیں۔ یہان مختلف کھیل مثل منقل پٹھان (ایک قسم کا کھیل جو خانے کھینچکر سولہ کنکریوں سے کھیلا جاتا ہے) اور نرد کے کھیلے جاتے ہیں۔ تاش شاذ ھی کھیلتے ہیں اسلئے کہ مسلمانوں میں ہار جیت کے کھیلوں کی ممانعت ہے۔ بلکہ ملک میں جوا کھیلنے کے مطلق لوگ عام طور پر شائق نہیں ہیں۔

محمد حسن خاں

انکی صاف اور نہیں دریاں مجھے اچھی معلوم ہوئیں اور وہ قطعی طور پر ہماری ترکی فوج سے
بہتر تھیں لیکن ساتھ ہی میرے نزدیک ان کی بہ نسبت ترکی سپاہیوں کا طرز و انداز زیادہ تر
اصلی اور ذاتی طور پر سپاہیانہ ہوتا ہے - لیکن چند مضبوط - تجربہ کار اور پختہ بحری
سپاہیوں کو دیکھکر مجھپر بہت زیادہ اثر ہوا - ممکن ہے کہ جو کچھ میں پیشتر سُن چکا تھا یعنی
یہ کہ یہی لوگ برطانیہ عظمیٰ کی بحری طاقت کے بنانے والے تھے اِسوجہ سے اور
زیادہ یہ دلیر سپاہی بھلے معلوم ہوئے - جبل الطارق کے دو ایک اور مقام جو دیکھنے
کے قابل تھے اُنہیں دیکھکر میں جہاز کو واپس آیا اور ایک گھنٹہ کے بعد ہم انگلستان روانہ
ہوئے - تجارتی جہاز بھی کسقدر آہستہ جاتے ہیں ! جبل الطارق سے بندرگاہ ہل تک
سات روز میں ہم پہونچے -

۸ مئی کو شام کے وقت جہاز ہل پہونچا لیکن دوسری صبح تک ہم بندرگاہ میں داخل
نہو سکے - علی الصباح میں جہاز سے اُترا اور کپتان کی سالی مہربانی سے میرے ہمراہ
اسٹیشن تک گئی اور لنڈن جانے والی ریل میں مجھے سوار کرا دیا - راہ میں خوبصورت
منظر - اعلیٰ درجہ کی کاشت کے آثار - نہریں اور ریلیں - بے اندازہ ٹرینونکی متواتر آمد و رفت
اسٹیشنوں پر بھیڑ بھاڑ اور آدمیوں کی ہل چل اور ہر جانب سرسبزی کی بہت سی علامتیں
یہ سب چیزیں میرے لئے نئی تھیں اور اُنہیں دیکھکر میں خوش اور متحیر ہوا - ابھی سے
میں محسوس کرنے لگا کہ چھوٹے سے انگلستان اور بڑے لیکن غریب ایشیا کوچک
میں کسقدر بڑا فرق تھا - اگر اٹھارہویں صدی عیسوی کا ایک انگریز قبر سے اُٹھکر آسکتا
اور جو کچھ کہ میں نے اُس روز دیکھا اُسے دیکھتا تو اپنے ملک کی ترقی کو دیکھکر اتنا ششدر و
حیران نہ ہوتا جتنا کہ میں ہوا تھا - ہر بڑے اسٹیشن پر میں اشتیاق سے یہ دریافت

کرنے کی کوشش کرتا تھا کہ ہم لنڈن پہونچے یا نہیں ایک مقام پر چند انگریزی الفاظ جنہیں
میں جانتا تھا جمع کر کے میں نے ایک استفہامی جملہ بنایا اور ایک متوسط العمر اور ابھی پوشاک
پہنے ہوئے لیڈی سے خطاب کیا جو کہ ریل میں میرے مقابل بیٹھی ہوئی تھی - میں
اُس سے یہ دریافت کرنا چاہتا تھا کہ کیا ہم لنڈن سے زیادہ فاصلہ پر ہیں؟ وہ لیڈی
میرا مطلب نہ سمجھ سکی اور گاڑی میں دوسرے لوگوں کی طرف منہہ پھیر کر کمال خارج از ہمدردی
طرز سے کہا "پردیسی" ہے - یہ لفظ مجھے اب تک خوب اچھی طرح یاد ہے - اس لیڈی
کی بداخلاقی نے مجھ پر بہت اثر کیا - اُس نے یہ بالکل ٹھیک کہا کہ میں پردیسی تھا لیکن میں
اُن پردیسیوں میں سے نہ تھا جو اسقدر تنگ دل ہوتے ہیں کہ کسی قوم کے ایک یا دو افراد
کی بداخلاقی یا عدم ہمدردی کی وجہ سے پوری قوم کی نسبت بُری رائے قائم کر لیتے ہیں
خوش قسمتی سے اُس لیڈی کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ میں ترک تھا اسلئے کہ اپنی قوم کے زیادہ
ترین اشخاص کی طرح اُس نے ترکوں کو اُن پست قد سیاہ فام ذلیل و حقیر پگڑی یا ترکی ٹوپی
پہنے والے اشخاص سے تعبیر کیا ہوتا جو کبھی کبھی وسیع مشرقی ممالک کے مختلف گوشوں
سے انگلستان آتے ہیں - اگر اُسے معلوم ہو گیا ہوتا کہ میں سچ مچ ترک تھا یعنی
اُس قوم کے افراد سے جسکی نسبت بہت زیادہ بدکلامی کی جاتی ہے اور جسکے خلاف اُسکا
نصرانی دل قرون وسطیٰ کے تعصبات سے پُر ہوگا تو میں خیال کرتا ہوں کہ اُسکی بدخلقی میرے
ساتھہ غالباً اور بھی زیادہ نمودار ہوئی ہوتی -

ایک بڑے اسٹیشن پر ریل پھر ٹھیری اور ہر شخص گاڑی سے اُتر پڑا - میں نے اشتباہاً
خیال کیا کہ یہ ضرور لنڈن ہوگا - ایک قلی دروازہ کے پاس آیا - میں نے اُس سے کہا -
"لانڈان؟" اُس نے جواب دیا "ہاں لنڈن" لہذا میں بھی اُترا اور اُس نے میرا بکس

اُٹھا لیا۔ جس مقام کو کہ میں جانا چاہتا تھا اُسکا نام میری پاکٹ بُک میں لکھا ہوا تھا اور وہ
"اولمپیا" تھا۔ یہ وہ سال تھا کہ بعض من چلے یہودیوں نے لنڈن میں قسطنطنیہ کی نقل
دکھلانے کا ارادہ کیا تھا اور ایک ایجنٹ قسطنطنیہ بھیجا تھا کہ وہ چند ترک لے آئے
جو کہ کشتیبان کا کام کریں اور اُس نمایش میں اور خدمات بھی ادا کریں۔ لیکن اُس ایجنٹ
کو جس سے کہ مجھسے ترکی دار السلطنت میں ملاقات ہوئی تھی ایک ترک کے لانے میں
بھی کامیابی نہیں ہوئی اسلئے کہ پولیس نے حسب الحکم سلطان اس قسم کے لوگوں کی
ترکی سے جانے کی اجازت نہ دی۔ پس اُس ایجنٹ نے چند یونانی ملاح نوکر رکھے
اور بعض یہودیوں نے اولمپیا میں کشیدہ کاری اور دوسری اشیا کی دوکانیں لگائیں
مجھے امید تھی کہ ان میں سے بعض اشخاص جائے قیام کی تلاش میں میری امداد کرینگے
کنگز کراس اسٹیشن پر میں نے قلی سے کہا "اولمپیا" اُس نے سر ہلایا اور کہا "ہھان
کنسنگٹن" اور مجھے اپنے پیچھے پیچھے زیر زمین راستہ سے ہو کر چلنے کا اشارہ کیا حتیٰ کہ
ہم ریل کے اسٹیشن تک پہونچگئے اور مجھے ریل میں سوار کرا دیا جو کہ میں یقین کرتا ہوں
سیدھی اولمپیا کو نہیں جاتی تھی۔ اس اسٹیشن سے چلکر میں کئی مرتبہ راہ بھول گیا۔ کئی
اسٹیشنوں پر اُترا بہت سی گاڑیاں بدلیں اور متعدد کرایے دئے۔ حتیٰ کہ شام ہو چلی اور
گاڑیاں سب بھری ہوئی تھیں۔ میں نے غلطی سے "کنسنگٹن" کو جسکا کہ نام قلی نے
لیا تھا "کنگٹن" سمجھا۔ ہر بڑے اسٹیشن پر بڑا بکس ہاتھ میں لیکر اُترنے چڑھنے
میں مجھے نہایت تکلیف ہوئی بہت سے لوگ میری احمقانہ گھبراہٹ پر ہنستے تھے
لیکن بعض اشخاص نے جو زیادہ مہذب تھے میری تائید کی کوشش کی گو اُنکی کوششیں
ایک ایسے شخص کے لیے جو عملی طور پر بالکل گونگا تھا زیادہ بکار آمد نہ ہوئیں۔ ایک اسٹیشن پر

میری فرانسیسی زبان کی واقفیت میری مددگار ہوئی اور ایک لڑکے کو میں نے مزدوری دیکر ساتھ لیا اور آخرش کو ٹین روڈ اسٹیشن تک پہونچگیا۔ اولمپیا کے باہر میں نے ایک شخص ترکی ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا اور عجیب وضع کی مشرقی پوشاک زیب بدن تھی جیسی کہ میں نے کبھی ٹرکی میں نہیں دیکھی تھی۔ میں نے اُس شخص سے ترکی زبان میں گفتگو کی اور اُسکے لہجہ سے معلوم کیا کہ وہ ترکی یہودی تھا۔ اُسکے ذریعہ سے میں نے ایک قریب کی منزل گاہ مین ایک کمرہ کرایہ لیا۔

لنڈن پہونچنے کے دوسرے روز میں نے ایک خط سلطان المعظم کو لکھا اور اُس میں تشریح کی کہ کسطرح میں اور میرا خاندان ترکی عدالتوں میں اپنے کئی سال کے مقدمہ کی وجہ سے تباہ ہو گئے تھے جس سے غرض اپنی جایداد کے واپس پانے کی تھی ساتھ ہی یہ گذارش کی کہ اگر جملہ حقوق جو کہ ہم کھو چکے تھے ہمیں نہ دئے جائیں تو کم از کم جایداد کی وہ آمدنی جو دوران مقدمہ میں جمع ہوئی تھی عطا کی جاسے جسے بعض سرکاری ملازم بیجا صرف کر رہے تھے۔ میں نے اپنے اپیل کی بنا شاہی فرامین اور قانونی دستاویزات پر رکھی اور استواری سے اپنے مدعا پر قایم رہا۔ پندرہ روز بعد مجھے اپنی درخواست کا نتیجہ معلوم ہوا جبکہ سفیر عثمانیہ متعینۂ لنڈن نے مجھے بلا بھیجا۔ رستم پاشا متوفی جو کہ اُسوقت سفیر تھے میرے ساتھ نہایت تواضع و مہربانی سے پیش آئے جو میرے نزدیک اُس حد سے بڑھی ہوئی معلوم ہوتی تھی جسکا کہ میری طرح کوئی شخص مستحق ہو سکتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ سلطان از حد مشوش تھے کہ کہیں اُن کی ناخوش رعایا میں سے چند اشخاص انقلاب پیدا کرنے والی کمیٹیاں یورپ میں اس غرض سے قائم نکریں کہ ممالک عثمانیہ میں اصلاح کی نیت سے عام تحریک اور شور و شغب پیدا کیا جائے۔ وہ خصوصیت کے ساتھ

ان اشخاص سے بدگمان تھے جو کہ آزاد دارالسلطنت برطانیہ عظمیٰ میں آتے تھے اس لئے کہ انگلستان اور ٹرکی کے تعلقات اسوقت ایسے دوستانہ نہ تھے۔ سفیر نے مجھ سے دریافت کیا کہ انگلستان آنے سے میرا کیا منشا تھا جسکا جواب میں نے دیا کہ میں صرف یہ چاہتا تھا کہ انگریزی زبان سیکھوں اور تجربہ حاصل کروں جو کہ بعدہٗ اپنے وطن میں میرے لئے مفید مطلب ثابت ہو۔ میں نے یہ بھی کہا کہ میں صرف یہ چاہتا تھا کہ میرا روپیہ مجھے ادا کر دیا جائے تاکہ میں تعلیم حاصل کر سکوں۔ اُس معمر سفیر نے کہا کہ تمہارے مقدمہ پر نہایت احتیاط سے غور کیا جائیگا اور تمکو مناسب سرکاری عہدہ بھی دیا جائیگا اگر تم سرکاری خرچ سے قسطنطنیہ واپس چلے جاؤ میں نے اسے منظور نکیا۔

باب پانزدہم

وطن واپس آنا اور دوبارہ فرار ہونا

تقریباً بیس روز کے بعد میں پھر سفارت عثمانیہ میں بلایا گیا۔ رستم پاشا نے بیان کیا کہ ہز مجسٹی سلطان المعظم کی خواہش ہے کہ تم واپس جاؤ اور اس امر کا عملی ثبوت دو کہ سلطان کی ذات کے خلاف کسی سازش میں تم شریک نہیں ہو۔ اسکے بعد تمکو ضرور اعلیٰ انعام و اکرام دیا جائیگا۔ علاوہ بریں مجھے یقین دلایا کہ تمکو جب کبھی چاہو یورپ آنے کی اجازت دیجائیگی۔ یہ تجویز درحقیقت میری خود بینی سے گویا کام نکالنا تھا اسلئے کہ گو میں ایک ادنیٰ اور ناچیز شخص تھا مجھے اب یہ سمجھنے کی رہنمائی کی جاتی تھی کہ جیسا کہ مجھے اپنی نسبت خیال تھا اُس سے میں بالاتر ہونے لگا تھا۔ اُس معمر مدبر

نے میرے اس دعوت کو قبول کرنے کی ضرورت پر بہت زیادہ زور دیا۔ میں نے سوال کیا کہ اس امر کی کسطرح ذمہ داری کی جائیگی کہ ٹرکی پہونچکر مجھے کسی قسم کی ایذا نہ دیجائے اور جب چاہوں میں یورپ آسکوں۔ اُس نے صاف طور پر وعدہ کیا کہ میری دونوں درخواستیں منظور کی جائینگی۔ رستم پاشا عثمانی یوروپین رعایا سے تھے کیتھولک فرقہ کے عیسائی اور جنٹلمین تھے۔ اگر ترکی دربار کے دیسی عیسائی ہوتے تو میں نے ہرگز اُن کی باتوں کا اعتبار نہ کیا ہوتا۔

اسی سلسلہ میں میں یہ کہنا بھی چاہتا ہوں کہ سالہا سال سے سفراء عثمانیہ متعینہ لنڈن ٹرکی کی عیسائی رعایا میں سے مقرر کئے گئے ہیں اسکی اصل وجہ میرے خیال میں یہ ہوگی کہ چونکہ انگلستان میں بعض متعصب مدبر اور پولیٹکل معاملات پر بحث کرنے والے ہمیشہ شور وغل کیا کرتے ہیں کہ سلطنت عثمانیہ کے محکمجات کے اعلیٰ افسر عیسائی ہوں سلطان یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ وہ عیسائیوں کو بڑے بڑے سیاسی عہدوں پر مقرر کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ گذشتہ زمانہ میں مسلمان سفیر بھی لنڈن[۵۷] میں تعینات ہوئے ہیں۔

---

[۵۷] پہلے ترکی سفیر لنڈن میں آغا آفندی ایک مسلمان تھے جو ۱۷۹۳ء میں انگلستان آئے۔ مندرجہ ذیل اقتباس اُن کے خود نوشتہ تذکرہ سے کیا گیا ہے:۔

ہم چلزی نامی گاؤں کو گئے جو کہ لنڈن سے ایک گھنٹہ کی راہ پر واقع ہے۔ شاہ انگلستان کے افسر آداب دربار نے وہاں پہونچنے پر ہمارا خیر مقدم کیا اور شاہی سلام پہونچایا۔ چونکہ ہمارے استقبال کا جلسہ دوسرے روز کے لئے قرار پایا تھا ہم تحائف پہلے ہی بھیجدئے۔ دوسرے روز سرکاری گاڑی ہمارے واسطے آئی۔ چار گھوڑوں والی گاڑی پر میں سوار ہوا۔ میرے ہمراہ

رستم پاشا سے دوسری ملاقات کے بعد پندرہ روز اور گذر گئے اور اتنے عرصہ میں میں نے خوب غور کیا کہ اگر میں واپس جاؤں تو کیا پیش آئیگی اور اگر لنڈن میں رہوں تو مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ اس درمیان میں میری صحت اچھی نہ تھی۔ میرے پاس جو روپیہ تھا وہ بڑی سرعت سے کم ہوتا جاتا تھا کسی معقول ملازمت ملنے کی مطلق امید نہ تھی اور یہ بھی ممکن نہ تھا کہ اپنے اعزا سے خط و کتابت کرتا اور امداد چاہتا۔ لہذا میں نے وطن واپس جانے کا تصفیہ کرلیا اور یہ خیال کیا کہ اچھا موقعہ ہاتھ آیا چونکہ سلطان مجھسے واقف ہو گئے ہیں اب میں اپنا روپیہ گورمنٹ سے لیکر انگلستان واپس آسکونگا۔ لیکن اپنے ان قیاسات میں میں سخت غلطی پر تھا۔ جب تک کہ اُس خاص قسم کی چالاکی کسی شخص میں نہ ہو جو آجکل دنیا میں ترقی کرنے کے لئے ضروری ہے ممکن نہیں کہ وہ اس قسم کے معاملات میں کامیاب ہوسکے۔ قسطنطنیہ پہونچکر مجھے اپنی غلطی دریافت کرکے افسوس ہوا۔ سلطان عبدالحمید خاں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۲ - ایک ذی رتبہ شخص اور افسر آداب دربار تھا۔ میرے مصاحب شاہ کے دیگر درباری افسروں کے ساتھ دوسری گاڑیوں میں تھے۔

جبکہ ہم اُس سڑک پر گزر رہے تھے جو پلیڈلی کہلاتی ہے تو لوگونکا اسقدر ازدحام ہمیں دیکھنے کے لئے جمع تھا کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی اتنی بھیڑ نہیں دیکھی تھی حتیٰ کہ میں۔ نے بعدہٗ سنا کہ کئی اشخاص بھیڑ کے دباؤ کی وجہ سے اس کوشش میں کہ ہمیں دیکھیں زخمی ہوئے۔ ہماری پوشاک اور عمامے ہمارے خیال میں انھیں عجیب و غریب معلوم ہوئے ہونگے۔ ہم قصر سنیٹ جیمس پہونچے اور جب میں کاغذات سفارت پیش کرچکا تو ہماری کھانے کی دعوت کی گئی۔ جس شے نے کہ مجھپر سب سے زیادہ اثر کیا وہ عورتونکا آزادانہ اخلاق اور وضع تھی۔ شاہی خاندان کی بعض نوجوان لیڈیوں نے اپنی سر پر وہ کام کئے ہوئے ریشمی رومال باندھے تھے جو میں نے سلطان کی جانب سے پیش کئے تھے اور ہنسکر بیجد لطافت سے کہنے لگیں "اب ہم بھی سلطان کے حرم میں شامل ہیں"۔

پر آسانی سے حکمت عملی میں غالب آنا ممکن نہ تھا۔ جب میں تیسری مرتبہ ترکی سفارت کو گیا تو میں نے سمجھا کہ واپس جاؤنگا۔ پس حکام نے قسطنطنیہ تار بھیجا اور تین دن میں منی آرڈر آگیا تقریباً پچیس پونڈ کی یہ رقم تھی اور مجھ سے اصرار کیا کہ فوراً بذریعہ اورینٹ اکسپرس ریلوے کے روانہ ہو جاؤ۔

اگست ۱۸۹۴ء کے شروع میں میں انگلستان سے روانہ ہوا دو ہفتہ پیرس ٹھہرا اور چند روز بڈاپسٹ میں قیام کیا جو ملک ہنگری کا دارالسلطنت ہے جہاں کے لوگوں اور ترکوں کی بیخ و بنیاد میں شرکت ہے اور جنہیں ہم نے لڑکر مدتوں ماتحت رکھا۔ قسطنطنیہ پہونچنے پر پولیس والوں نے سختی سے میرا نام دریافت کیا اور یہ کہ میں کہاں سے آیا تھا اور کہاں قیام کرونگا۔ میں نے جواب دیا کہ میں سیدھا قصر سلطانی کو جاؤنگا جس پر کہ اُنہوں نے مجھے سلام کیا اور میں کسیقدر اطمینان کے ساتھ اسٹیشن سے باہر آیا۔

یہ ایک حماقت کے ساتھ جرأت کا کھیل تھا جسے کھیلنے کی میں کوشش کر رہا تھا قصر یلدز پہونچکر میں فکر اور پریشانی سے واقعی کانپ رہا تھا۔ فائق بے نامی سلطان کے ایک معتبر ندیم میرے پاس سلطان کا ایک نہایت مہربانی کا پیغام لیکر آئے اور خوشی ظاہر کی کہ میں نے تعمیل حکم کی۔ بیس پونڈ میرے خرچ کے لئے دئے اور کہا کہ مکان جاکر آرام کرو۔ یہ ظاہرا مہربانی کا سلوک تشفی دہ تھا لیکن کیسا ہی بیوقوف میں کیوں نہوں اسقدر سمجھنے کی عقل رکھتا تھا کہ آیندہ کے لئے یہ شگون نیک نہ تھا۔ جسوقت کہ میں قصر یلدز سے آنے لگا تو فائق بے نے مجھے حکم دیا کہ لوگوں سے زیادہ خلا ملا نہ رکھنا اور جہانتک ممکن ہو خاموشی سے زندگی بسر کرنا۔ اُنہوں نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ دو روز بعد مجھ سے ملاقات کرنا۔ یلدز سے میں پیرا گیا۔ اور وہاں کمرے کرایہ لئے۔ اب مجھے اپنے اعزا

اور احباب سے بہی ملنے میں خوف معلوم ہوتا تھا بعض سے قسطنطنیہ میں راہ
میں آتے جاتے ملاقات ہوئی تو صرف سلام کر کے ہم پاس سے گذر گئے اسلئے
کہ وہ لوگ بہی ڈرتے تہے کہ جاسوس کہیں اس بات کی رپورٹ نکر دیں کہ وہ مجھسے گفتگو
کرتے تہے اسلئے کہ انہیں میرے انگلستان بہاگ کر جانے کا پورا حال معلوم تھا
حکم کے مطابق میں قصر یلدز پہر گیا اور فائق بے سے ملاقات کی۔ اُنہوں نے
بطور اظہار شفقت سلطانی بیس پونڈ اور دئے اور کہا کہ اتنی ہی رقم مجھے ماہوار بطور ریج
کی تنخواہ کے دیجائیگی۔ اور پہر میری زیادہ قریب آ کر دہیمی آواز سے کہا کہ "ہز میجسٹی ہمارے
نیک نہاد آقا نے تم سے یہ کہنے کے لئے حکم دیا ہے کہ اگر موجودہ پولیٹکل حالت کی
نسبت کوئی مفید امر سنو تو اُسکی رپورٹ کرنا"۔ یہ ذلیل تجویز سنکر میرا دل بالکل بیٹہہ گیا۔
بیس پونڈ ماہوار تنخواہ پر سلطان چاہتے تہے کہ میں مخبری کروں۔ صاف انکار سے میری
بربادی متصور تہی اسلئے میں نے فائق بے سے کہا کہ چونکہ مجھے حکم دیا گیا تھا کہ لوگوں سے
زیادہ میل جول نرکہوں اسلئے کوئی مفید بات میں نہیں سن سکتا تہا۔ اُنھوں نے کہا کہ اگر تم
یوزو بین اشخاص سے ملو تو کوئی ہرج نہ ہوگا۔ اُسوقت میں اس اخیر فقرہ کا پورا منشا
نہ سمجہا۔ اثنائے کلام میں اُنہوں نے یہ بہی ذکر کیا کہ چونکہ تم قانونی ڈگری حاصل کر چکے ہو
وزیر قانونی کو حکم دیا جائیگا کہ قسطنطنیہ کی صدر فوجداری عدالتوں میں ڈپٹی پرا سیکیوٹر جنرل
(مقدمات کی پیروی کے لئے سرکاری وکیل کی قسم کا ایک عہدہ) مقرر کئے جاؤ۔ میں نے
احتیاط کے ساتھ اُس وعدہ کی طرف اشارہ نکیا جو کہ سلطان کے سفیر نے لنڈن میں
مجھ سے کیا تھا یعنی یہ کہ میری جائداد کی آمدنی مجھے دیجائیگی اور یورپ جانے کی مجھے
اجازت ہوگی۔ اور نہ میں نے دوبارہ یورپ جانے کی خواہش ظاہر کی۔ چند روز بعد بذریعہ

خاص سلطانی ارادہ کے میں ڈپٹی پراسیکیوٹر جنرل مقرر ہو گیا۔ انگلستان جانے سے پہلے اس سے کم درجہ کی ملازمت بھی مجھکو ہرگز نہ ملی ہوتی گو میں نے مہینوں اسکے لئے درخواست کیوں نہ کی ہوتی۔ میری طرح تقریباً بارہ ڈپٹی یا اسسٹنٹ پراسیکیوٹر ان صدر عدالتوں میں ہیں اور ہر ایک کو قریب ایکسو اسی پونڈ سالانہ کے تنخواہ ملتی ہے عام طور پر ان افسروں کے پاس بہت زیادہ کام نہیں ہوتا۔ چونکہ میرے افسران بالا اس خیال سے کہ مجھکو قصر سلطانی میں خوب رسوخ حاصل تھا کچھری جانے پر مجبور نہیں کر سکتے تھے میں بھی عدالت جا کر کاہل بننے کی چنداں پروا نہیں کرتا تھا۔ برخلاف اسکے میں اس امر کی سخت کوشش کر رہا تھا کہ سلطان کے پنجہ سے ایک مرتبہ اور بھاگ جانے کی تازہ ترکیب نکالوں۔

اس درمیان میں جبکہ سرکاری نوکری اور دلکش نرخ کی تنخواہ کے ذریعہ سے میری عزت افزائی کی جا رہی تھی اس غرض سے کہ میں بھی جاسوسی کروں سرکاری مخبروں کی میری حرکات و سکنات پر متواتر نظر تھی۔ ہر روز میری نگرانی اور مجھ سے گفتگو کی جاتی تھی حتیٰ کہ ان مخبروں میں دو تین اشخاص نے میری خاطر و تواضع بھی کی جو کچھ کہ ادھر مجھپر گذری تھی اُس سے میں نے اپنے قدیم انگریز دوست کو مطلع کیا۔ اُس نے مجھے ملامت کی کہ تم ایسے ناعاقبت اندیش ہو کہ پھر یہاں واپس آئے اور اگر انگلستان چھوڑنا ہی منظور تھا تو مصر کیوں نہ گئے۔ لیکن جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا تھا اُسپر افسوس کرنا فضول تھا۔ اب جو کچھ میں چاہتا تھا یہ تھا کہ جیسے ہی موقع ملے ملک سے باہر چلا جاؤں۔ میرے دوست کو میرے بھاگنے میں دوبارہ کامیابی حاصل ہونے کے متعلق بہت شک تھا اسلئے کہ اُنکا خیال تھا کہ پیشتر کی بہ نسبت میری حرکات کی زیادہ تر سختی کے ساتھ نگرانی کی جائیگی۔

جسوقت کہ واقعات کی یہ حالت تھی ایک روز صبح کے وقت ایک سوار مجھے جلدی کے ساتھ قصر یلدز لیجانے کے لئے آیا۔ میں فوراً گیا اور اُسی ندیم سے ملا جسنے پہلے دو موقعوں پر اسقدر ملائمت کے ساتھ مراحم سلطانی سے مجھے مشرف کیا تھا۔ اس مرتبہ اُسکے طرز میں سرد مہری اور سنجیدگی پائی جاتی تھی اور میرے بیٹھتے ہی کہنے لگا کہ مجھے تعجب ہے کہ اپنے بزرگ محسن کی فیاضانہ مہربانی کا تم بُرا استعمال کرتے ہو۔ میں نے متردد ہو کر دریافت کیا کہ میرا قصور کیا تھا تو اُس نے کہا کہ تمہاری نسبت ایک رپورٹ آئی ہے کہ پیرا کے یوروپین باشندوں سے تم سلطنت کے خفیہ معاملات کا تذکرہ کرتے ہو۔ اُس نے مجھے وہ رپورٹ دکھلائی بھی لیکن احتیاط کے ساتھ انگوٹھے سے کاتب کے دستخط کو چھپائے رہا۔ طرز تحریر سے مین نے فوراً اُسکے مصنف کو پہچان لیا۔ اس شخص نے جسے ہرگز یہ خیال نہ تھا کہ مجھے وہ رپورٹ دکھائی جائیگی دو روز پیشتر نہایت مہمان نوازی سے میری دعوت کی تھی۔ فائق بے نے مجھے تیزی کے ساتھ ہدایت کی کہ دوسرے ملک کے لوگوں میں گورنمنٹ سلطانی کے پوشیدہ معاملات کا ذکر نکرنا چاہیئے۔ گو میری سلامتی اسوقت ایک ڈورے پر لٹک رہی تھی میں نے اپنے ہوش و حواس ٹھکانے رکھے اور دلیری کے ساتھ یہ کہنے کی جرأت کی کہ چونکہ آپ ہی ایک درباری افسر ہیں جن سے ملنے کی مجھے عزت حاصل ہوئی ہے براہ مہربانی آپ فرما سکتے ہیں کہ وہ کون سے خفیہ حالات ہیں جنکا آپ نے مجھ سے تذکرہ کیا تھا اور جنکی نسبت مجھپر الزام لگایا گیا ہے کہ میں نے یوروپین اشخاص کو اُنکی اطلاع دی۔ یہ سنکر وہ کسیقدر گھبرائے اور اُنکی پریشانی دیکھکر مجھے تسکین ہوئی۔ دوستانہ طور پر ہم ایکدوسرے سے رخصت ہوئے اور جسوقت کہ میں چلنے لگا اُنہوں نے کہا کہ یاد رکھو کہ دس روز میں تمہاری نجّ کی تنخواہ واجب الادا ہوگی

یہ وہی بیس پونڈ ماہوار تھے جو کہ وہ مجھے پوشیدہ طور پر دینا چاہتے تھے اگر میں مخبری کے غلیظ کام سے اپنی عزت و آبرو پر دھبہ لگاتا۔

نہایت اضطراب و پریشانی کی حالت میں مکان آکر میں نے ایک چھوٹی پیالی ترکی قہوہ کی پی جس سے کہ تکلیف کے موقعوں پر مجھے ہمیشہ نہایت تسکین ہوا کرتی تھی اور اپنی جمع کو دیکھا تو پچاس پونڈ سے کم پائی۔ لیکن یہ رقم میرے انگلستان جانے کے لئے اچھی طرح کافی تھی۔ پہلی دقت دوسرے انگریزی یعنی کپتان کی ملنے میں تھی جو کہ مجھے لیجاتا اور دوسری اسکے جہاز پر سوار ہونے کی۔ بندرگاہ کے تمام کشتیبانوں کو دھمکی دیگئی تھی کہ اگر وہ لوگوں کو سوائے اُن مسافروں کے جہازوں کے جنکی نگرانی پولیس کرتی ہے کسی غیر ملک کے جہازوں پر سوار ہونے کے لئے لیگئے تو سزا دی جائیگی اپنے بھاگنے کی تجویز کے دیباچہ کے طور پر میں نے مناسب سمجھا کہ اولاً ایک کشتی کرایہ کرکے روز تفریح کے لئے سمندر میں جایا کروں جس کسی سے مجھسے ملاقات ہوئی معہ اُن مخبروں کے جو ہمیشہ میرے پیچھے لگے رہتے تھے میں نے کہدیا کہ ڈاکٹر نے مجھے صلاح دی ہے کہ جہانتک ممکن ہو سمندر کی ہوا کھانا چاہیئے اور یہی وجہ ہے کہ میں روز کشتی پر سیر کے لئے جایا کرتا ہوں۔ اس تصفیہ کے بعد دوسرے روز میں گولڈن ہارن میں مسافروں کے اُترنے کے مقامات میں سے ایک مقام پر گیا جہاں کہ کشتیبان ہمیشہ مسافروں کے منتظر رہتے ہیں۔ میں نے اُنمیں سے ایک کو آواز دیکر بلایا اور کہا کہ مجھے باسفورس میں سیر کے لئے لیچل۔ کچھ دیر بعد کشتیبان نے دریافت کیا کہ کہاں جانا چاہتے ہو۔ میں نے ترشی سے جواب دیا کہ ناک کی سیدھ پر اور اُس نے ایسا ہی کیا۔ راہ میں سگرٹ سلگانے کے لئے وہ ٹھہرا تو میں نے دریافت کیا کہ ہر روز وہ کس قدر

کما لیتا تھا۔ معلوم ہوا کہ اُسکی روزانہ آمدنی سات سے دس پیاسٹر تک تھی۔ اگر کوئی ترکی کشتیبان دس پیاسٹر روزانہ (قریب عہ کے) پیدا کرے تو اُسے اپنے تئیں خوش قسمت سمجھنا چاہیئے۔ میں نے اُس سے بھی اُسی ڈاکٹری نسخہ کا ذکر کیا جو کہ میرے لئے سمندر کی ہوا کھانے کا تجویز کیا گیا تھا اور پندرہ پیاسٹر روز دینے کا وعدہ کیا اگر وہ اور مسافروں کو نہ لے اور ہر روز میرے واسطے کشتی تیار رکھے۔ جیسا کہ مجھے امید تھی اُس نے مستعدی سے اس تجویز کو منظور کر لیا۔ ایک ہفتہ تک میری کشتی کی سیر قائم رہی۔ میں کبھی تو تفریح کے لئے صبح کے وقت جایا کرتا تھا اور کبھی سہ پہر کو۔ بعض وقت میں مچھلی کے شکار سے دل بہلایا کرتا تھا اور کبھی کشتی میں کچھ پڑھا کرتا تھا۔ کبھی کبھی بندرگاہ میں جو تجارتی جہاز ہوتے تھے اُن پر جا کر اسباب کا اُتارنا اور چڑھانا دیکھتا تھا۔ علاوہ مقررہ اُجرت کے میں کشتیبان کو تماکو بھی دیا کرتا تھا جس سے وہ بہت خوش ہوتا تھا۔ جو کچھ میں اُس سے کہتا تھا وہ کرتا تھا اور جہاں میں کہتا تھا جاتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ مخبر میرے پیچھے رہتے تھے یا نہیں لیکن کوئی ایسی بات پیش نہ آئی جس سے مجھے شک وشبہہ پیدا ہوتا۔

اپنے بھاگنے کی تجویز کے پہلے حصہ کا اسطرح انتظام کر کے جسکا یہ منشا تھا کہ ایک کشتیبان ایسا ملجائے جو جانکر یا بلا سمجھے غیر ملک کے جہازوں تک مجھے لیجائے جنکے پاس جانے کی ممانعت تھی اب میں نے زیادہ تر اہم حصہ کی ترکیب شروع کی یعنی ایسے جہاز کی تلاش جو کہ فوراً انگلستان جانے والا ہو۔ خود مجھے اس بارہ میں کامیابی ممکن نہ تھی اسلئے میں نے پھر اُسی انگریز کے پاس جانے کی جرأت کی جسے کہ جہازرانی سے تعلق تھا اور جس نے کہ اول سفر میں میری مدد کی تھی۔ اس بھلے آدمی نے کہا کہ اُسی روز بالطوم واقع بحر اسود سے ایک جہاز آنے والا تھا لیکن اُسی سہ پہر کو وہاں سے روانہ بھی

ہوجائیگا۔ میں نے کہا کہ میں روانہ ہونے کے لئے بالکل تیار ہوں جسکے جواب میں اُس نے دو شرطیں پیش کیں۔ ایک تو یہ کہ اس مرتبہ اپنے اسباب کے جہاز پر پہونچانے کے لئے میں خود انتظام کروں اسلئے کہ انگریزی جہازوں کی حرکات پر سرکاری نگرانی زیادہ تر سخت ہوگئی تھی جسکی وجہ سے وہ اپنے تئیں مشکوک کرنا نہیں چاہتا تھا یعنی اسکی کچھ پروا نہیں کی۔ دوسری شرط خوفناک تھی۔ وہ یہ تھی کہ چونکہ اس جہاز کے کپتان کو مسافر لیجانے کی اجازت نہ تھی مجھے انگریزی سفارت میں جاکر کپتان کی کتاب میں اپنا نام بزمرۂ ملاح لکھنا ضرور تھا اسمیں شک نہیں کہ اسمیں کوئی ہرج نہ تھا اسواسطے کہ درحقیقت مجھے ملاح کا کام کرنا پڑتا لیکن رعایائے عثمانیہ میں سے ایک ایسے شخص کے لئے جسے حکام قصر یلدز سے ابھی کچھ ہی عرصہ ہوا تھا کہ واقفیت ہوئی تھی سفارت انگلشیہ کو جانا زیادہ مناسب نہ تھا اسلئے کہ مخبر اُسکی نگرانی کرتے ہیں اور اُس شخص کو ضرور دیکھینگے۔ لیکن میں نے اس خطرے کا خیال نکیا اور سفارت کو جاکر اپنا نام ملاحوں میں لکھدیا۔ کپتان نے مجھے وہ ٹھیک مقام تبلا دیا جہاں کہ اُسکا جہاز لنگر زن تھا اور کہا کہ تقریباً تین گھنٹے بعد روانہ ہونگے میں جائے قیام پر گیا جہاں کہ میں نے اپنا تمام اسباب چھوڑا تھا جس مکان میں کہ میں تھا وہ بعض جرمن اشخاص کا تھا جنہوں نے کہ لعدۂ بلا کسی معقول وجہ کے اُن اشخاص کو جو میری طرف سے گئے اسباب دینے سے انکار کیا جب تک کہ میں نے ایک بڑی رقم انہیں ادا نکردی۔

انگریزی سفارت کے باہر آتے ہی میں نے فوراً ایک گاڑی کرایہ کی اور گاڑی والے کو حکم دیا کہ جسقدر جلد ممکن ہو قصر یلدز کی طرف چلے۔ ایسے نازک وقت میں یلدز جانے سے میری غرض یہ تھی کہ میں نے خیال کیا کہ اگر انگریزی سفارت کو جاتے مجھے دیکھ لیا ہے تو

جاسوس سمجھینگے کہ میں کوئی سرکاری پیغام لیکر گیا ہونگا - علاوہ بریں وہ ایسے شخص کے پیچھے نہ پڑینگے جو کہ قصر یلدز جاتا ہو اور اغلب ہے کہ اُن ہی کی طرح وہ بھی سرکاری ملازم ہو -

قصر یلدز پہونچکر میں اپنے دوست فائق بے کے دفتر میں گیا - وہ اُسوقت موجود نہ تھے اور اُنکی غیر حاضری میرے لئے نہایت ہی موزوں ثابت ہوئی اسواسطے کہ اس بیموقع حاضری کا جو کچھ میں سبب بتاتا وہ ضرور کمزور ہوتا - وہاں سے میں نے ایک اور گاڑی کرایہ کی اور ساحل کی طرف گیا - میرا کشتیبان بوجہ انتظار اور بیکاری کے جماہی لے رہا تھا - میں جلدی سے کشتی پر سوار ہو گیا اور اسی جہاز کی طرف چلنے کو کہا گو اُسے علم نہ تھا کہ میں اُسی جہاز میں انگلستان جانیکا قصد کر چکا تھا - جب ہم جہاز کے قریب پہونچے تو میں نے اپنے کشتیبان سے کہا کہ یہ جہاز عجیب قسم کا معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے دھواں نکلنے کا نل بہت زیادہ پیچھے کی طرف ہے اور جیسا کہ معمول ہے جہاز کے صحن کے بیچ میں نہیں ہے کشتیبان جانتا تھا کہ یہ تیل کا جہاز تھا اور اسلئے اُسکا انجن پیچھے لگایا گیا تھا میں اسپر ظاہر استعجب ہوا اور جہاز کے دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا - یہ سنکر سادہ لوح کشتیبان بلا عذر مجھے جہاز کے قریب لیگیا اور مجھے اسپر جاکر نہایت تسکین ہوئی -

میں عملی طور پر اب انگریزی عملداری[۵۱] میں تھا - کپتان سے ملاقات کرنے کے بعد جہاز کے کنارے پر جاکر میں نے اپنے کشتیبان کو آواز دی اور کہا کہ چونکہ میں اہل جہاز کی زبان

---

[۵۱] کہا جا سکتا ہے کہ بموجب قانون بین الاقوام علاوہ جنگی جہازوں کے معمولی جہاز اُس سلطنت کی عملداری متصور نہیں ہو سکتے جسکی کہ وہ ملکیت ہیں جبکہ وہ دوسرے ملک کی بندرگاہوں میں ہوں لیکن سلطنت عثمانیہ میں خارجی جہازوں کی جو خاص حالت ہے اُسکے باعث سے اگر میرے وہاں پناہ لینے کی سلطان المعظم کو اطلاع بھی ہوئی ہوتی تو بھی وہ کسی طور پر اس تیل کے جہاز سے مجھے واپس نہیں لے سکتے تھے

سمجھتا ہوں۔ اُنہوں نے مجھسے تھوڑی دیر کے لئے وہاں قیام کرنے اور چار پینے کو کہا ہے
تم اس تیز ہوا میں میرے لئے نہ ٹھہرو۔ جب میں کنارے واپس جانا چاہونگا تو کسی
گذرتی ہوئی کشتی کو بلا لونگا۔ یہ کہکر میں نے اُسکی مزدوری پھینکدی اور وہ چلا گیا۔ کچھ زیادہ
عرصہ نگذرا کہ ہم بھی روانہ ہوگئے۔ میں نے یہ دھوکہ بازی ہرگز نہ کی ہوتی اگر مجھسے جو وعدہ
کیا گیا تھا وہ پورا اور میرے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا ہوتا۔

قسطنطنیہ سے یہ دوسری روانگی ۸ نومبر ۱۸۹۴ء کو پیش آئی اور اٹھارہ روز میں تیل
کا جہاز راہ میں بلا کسی جگہ قیام کئے ہوئے لورپول پہونچا۔ چونکہ میں اپنے ساتھ زیادہ
کپڑے نہ لے سکا تھا سردی سے مجھے زیادہ تکلیف ہوئی اور نیز اسوجہ سے کہ
تمام راستہ سمندر برابر مواج رہا۔ جہاز کے گورے روکھے ناتراشیدہ لوگ تھے اور خود
کپتان ازحد بخیل و تنگدل تھا۔ اُس نے ہمیں نہایت ہی خراب کھانا دیا۔ بہرحال میں
بخیریت انگلستان پہونچگیا اور اُسوقت سے اس ملک کو اپنا وطن بنا لیا ہے
سیر و سیاحت کے لئے جو وقتاً فوقتاً یورپ کا دورہ کیا کرتا ہوں اُن موقعوں پر بھی میں نے
تب سے آج تک اپنے ملک کی سرزمین پر قدم نہیں رکھا ہے۔

تمت بالخیر

غلطنامہ ترکوں کی معاشرت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
فہرست مضامین باب دوم		حرم سراین	حرم سرا
دیباچہ مترجم			
۲	۱	کہ اس شخص	اس شخص
۲	۲	قریب وہ	قریب دہ
۳	۱	ہیں	ہین
۳	۱۴	گویا	گو
۶	۱۵	ایشیا،	ایشیا
۷	۵	یورپ امریکہ	یورپ و امریکہ
۸ (فٹ نوٹ)	۱	مدرس	مدراس
۸	۵	بارنو	باربو
۱۰	۱	بدکو	بد
۱۰ (فٹ نوٹ)	۸	بیکوس ویکلی کورڈ	بیگوس ویکلی رکورڈ
۱۱ 〃	۸	بیگوش ویکلی کومدڈ	ایضاً
۱۳	۱۸	سلامی	اسلامی
۱۸	۷	مردوں کو	مردوں
۲۵	۶	اور نہ ٹھیک	ورنہ ٹھیک
۲۷	۵	کلی جیسنروں	کل جیسنروں
۲۸	۳	ہیں	میں
۳۰	۱۱ و ۱۲	لودس	نودس
۳۱	۹	زور	بار
۴۰ (فٹ نوٹ)	۹	گونگسٹن	لونگسٹن

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۱ (فٹ نوٹ)	۱	لیم ڈارلنگ	ولیم ڈارلنگ
〃 〃	۲	نورتھمبر لینڈ	نورتھمبر لینڈ
〃 〃	۱۱	تعلیم نسوان یا پردہ	تعلیم نسواں کی تائید یا پردہ
۴۵ 〃	۱۱	رات	راستہ
۴۹	۳	مثلاً	مثل
۶۰	۱۲	دکھاوینے	دکھاوے۔
۶۶	۹	عقیم	عقم
۷۱	۳	مس اینی روڈ	مس اینی روڈ
۷۳	۸	کرتا ہے	کرنا ہے
〃	۱۵	ولوز ہمٹین	ولوز ہمیٹن
۷۸	۹	مسٹر ایسکوٹہ	مسٹر ایسکو ٹیہتہ
۷۹ (فٹ نوٹ)	۳	باکنسن	پارکنسن
۸۰	۱۹	ایک نپچے	ایک بجے
۸۲	۱۵	پاگ	باگ
۸۴	۱۸	بچے ہوں	زیادہ نیچے ہوں
۸۵	۵	جنہیں	جسے
۸۷ (فٹ نوٹ)	۱۰	مائیں	مامائیں
۹۲	۶	لاکھوں	لاکھیں
۱۰۳	۱	کسی طرح	کس طرح
۱۰۴	۴	ویمری	ویمبری
۱۰۸	۱	چودہویں صدی	چوتھی صدی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۰۹ (فٹ نوٹ)	۱	مصنف	مصنفہ
۱۲۱	۱۷	یَسْتَعْفِضْنَ	یَسْتَعْفِفْنَ
۱۲۴	۳	ضرور دیتا ہوں	ضرور داد دیتا ہوں
"	۱۲	امام سلمہؓ	ام سلمہؓ
"	۱۰	بعد کا	بعدہٗ کا
۱۲۸	۱۵	النسا والجنائز	النساء الجنائز
۱۳۱	۱۴	کہتے ہیں	کہنے میں
۱۳۴	۶	اِو یَجْعَلَ اللہ	اَو یَجْعَلَ اللہُ
۱۴۳	۸	دلدادہ میدان	دلدادہ ہوں میدان
"	۹	لہ	کہ
		اصل کتاب	
۳	۱۰	آسود	اسود
۶	۱۹	مغربی یورپ	دمغربی یورپ
۹	۱۶	جیسا کہ	جو جیسا کہ
۱۲	۱۳	اپنے خط ۵۱	اپنے خط ۵۳
۱۲ (فٹ نوٹ)	۱	۵۱	۵۳
۱۳	۲	واقف نہیں	واقف تھیں
۱۳ (فٹ نوٹ)	۱۴	انگلستان میں کو رواج	انگلستان میں رواج
۱۷ (سرخی باب)	۴	حرم سرائے	حرم سرا
۲۴	۲	شال	مثل
۳۷	۴	لعبد یہ	لعبد کہ یہ
"	۸	سلام لبق	سلام لیتا
۳۷ (فٹ نوٹ)	۸	بحرمرروم	بحر روم
۳۸	" ۱۳	کدو کے	کدو کے درخت
۴۳	" ۱۱	یوروپین کا طور	یوروپین طور
۶۴	۱۸	تو جو کہ	جو کہ
۷۴	۴	کیڑے مکوڑے	کیڑے مکوڑے
۷۵ (فٹ نوٹ)	۳	پولیس والون کی	پولیس کی
۷۸	" ۱۲	چوڑا	جوڑا
۱۰۸	" ۳	نظر رکھکر	مد نظر رکھکر
۱۱۴	۴	پرٹسٹنٹ	پروٹسٹنٹ
۱۱۷	۱۹	اسپیکٹر	اسپکٹر
۱۲۵ (فٹ نوٹ)	۶	بہت ہیں	بہن ہیں
"	" ۱۳	گاؤں	گانوں
۱۲۷	" ۱۴	کرتے والے	کرنے والے
۱۳۰	۴	وجود	وجوہ
۱۳۷	۶	لائن بندہی	لائن بندی
"	۱۶	جہاز	جہاز
۱۳۸	۴	ہوئی ہو	ہوئی
"	۱۴	یوروپین اشخاص	یوروپین اشخاص
۱۴۲	۱۰	شورشش	شورش
"	۱۶	کہہ چکا ہوں کہ	کہہ چکا ہوں
۱۴۳	۱۳	اُسے	اسے
۱۴۵	۶	یہی	تھے
۱۴۷	۱۵	سکتی ہے	سکتی ہیں
۱۴۸	۱۹	دو	[illegible]
۱۵۱	۲	کرتا نہا	کرتا تھا
۱۵۲	۸	تکلیف وہ	تکلیف دہ
۱۵۵ (فٹ نوٹ)	۳	اُسوقت	اسوقت
۱۵۷	۳	درجہ کے	درجہ
۱۵۸	۸	دوڑارہا ہو	دوڑ رہا ہو
۱۶۲	۱۹	کھیلتا تہا	کھیلتا تھا
۱۷۴ (فٹ نوٹ)	۶	قہوہ سناکر	قہوہ شناس

تمت